رَب کا پیغام

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام

تالیف : ڈاکٹر نسرین حسین پرویز

بحکم: مصدقہ اقرار حسین
(والدہ مرحومہ)

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Mirza Qaleej Baig Road
Soldier Bazar No. 2
KARACHI

Acc No. 102810 Date 10/12/09
Section .... Status ....
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

رب کا پیغام

صلی اللہ علیہ وسلم
محبوب
کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ
الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾
اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾
اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ
الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬ غَیۡرِ
الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾

ربّ کا پیغام

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام

تالیف : ڈاکٹر نسرین حسین پرویز

بحکم : مصدقہ اقرار حسین

جملہ حقوق مصنف کے حق میں محفوظ ہیں

ناشر: اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ سینٹر آف پاکستان
285-B بلاک 13 فیڈرل بی ایریا۔ کراچی
فون : 6364519 - 5887948

پرنٹر: یونائیٹڈ ڈائریز حور بائی منزل۔ محمد بن قاسم روڈ کراچی
فون: 2627341

قیمت: ڈسٹ کور ٹائٹل میٹ پیپر 350 روپے
کارڈ ٹائٹل آفسٹ پیپر 250 روپے

CARTIFICATE

Acadmy of Quranic Studies and IslamicResearch of pakistan
Director
S. M. Hassan Rizvi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے "رب کا پیغام محبوب کے نام" مصنفہ ڈاکٹر نسرین
حسین پرویز کی تفسیر و تلخیص قرآن کے متن کا
بغور مطالعہ کیا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ
اس کے متن میں مستند تفسیروں کے بیان کے
خلاف کوئی بات نہیں لکھی گئی ہے۔
البتہ سورۂ مجادلہ کی آیت کی توضیح
کی ذمہ داری مصنفہ نے خود قبول فرمائی ہے جس سے
میں بھی متفق ہوں۔ حسن رضوی

(صاحب خلاصۃ التفاسیر)

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

"شهادة العلامة معادلة دكتورا" من علماء الأزهر

التماس دعا برائے ایصال ثواب

خالق کائنات نے جب اپنی تخلیق سے محبت کا معیار مقرر فرمایا تو کہا کہ ''میں ماں سے ستر گناہ زیادہ محبت کرتا ہوں'' گویا دنیا میں ماں وہ ہستی ہے جس کے لئے محبت کو پیمانہ بنایا گیا۔

میری اس کتاب کے حوالے سے کوشش اور محنت میں ہی نہیں بلکہ زندگی کی ساری کامیابیوں میں اللہ نے میرے ماں باپ ہی کو میرے لئے وسیلہ بنایا ان کی دعائیں مجھے ایسی ایسی بلاؤں سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں جن کی تفصیل کا یہ صفحہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ ان کے احسانات کا بدلہ پتہ نہیں میں ساری زندگی کی قربانی دے کر بھی اتار پاؤں گی یا نہیں۔ یہ کتاب انہی کی محبت کا تحفہ ہے۔ اس لئے وہ تمام قارئین جو اس کا مطالعہ کریں ان سے گزارش ہے کہ وہ ایک سورہ فاتحہ میرے والدین سیّدہ مصدقہ اقرار حسین عابدی اور اقرار حسین پرویز کو ہدیہ کردیں۔

انتساب

ہمارے بچوں، علی عباس زیدی، علویہ عباس زیدی، ضامن عباس زیدی،
رضا عباس زیدی، زویا عباس زیدی، شاہ عون حسین،
شہربانو حسین اور شان زے حسین کے نام

مصدقہ اقرار حسین
ڈاکٹر نسرین حسین پرویز

تجزیہ

ڈاکٹر نسرین حسین پرویز اگرچہ عام معنوں میں ایک سرکاری ملازم ہیں لیکن پڑھنے لکھنے سے انہوں نے اپنا رابطہ کبھی منقطع نہیں کیا۔ وہ بہت حساس اور سیماب صفت ہیں۔ اور ان میں یہ جذبہ وافر حد تک موجود ہے کہ ہم کسی طور اپنے معاشرے میں بہتری کی کوئی صورت پیدا کر سکیں۔ یہی محرک دہلی کا مقدمہ لکھنے کے پس پشت کارفرما تھا اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے بھی ایسے موضوع کا انتخاب کیا جو ہماری معاشرتی زندگی سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے یعنی "ٹیلیویژن کا سماجی تبدیلیوں پر اثر"۔ یہ پیغام الہیٰ جس کی ترجمانی اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے غالباً سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ ہے جس سے ہمارا معاشرہ دوچار ہے۔ پاکستان کے رہنے والے چاہے وہ مذہب سے دلچسپی رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں اس کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کو ہم بنیاد پرست کہتے ہیں اور وہ لوگ بھی جن کو جدید کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو بظاہر مذہب سے لاتعلق نظر آتے ہیں مذہب کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔ ان سب کا بنیادی مسئلہ اسلام کے بنیادی پیغام کی تفہیم ہے اور یہ بنیادی پیغام قرآن کریم میں ملتا ہے۔

قرآن کریم کی تفہیم مختلف انداز سے کی جاسکتی ہے ایک فقیہہ کے لئے یہ قانون کا بنیادی منبع ہے۔ ایک صوفی کیلئے یہ انسان کو معرفت کی راہ دکھاتا ہے اور ایک فلسفی کے لئے یہ طبیعاتی اور مابعدالطبیعاتی حقائق پر روشنی ڈالتا ہے یہاں تک کہ یہ ایک عام آدمی کے لئے بھی جو فقہ اور فلسفے کی باریکیوں میں نہیں جانا چاہتا ایک سمجھ میں آنے والی کتاب ہے۔ قرآن کے اولین مخاطب ظاہر ہے کہ اہل عرب تھے جن میں اگرچہ پڑھنا لکھنا عام نہیں تھا لیکن وہ اس بنیادی صفت سے متصف تھے جس کو سرسید کی زبان میں "سمجھ" کہتے ہیں۔ اس لئے اگر ایک عام آدمی بھی قرآن مجید کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا چاہتا ہے تو اس کی ایک عمومی تفہیم کافی ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر نسرین حسین پرویز کی یہ کتاب اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے کہ قرآن کے بنیادی پیغام کو منظم طریقے پر ایک عام آدمی کے لئے ایسی زبان میں سمجھا دیا جائے جو اس کی پہنچ میں ہو۔ اس تعارف کی

خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اولاً ہر سورۃ کے بنیادی موضوعات' خاص خاص نکات وواقعات بیان کئے گئے ہیں اور جہاں جہاں ضرورت ہوان کا رشتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ سے جوڑا گیا ہے۔ یہ بات بڑی اہم اور سمجھنے کی ہے کہ قرآن کریم درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک سفر ہے اور اس کی اصل معنویت اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب اس کو ایک عام کتاب کی طرح پڑھنے کے بجائے اُس زندگی کے آئینے میں دیکھا اور سمجھا جائے جس ہستی کا یہ سفر نامہ ہے۔

ڈاکٹر نسرین پریز عام معنوں میں مفسر نہیں ہیں لیکن انہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ان کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل میں ذہانت' سمجھداری اور جذبہ صادق کے ساتھ پیغام الہٰی کو لوگوں تک پہنچانا چاہتی ہیں اور اس میں کسی مسلک کی ترجمانی یا نقطہ نظر کے جواز کی کوشش نہیں کرتیں۔ یہ کھلے ذہن اور صدق دل سے لکھی ہوئی ایک کتاب ہے اور اسی وجہ سے دل پر اثر کرتی ہے۔

ڈاکٹر منظور احمد

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان

سابقہ ڈین آف فیکلٹی آف آرٹس کراچی یونیورسٹی

وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی کراچی

تجزیہ

کسی مذہب نے علم کی فضیلت پر چاہے وہ دینوی ہو یا دنیاوی اتنا زور نہیں دیا جتنا اسلام نے اور ایک عالم کے قلم سے نکلی ہوئی روشنائی کو ایک شہید کے خون سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔ لیکن اس اونچے مقام پر پہنچنے کے لئے علماء کرام جو مفسر ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں انہیں اسلام کے بنیادی احکامات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی جاننا چاہئے' ساتھ ساتھ اشد ضروری ہے کہ ان میں جدید علوم کو سمجھنے کی صلاحیت بھی ہو ورنہ ان کا علم ناقص رہ جائے گا اور معاشرے میں انتشار اور بے راہ روی پھیل سکتی ہے۔

ڈاکٹر نسرین حسین نے پرویز اپنی کتاب پیغام الہیٰ میں یہ ہی بات دوسرے انداز سے کہی ہے۔ اس منزل تک رسائی کے لئے سب سے پہلے قرآن حکیم کا پیغام سمجھنا ہوگا جس کو انہوں نے بڑی خوش اسلوبی' سلیقے اور اختصار کے ساتھ سادہ اور غیر مبہم زبان میں رقم کیا ہے' فاضل مصنفہ نے ہر سورۃ کا تعارف اس کے تاریخی حوالے سے کیا ہے اور خود ان کی زبانی ہر ایک سورۃ میں تین باتیں اختصار سے بیان کی ہیں جو آسانی سے ہر طالب علم کے ذہن نشین ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر نسرین حسین پرویز ابلاغ عامہ میں پی ایچ ڈی ہیں اور ریسرچ اسکالر ہیں لیکن انہوں نے انتہائی انکساری سے اعتراف کیا ہے کہ وہ کوئی مفسر نہیں ہیں بس اپنی مرحومہ والدہ سے کئے گئے وعدہ کی تکمیل کر رہی ہیں۔

یہ کتاب چونکہ ایک ماں کی آرزو کی تکمیل ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ رواجی تعلیم رکھنے والی اُن ماؤں کو جن کی یہ خواہش ہے کہ اُن کے بچے قرآن کریم کے بنیادی علم سے آشنا ہوں' پروردگار نے جو اس کتاب کا مصنف ہے' اُس نے ماؤں کے دلوں کی اس خواہش کی تکمیل ڈاکٹر نسرین حسین پرویز کے قلم سے کرادی ہے۔ قدرداں ضرور "پیغام الہیٰ" کی قدر کریں گے' مجھے امید ہے کہ یہ کتاب خصوصاً نوجوانوں' خواتین' طالبعلموں' علماء و ذاکرین اور واعظین میں مقبول ہوگی۔

جسٹس (ر) حاذق الخیری

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل

جج (ر) ہائی کورٹ' سابق محتسب اعلیٰ سندھ

فہرست

مقدمہ	ا ب ت
ماں کی بات	1
دیباچہ	7
وہ تفاسیر جن سے استفادہ کیا گیا	14
وحی اور نبوت	17
قرآن کیا ہے؟	25
قرآن مجید میں سورتوں اور آیات کی تقسیم	30
جمع قرآن میں ترتیب کا اختلاف اور معنی میں تحریف کا اختلاف	32
حروف مقطعات	40
سورئہ فاتحہ	45
سورئہ بقرہ	60
سورئہ آل عمران	68
سورئہ نساء	74
سورئہ مائدہ	76
سورئہ انعام	80
سورئہ اعراف	85
سورئہ انفال	87
سورئہ توبہ	90
سورئہ یونس	95
سورئہ ھود	101
سورئہ یوسف	104
سورئہ رعد	111
سورئہ ابراھیم	113
سورئہ حجر	116
سورئہ نحل	118
سورئہ بنی اسرائیل	120
سورئہ کہف	125

سورئہ مریم	132
سورئہ طٰہٰ	136
سورئہ انبیآء	139
سورئہ حج	141
سورئہ المومنون	146
سورئہ نور	150
سورئہ فرقان	154
سورئہ شعرآء	157
سورئہ نمل	162
سورئہ قصص	173
سورئہ عنکبوت	177
سورئہ روم	182
سورئہ لقمان	187
سورئہ سجدہ	190
سورئہ احزاب	193
سورئہ سبا	200
سورئہ فاطر	205
سورئہ یٰس	208
سورئہ صآفات	214
سورئہ صٓ	220
سوئہ زمر	229
سورئہ المومن	234
سورئہ حمٓ السجدۃ	245
سورئہ شوریٰ	248
سورئہ زخرف	255
سورئہ دخان	259
سورئہ جاثیہ	263
سورئہ الاحقاف	265
سورئہ محمد	269
سورئہ فتح	276
سورئہ حجرات	282
سورئہ قٓ	286

سورئہ الذاریات	290
سورئہ طور	294
سورئہ النجم	296
سورئہ قمر	302
سورئہ رحمن	307
سورئہ واقعہ	313
سورئہ حدید	315
سورئہ مجادلہ	319
سورئہ حشر	326
سورئہ ممتحنہ	330
سورئہ الصفٰت	333
سورئہ جمعہ	337
سورئہ المنفقون	341
سورئہ تغابن	344
سورئہ طلاق	346
سورئہ تحریم	349
سورئہ ملک	360
سورئہ قلم	362
سورئہ حاقہ	365
سورئہ معارج	367
سورئہ نوح	371
سورئہ جن	374
سورئہ مزمل	377
سورئہ مدثر	381
سورئہ القیٰمۃ	384
سورئہ دھر	386
سورئہ المرسلٰت	390
سورئہ نباء	392
سورئہ النازعات	394
سورئہ عبس	396
سورئہ التکویر	399
سورئہ انفطار	401

سورئہ مطففین	402
سورئہ الانشقاق	403
سورئہ بروج	404
سورئہ طارق	406
سورئہ اعلیٰ	407
سورئہ غاشیہ	409
سورئہ فجر	410
سورئہ بلد	413
سورئہ شمس	416
سورئہ لیل	418
سورئہ ضحی	420
سورئہ الم نشرح	421
سورئہ التین	423
سورئہ العلق	424
سورئہ القدر	426
سورئہ البینۃ	429
سورئہ الزلزال	430
سورئہ العدیت	432
سورئہ القارعہ	433
سورئہ التکاثر	434
سورئہ العصر	435
سورئہ الھمزۃ	436
سورئہ الفیل	437
سورئہ القریش	439
سورئہ الماعون	441
سورئہ الکوثر	442
سورئہ الکافرون	445
سورئہ النصر	446
سورئہ اللھب	447
سورئہ اخلاص	448
سورئہ الفلق	449
سورئہ الناس	450

مقدمہ

بر کتاب ''رب کا پیغام محبوبؐ کے نام''

تالیف: محترمہ عزت مآب ڈاکٹر نسرین حسین پرویز صاحبہ

مقدمہ: مفسر قرآن ڈاکٹر محمد حسن رضوی (صاحب خلاصۃ التفاسیر)

محترمہ ڈاکٹر نسرین حسین پرویز صاحبہ بفضل اللہ تعالیٰ ایک اعلیٰ مذہبی علمی خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ علوم قرآن سے خاص قلبی، فطری اور علمی لگاؤ رکھتی ہیں جو ان کا خاندانی ورثہ ہیں۔

امام رازی اور علوم دین کے تمام ماہرین کے نزدیک تمام علوم عالم میں سب سے اعلیٰ علم تفسیر قرآن کا علم ہے اس لئے کہ کائناتِ عالم میں سب سے اعلیٰ علمی کتاب قرآن مجید ہے کیونکہ اس کتاب کا مصنف ''رب اعلیٰ'' ہے۔ اسی لئے قرآن مجید کا علم سب سے ارفع و اعلیٰ علم ہے۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ یہ علم ہر قسم کے شک و شبہ، غلطی یا نقص سے پاک ہے۔ کیونکہ اس کتاب کا مصنف وہ ذاتِ والا صفات ہے جو ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے اور جس کا علم لامحدود بھی ہے۔ اسی لئے خدا ہی کی ذات نے اپنی کتاب کے لئے یہ فرمایا ''ذالک الکتاب لا ریب فیہ'' ''یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے''۔ یعنی قرآن مجید کا علم سو فیصد یقینی طور پر درست اور قابل اعتماد ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ ''جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے (یعنی سمجھ کر پڑھتا ہے) تو ہر آیت کے سمجھنے سے اس کے ایمان و یقین کا ایک درجہ بڑھ جاتا ہے''۔ (الحدیث) نیز فرمایا کہ ''قرآن مجید کی تلاوت (یعنی) سمجھ کر پڑھنے والوں کے گھر اس طرح چمک اٹھتے ہیں کہ آسمان والے اُس کو ایک چمکتے دمکتے ''ستارے'' کی مانند دیکھتے ہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ جن گھروں میں قرآن سمجھ کر پڑھا جاتا ہے، وہ آسمان والوں کے لئے ''ستاروں'' کی طرح ہیں، تو جو شخص قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہوگا، اُس کا پورا وجود کس قدر نور ہدایت سے چمک دمک اٹھتا ہوگا۔ اسی لئے جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ ''سب سے افضل وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں (الحدیث) یعنی خود بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھاتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ تفسیر قرآن کا علم بہت مشکل علم ہے اس کے لئے کئی علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے اور جیسا کہ خود ڈاکٹر نسرین حسین پرویز صاحبہ نے دیباچے میں تحریر کیا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں جدید ترین اصطلاح

یعنی Combined Research ''مشترکہ تحقیق'' کا طریقہ کار ایجاد کیا گیا ہے یعنی مختلف ماہرین ومفکرین ملکر تحقیق کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس طرح ہر پہلو سے تحقیق کا حق ادا کیا جاتا ہے۔

شاید اسی لئے عزت مآب محترمہ ڈاکٹر نسرین حسین پرویز صاحبہ جو واقعی ایک ریسرچ اسکالر ہیں' آپ نے مختلف اکابرین وماہرین کی تفاسیر سے اچھی طرح استفادہ فرما کر ان کے حوالوں کی بنیاد پر' طالب علم کی علمی سطح کا خیال کرکے آسان زبان میں تفسیروں کے یہ اختصاریے تحریر کیے ہیں اور زبان کی سلاست سے مفہوم کہیں بھی بدلنے نہیں دیا۔ یہی اس علمی کام کا کمال ہے۔

مزید یہ کہ ڈاکٹر نسرین حسین پرویز صاحبہ نے سب سے زیادہ استفادہ ''تفسیر نمونہ'' سے فرمایا ہے۔ ''تفسیر نمونہ'' کو خود مختلف محققین کی ایک جماعت نے مل کر لکھا ہے۔ گویا ''تفسیر نمونہ'' خود ایک مشترکہ تحقیق کا نتیجہ ہے۔ پھر اس میں محترمہ نے مزید اضافہ فرمایا کہ مولانا مودودی صاحب کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ تفہیم القرآن اردو زبان کی بہترین تفسیروں میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ محترمہ نے تفسیر ''روح المعانی'' جو علامہ شہاب الدین محمود آلوسی کی مشہور عالم عارفانہ تفسیر ہے' اس سے بھی کافی استفادہ فرمایا ہے۔ اس طرح مصنفہ محترمہ کی اس تفسیر نے تین بہت اہم پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے۔

(۱) اہل سنت والجماعت کی بھی بھرپور ترجمانی فرمائی ہے۔

(۲) صوفیائے کرام کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے۔

(۳) ''تفسیر اہل بیت'' کے مستند ترین مفسرین کی ترجمانی فرمائی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کا ارشاد ہے کہ ''فقیہہ (یعنی) حقیقی دقیق عالم وہ ہوتا ہے جو اپنے علم وتحقیق کے ساتھ ساتھ دوسروں کے علوم وتحقیقات کو ملاتا ہے اور ان سے بھی استفادہ کرتا ہے''۔

اسی لئے حضرت امام جعفر صادقؒ کا طریقہ کار ہی یہ تھا کہ جب آپ سے کسی اہم مسئلہ کو پوچھا جاتا تھا تو آپ اس طرح جواب عنایت فرماتے تھے کہ ''کوفے کے علماء نے یہ کہا ہے' مدینہ کے علماء فلاں بات کا یہ جواب دیتے ہیں' معتزلہ اور اشاعرہ کے نزدیک یہ بات اس طرح صحیح ہے۔ اس طرح تمام اہم مکاتب فکر کی ترجمانی فرمانے کے بعد امامؒ یوں فرمایا کرتے تھے کہ

''ہم اہل بیتِ رسولؐ اس سلسلے میں یہ کہتے ہیں'' پھر امامؒ اپنی تفسیر بیان کرتے یا جواب عنایت فرماتے تھے۔

اس طرح سننے والے کو مسئلہ کے ہر گوشے اور ہر نظریے کا علم ہو جاتا تھا' پھر تقابلی مطالعہ کرکے وہ خود

فیصلہ کرسکتا تھا کہ کونسی تفسیر بیان بہترین ہے۔
اس طرح قرآن مجید کے اس حکم پر بھی عمل ہوجاتا ہے کہ ''بہترین لوگ وہ ہوتے ہیں جو کان لگا کر ہر اچھی بات کو سنتے ہیں پھر اس میں سے بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں''۔ (القرآن) اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس قسم کی تحقیق جس میں تمام مکتبہ فکر کی ترجمانی ہوجائے بہت مشکل کام ہے۔ ڈاکٹر نسرین حسین پرویز صاحبہ نے اپنی مساعی جمیلہ کے ذریعہ اس کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ بڑی سادگی' بے ساختگی' روانی' برجستگی اور سلاست کے ساتھ لکھا ہے۔ بڑی دقتِ نظر اور خونِ جگر صرف کیا ہے اس لئے خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کاملہ کی وجہ سے اپنے محبوبؐ اور اُن کی آل اطہارؑ کے صدقے محترمہ کو ان کے قلمی جہاد کا عظیم اجر عطا فرمائے۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ''علماء کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے''(الحدیث)
اس متفق علیہ حدیث سے ثابت ہوگیا کہ قلمی جہاد جہاد کی تمام قسموں میں سب سے افضل و اعلیٰ جہاد ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جو محترمہ نے خونِ جگر صرف کر کے کیا ہے' میدان جنگ کا شہید جسم کا خون بہاتا ہے جبکہ قلمی جہاد میں خونِ جگر اور دقت نظر صرف کرنا پڑتی ہے' پتّا مارنا پڑتا ہے۔ محترمہ نسرین حسین پرویز کا یہ عظیم قلمی جہاد ہے۔ اس لئے یہ ایک عبادت اور خدمت ہے۔ امت کی اصلاح و فلاح کا بھرپور سامان ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم و تفہیم' خدمت اور عظیم ریاضت ہے۔

کچھ ایسے ہی قلم ہوتے ہیں جن کی فکر و کوشش سے
یقیناً اُنھوں' قوموں کے مستقبل سنورتے ہیں
انہیں کی تابشوں سے آسمانِ فکر و دانش پر
نئی صبحیں نکھرتی ہیں' نئے سورج اُبھرتے ہیں

دعا گو۔ طالب دعا
(ڈاکٹر محمد حسن رضوی)

دردِ مشترک

اے زلفِ مسلسلت بلائے دلِ من
لعلِ لب تو گرہ کشائے دلِ من
من دل نہ دہم بہ کس برائے دلِ تو
تو دل بہ کسے مدح برائے دلِ من
جانم بہ لب از لبِ خموشِ تو رسید
وز لعلِ خموش بادۂ نوش تو رسید
گوش تو شنیدم کہ درد دارد
دردِ دلِ من بگوش تو رسید

ترجمہ:

اے پروردگار اے میرے محبوب تیری ان گنت نعمتیں مجھے مسلسل اپنی طرف کھینچے رہیں اور میں اس طرح ان کا اسیر ہوا جیسے ایک عاشق اپنے محبوب کی زلفوں کا اسیر ہو جاتا ہے۔

مگر اے میرے رب جب تیرے لبوں کا جوہر یعنی تیرا کلام پاک میرے لبوں تک پہنچا تو اس نے میرے دل کی ساری گراہوں کو کھول دیا۔

میں اب اپنا دل تیرے دل کی خاطر کسی نعمتِ دنیا میں نہیں الجھانا چاہتا تو میرے دل کی اس خواہش کا مان رکھ لے۔

میری جان میرے رب! "لب خموش" یعنی تیرے خاموش قرآن کو جب میں نے پڑھا تو میری جان لبوں پر آ گئی کہ قرآن مجھے کس طرف بلا رہا تھا اور میں کس طرف جا رہا تھا لیکن تیرے کلام کی کشش سے ہی آخرِ کار میں تیرے جامِ محبت تک پہنچ گیا۔

اور میں نے جب اس خاموش کلام کی آواز سنی تو مجھے محسوس ہوا کہ تیرے دل میں بھی کوئی درد ہے' یہ دردِ تنہائی جو مجھ میں اور تجھ میں مشترک تھا اس دردِ مشترک کے وسیلے سے میں تیرے کلام کی روح تک پہنچ گیا اور یہ جان کر حیران ہوں کہ تیرے اور میرے دل کا درد ایک ہی ہے۔

شاعر: سلطان ابو سعید ابوالخیر مہینی

''ماں کی بات''

میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتی ساری زندگی صرف قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ بھی کچھ بچپن میں مذہبی ماحول اور کچھ خاندان میں مفتی اور علماء و مفسرین کی موجودگی کے باعث' مگر قرآن کے متن کو سمجھنے میں حقیقی مدد میرے شوہر نے کی جو نہ مفتی دین تھے نہ مفسر تھے مگر مذہب اسلام فقہ' تاریخ اور کلام پاک ہی نہیں بلکہ جدید علوم خصوصاً انگریزی اور اردو ادب 'نفسیات' فلسفہ اور سائنس وٹیکنالوجی سے متعلق ان کا مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک عام پڑھے لکھے انسان نہیں ہیں بلکہ ان کا علمی سفر کسی غیبی قوت سے بھی منسلک ہے۔ وہ ایک سرکاری ملازم تھے حکومت کے اہم اور حساس عہدوں پر بھی فائز رہے مگر منصب کے غرور اور اہمیت کی کوئی جھلک کبھی ان کے کردار کے کسی پہلو سے اپنے پرائے کسی پر بھی واضح نہ ہو سکی۔ ان کے سینکڑوں طالب علم خصوصاً خواتین کا حلقہ بہت وسیع تھا اور اس کی وجہ ان کا اس مقولے پر عمل کرنا تھا کہ ''اگر اچھا معاشرہ تشکیل دینا ہے تو عورت کو حقیقی تعلیم دو'' یہ جملہ اب کچھ برس سے میں ٹی وی پر علمی مباحث کے دوران یا ڈراموں کے ڈائیلاگ کی صورت میں سنتی ہوں مگر پہلی بار آج سے 40 برس قبل میں نے اپنے شوہر کے منھ سے اس وقت سنا جب پاکستان بنے صرف 12 برس گزرے تھے اور جس مذہب کے احیاء کیلئے یہ ملک بنا تھا اس دین اسلام کی تعلیمات اپنے صحیح اور حقیقی اسلوب کو کھونا شروع کر رہی تھیں وجہ تھی کچھ خاندان اور پڑوس اور ملنے جلنے والے گھروں میں رزق حرام کی آمد اور عورت کا اس ''رزق حرام پر فخر'' وہ اس صورتحال پر بہت افسردہ تھے اور انہیں تشویش تھی کہ اگر عورت جو گھر کا بنیادی ستون ہے اگر اس نے اس روش پر چلنا شروع کر دیا اور اپنے بیٹے یا بھائی یا شوہر سے یہ سوال نہ کیا کہ اپنی آمدنی سے زائد پیسہ اس کے پاس کہاں سے

آ رہا ہے تو پہلے گھر کی بنیاد ہلے گی پھر معاشرے کی اور پھر ریاست کی یہ تشویش نہ تو بے جا تھی نہ ان کے قول اور فعل میں تضاد تھا اُن کے طالب علموں میں شامل ہونے کا شوق مجھے ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ سخت پردے کے ماحول کے پیش نظر ہمیں تو اسکول بھیجا ہی نہیں گیا اگر اب ہم پڑھنا چاہیں تو اس عمر میں کیا یہ ممکن ہے؟ ان کا جواب ہی دراصل مجھے قرآن کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوا انہوں نے بہت مختصر بات کی کہ "علم اسکول کالج یا کورس کی کتابوں کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ عقل اور محبت موجود ہو تو یہ لوازمات صرف علم کی آبیاری کرتے ہیں اور گھر کی تربیت اسے منزل تک پہنچاتی ہے اور اگر یہ تینوں چیزیں ناپید ہوں تو کوئی بڑی سے بڑی یونیورسٹی اور کتاب آپ کو ڈگری اور روزگار کے سوا کچھ نہیں دے سکتی اور علم کا تعلق ڈگری یا حصول روزگار سے نہیں بلکہ کردار خود بتاتا ہے کہ اس کا حامل صاحب علم ہے یا نہیں۔"

پھر انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ "اگر تم اچھی بیٹی تھیں تو اچھی بیوی اور اچھی ماں بنو اور یہی تربیت اپنی اولاد کو دو یہی علم ہے۔"

میں سوچتی ہوں کہ اتنے پڑھے لکھے شخص کی ایسی بیوی جس نے کبھی اسکول کی شکل نہیں دیکھی اتنے بڑے صاحب علم و کردار کے مالک شخص سے اگر میرا نباہ ہو گیا تو اس کی واحد وجہ میرا ان کے کردار سے عشق ہی ہے اور کچھ نہیں ان کا کردار ہی تھا جس میں مجھے ڈھونڈنے کے باوجود کبھی کوئی جھول نہیں نظر آیا۔ آج ان کے جسم کو میری اور میرے بچوں کی زندگی سے گئے پورے بارہ برس گزر گئے مگر ان کی روح اسی گھر میں رہ رہی ہے ان کا کردار نہ میرے دل سے جا سکا ہے نہ میرے بچوں نے ایک لمحے کیلئے بھی انہیں فراموش کیا ہے خصوصاً نسرین جسے وہ اپنے علم کا حقیقی وارث قرار دیتے تھے اور یہ اس وراثت کو ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہے ماں کی دعائیں اور علم و کردار کے دشمن عناصر کا حسد اسے اُس منزل کی طرف لے جا رہا ہے جہاں اس کے والد اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس نے جب ان کی خواہش کے مطابق ابلاغ کے میدان میں سب سے مضبوط اور موثر ابلاغ ٹیلی ویژن پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور اپنے مقالے کا پہلا لفظ اپنے والد کا

کہا ہوا لکھا کہ ''قرآن کریم کا نزول دنیا کا سب سے بڑا ابلاغ ہے'' تو میں اپنے پروردگار کے شکر میں سجدے میں گر پڑی'' سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا نسرین کی آنکھوں میں ایک حسرت تھی وہ اپنی اس کامیابی پر سب سے زیادہ خوش ہونے والی ہستی کو تلاش کر رہی تھی میں نے سوچا آج اگر میں نے اس کمی کو پورا نہ کیا تو یہ نہیں جان پائے گی کہ ماں اللہ کے بعد وہ ہستی ہے جس میں اللہ نے باپ کے ارمان بھی خلقت کیے ہیں۔ میں نے ایک میلاد کا اہتمام کیا اور اس طرح کیا کہ اپنے بچوں کی شادیاں بھی میں نے اتنے دھوم دھام سے نہیں کی تھیں جس جوش خروش سے میں نے اس عید میلاد النبی کا انتظام کیا سخت بیماری کے باوجود میں زیادہ تر کارڈ بانٹنے خود گئی اور اس میلاد میں میرے سرکار ختمی مرتبت محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے سے میرے تمام عزیز و اقارب' ہمسایوں نسرین کے دفتر میں کام کرنے والے ساتھی اس کی قریبی دوست لڑکیوں نے اس کو خلوص دل سے مبارکباد دی اور تحائف سے نوازا۔ جب میلاد ختم ہو گیا اور سارے مہمان چلے گئے تو میں نے اس سے کہا کہ اب تو خوش ہو نا تو اس نے میرے گلے لگ کے رونا شروع کر دیا میں نے پوچھا کیا کوئی کمی رہ گئی ہے تو اس نے مجھے پیار کرتے ہوئے کہا نہیں یہ تو خوشی کے آنسو ہیں اور اپنے پاپا کے انتقال کے دس سال بعد پہلی مرتبہ میں نے اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھی میں نے موقع غنیمت جان کے کہا دیکھو تم ساری زندگی وہ کرتی رہیں جو تمہارے پاپا نے چاہا اب میرا بھی ایک کام کرو تو وہ بھی میں اس سے وہی ایک مخصوص فرمائش کروں گی یعنی کہ ''میری زندگی میں شادی کرلو'' اس لیے وہ ہمیشہ کی طرح ہنستی رہی مگر فرمائش سن کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اس سے یہ کام بھی کہہ سکتی ہوں' میں نے اس سے کہا کہ قرآن کریم کی آسان زبان میں چھوٹی چھوٹی تفسیریں لکھ دو میں بولتی جاؤں تم لکھتی جاؤ چونکہ مجھے لکھنا نہیں آتا وہ حیرانی سے کچھ دیر تو سناٹے میں رہی پھر بولی مگر آپ کو اچانک یہ خیال کیوں آیا؟ میں نے اسے بتایا کہ اپنے گھر کے بچوں سمیت میں سارے بچوں کو دیکھتی ہوں کہ وہ قرآن کی سورتیں رٹ رہے ہوتے ہیں جس کے دو مقاصد ہوتے ہیں ایک تو دینیات کے کورس میں ہونے اور امتحان میں پاس ہونے کیلئے اور

دوسرے کچھ سورتیں اور آیات ماں باپ اس لئے یاد کرا دیتے ہیں کہ نماز میں ضرور پڑھنی ہوتی ہیں کاش ہمارے نصاب تعلیم میں یہ گنجائش نکل آئے کہ ہم طالب علموں کی ذہنی رسائی اور عمر کے مطابق قرآن کی تفسیروں کے اختصاریے ابتدائی جماعتوں سے ہی پڑھانا شروع کر دیں۔ جس عمر کے طالب علموں کے لئے میں یہ کام کرانا چاہتی ہوں وہ 14 سے 18 برس تک کی عمر ہے اور یہ تفسیر ان ماؤں کے لئے بھی کارآمد ہو جو اپنے بچوں کو قرآن کا حقیقی علم دینا چاہتی ہیں مگر وہ خود اس کی حقانیت سے بے خبر ہیں اس لئے ہچکچاتی ہیں کہ کہیں وہ اپنے بچوں کو کوئی ایسی چیز قرآن سے متعلق نہ بتا دیں جو خلاف علم و شریعت و طریقت و معرفت ہو وہ خود بھی گناہ گار ہوں اور اگلی نسل کو بھی گمراہ کریں وہ اسی لئے بچوں کو خود قرآن پڑھانے سے بھی گریز کرتی ہیں اور عموماً گھروں میں قرآن پڑھانے والے مولوی صاحب رکھ لئے جاتے ہیں جو طوطے کی طرح بچے کو قرآن رٹوا دیتے ہیں۔ یہ وہ مائیں ہیں جن کا عمل اور کردار قرآن کے مطابق ہے نسرین کے دماغ میں یہ بات ایسی نگینے کی طرح فٹ ہوئی کہ وہ بہت دیر اس پر سوچتی رہی پھر بولی امی یہ کام اتنا آسان نہیں چونکہ میں نے صرف ابلاغ عامہ میں پی ایچ ڈی کی ہے اور تفسیر لکھنے والے کیلئے جن علوم کو جاننا ضروری ہے یہ ان میں سے صرف ایک علم ہے اور میری پی ایچ ڈی میں اگر 9 سال لگے ہیں تو سمجھ لیں کہ اس سے تین گنا وقت اس میں لگے گا مجھے سوچنے دیں کہ یہ کام جلدی کیسے ہو سکتا ہے مگر میرا وعدہ ہے آپ سے کہ میں یہ کام ضرور کروں گی اور یہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہی کے نام سے چھپے گا چونکہ یہ آئیڈیا آپ کا ہے مجھے یہاں تک پہنچانے میں دعائیں آپ کی ہیں اور میں ابھی اسی وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر یہ کام شروع کر دیتی ہوں وہ دوڑی ہوئی گئی اور اپنا مخصوص قلم اور کاغذ اٹھا لائی میں نے سب سے پہلے اس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ اور سورۃ الکوثر کی تفسیر لکھوائی اور یوں اسی دن جب میں نے اس کی کامیابی کے شکرانے میں میلاد کرایا اسی رات سے اس کام کا آغاز ہو گیا۔

نسرین سے مجھے امید ہے اور پورا بھروسہ ہے کہ یہ اس کام کو بالکل اسی طرح انجام دے گی

جس طرح میں چاہتی ہوں میری اس شدید خواہش کی دو وجوہات ہیں پہلی یہ کہ میرا یہ کام میری آخرت کا سامان بنے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میرا کل اثاثہ وہ فخر و شکر ہے کہ ہمارے خانوادے کو یہ اعزاز و سعادت حاصل ہے کہ برصغیر میں اُردو کی پہلی تفسیر میرے جدامجد سید عمار علی عابدی مدظلہ نے "عمدۃ البیان" کے نام سے **1288** ہجری یعنی **1860** میں پورے تین سال کی محنت سے مکمل کی۔ یہ تفسیر عربی اور فارسی میں پہلے سے موجود مستند تفسیروں کے حوالے سے سترہویں اور اٹھارویں صدی میں ہونے والی تحقیق القرآن سے ماخوذ ہے اس تفسیر کے نسخے پہلی مرتبہ **1166** ہجری میں شائع ہوگئے تھے بعد میں عرب، حجاز، عراق، ایران اور مصر کی مستند اسلامی یونیورسٹیوں کے محققین اساتذہ اور فقہیان دین نے اس کی جامعیت کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ متحدہ ہندوستان میں اس کو اُردو کی پہلی تفسیر کے طور پر شہرت حاصل ہوئی۔

مرحوم سید عمار علی عابدی مفسر قرآن کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

ذوالفقار العلماء در مناظرہ	بستان المواعظ	تجہیز الموتی	احکام النکاح
مطبوعہ فارسی	مطبوعہ عربی	مطبوعہ اردو	مطبوعہ اردو
تحفۃ الاشعریہ در مناظرہ	مخزن الفرائض میراث	دلائل الامامیہ در خلافت بلا فصل امیر المومنین	
مطبوعہ اردو	مطبوعہ اردو	مطبوعہ اردو	
علامتہ المومنین	رسالہ علامات المومنین	رسالہ اعتقادیہ و عقائد	
مطبوعہ اردو	مطبوعہ اردو	مطبوعہ اردو	

اور آخر میں میری دعا ہے کہ پروردگار میری اور نسرین کی اس کاوش کو اپنے دربار میں قبولیت کا درجہ دے میرے بچے کبھی اس کتاب کی تعلیمات کو نہ بھولیں وہ کبھی گمراہ نہ ہوں میرا اکلوتا بیٹا منصور اپنے باپ کے بعد وہ اتنی چھوٹی عمر میں ہی اتنا سنجیدہ ہوگیا اس نے میری دس سال کی بیماری ایسے سنبھالی اتنی خدمت کی کہ میں دعا کرتی ہوں کہ رب العالمین اگر اولاد عطا کرے تو وہ منصور

جیسی ہو منصور اور نسرین کو میں اپنے لئے خدا کا بہت بڑا عطیہ تصور کرتی ہوں پروردگار کل والدین کو ایسی اولاد عطا کرے (آمین ثم آمین)۔اور میرے گھر کے سارے بچے اس ملک کے سارے بچے اپنی کتاب الہی کی تعلیمات کو اپنے عمل کا حصہ بنائیں۔(آمین ثم آمین)

رب العزت والدین کو خصوصا ماؤں کو توفیق عطا فرما کہ وہ اپنے بچوں کو دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دین کے علوم بھی اس طرح دلوائیں کہ ان کا کردار اور عمل اس تعلیم کی مکمل تصویر ہو اگر والدین خود باعمل نہ ہوں تو گھر میں رکھا ہوا قرآن شریف ایک دینی سجاوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

وہ تمام بچے جو اس کتاب سے استفادہ حاصل کریں گے ان سب کی ماں

مصدقہ اقرار حسین

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں، تو انہیں اُف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۲۳)

جس گناہ کو چاہتے ہیں اللہ معاف فرما دیتے ہیں لیکن والدین کو ستانے کی سزا دنیا میں مرنے سے پہلے دے دیتے ہیں۔

(حدیث نبوی)

دیباچہ

میں مفسر کیوں نہیں ہوسکتی؟

میری ماں نے زندگی میں پہلی بار مجھ سے ایسی فرمائش کردی جو آخری فرمائش بھی ثابت ہوئی۔ اب نہ پوری کروں تو گناہ گار اور کروں تو کیسے کروں؟ اُن کا خیال ہے کہ میں اتنی صاحب علم ہو چکی ہوں کہ قرآن کی تفسیر بھی لکھ سکتی ہوں ان کا دل نہ توڑنے کے خیال سے وعدہ بھی کرلیا اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کام ہوگا کیسے؟

میری ماں خود جتنی معصوم تھیں ان کی خواہش اس سے بھی زیادہ معصوم تھی مگر خواہش میں دم تھا بات دل کو لگی تھی کہ ہم صرف قرآن حفظ کرتے ہیں رٹ لیتے ہیں چونکہ امتحان میں پاس ہونا ہوتا ہے اور طاق پر رکھا یہ قرآن ہمیں جس حسرت سے دیکھتا ہے وہی حسرت مجھے پہلی بار اپنی ماں کی آنکھوں میں نظر آئی اور میں نے پہلے قدم کے طور پر مختلف مکتبۂ فکر کے مفسرین کی تفسیریں پڑھنی شروع کیں زیادہ تر تفسریں ترجموں کی شکل میں بہت مشکل اور ثقیل زبان میں تھیں جنہیں طالب علم تو کیا مجھ جیسی ایک اوسط درجے کی علمی سطح رکھنے والی کے لیے بھی سمجھنا کافی جان جوکھوں کا کام ہے کئی لغات اور لسانیات کی کتابیں کھنگالو تب کہیں جاکے اصل متن سمجھ میں آتا ہے اور پھر جو سمجھ میں آتا ہے وہ کہیں فقہ کے تعصب اور کہیں مناظرہ کی شکل لیے ہوئے ہے۔ صاف' سیدھی اور سچی بات جو کلام الٰہی کا اصل مفہوم واضح کرسکے اس کا فقدان بیشتر تفاسیر میں موجود تھا۔

نصاب تعلیم مرتب کرنے والوں کی اصل مشکل اس حوالے سے اب مجھے سمجھ میں آ چکی تھی کہ کیوں پچھلے پچاس برسوں میں یہ کام نہ ہوسکا۔ صرف اس لیے کہ تعلیمی پالیسی بنانے والوں نے بھی اس اہم موضوع کی حساسیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے چھیڑنے سے گریز کیا جس کا نتیجہ آج

ہمارے سامنے ہے۔ یہ زندگی کی کتاب ہمارے لئے محض ایک موت کی کتاب بن کے رہ گئی جسے مرنے والے کے ثواب کے لئے پڑھا جاتا ہے اور بس۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج میڈیا کے اس طوفان میں جہاں اب کسی کے لئے جھوٹ بولنا اتنا آسان نہ رہا جتنا آج سے 1400 سو برس پہلے تھا اب تو دنیا کے کسی کونے میں کچھ ہو رہا ہو وہ ڈائنا کی موت کا سانحہ ہو یا پینٹا گون اڑنے کا منظر آپ اسی وقت ہزاروں میل دور سے اپنے گھر میں بیٹھ کر یہ چ دیکھ رہے ہیں تو کیا اب بھی اس کتاب کی اصل تعلیمات کو قبرستان کے لئے وقف سمجھا جائے گا؟ غالباً اب یہ ممکن نہیں یہ کمپیوٹرائزڈ حقائق' انٹرنیٹ' ٹی وی' اور تحقیق و جستجو کا دور ہے اب بچے سوال کریں گے اور ان کے سوال کو بے ادبی یا بدتہذیبی کے دائرے میں لاکر جواب نہ دینے یا غلط جواب دینے سے نہ ان کا مسئلہ حل ہوگا اور نہ ہماری جہالت پر پردہ جوں کا توں پڑا رہے گا اب یہ نہیں ہوگا کہ "پردے میں رہنے دو پردہ نہ اٹھاؤ پردہ جو اٹھ گیا تو بھید کھل جائے گا۔" یہ نہ تو نزول قرآن کی پہلی صدی ہے نہ قرآن کریم حافظوں اور ترجمہ نگاروں کے ہاتھ میں ہے یہ 21 ویں صدی ہے جس پر قرآن نے کہا کہ وہ خاموش ہو جائے گا اور وہ بولیں گے جن کے لئے یہ نازل کیا گیا تھا چونکہ جو جو کچھ اس نے 1400 برس پہلے بتادیا تھا کہ اس کتاب کے آنے سے پہلے کیا ہوا اور اب قیامت تک کیا ہونے جارہا ہے وہ سب ہو چکا ہے کائنات کے وہ سارے علم تسخیر ہو رہے ہیں جن کے لئے قرآن نے کہا تھا کہ انسان کو ہم نے وہ عقل و فہم عطا کی ہے کہ یہ ساری کائنات کو تسخیر کرلے گا قرآن نے انسان کا لفظ استعمال کر کے یہ بتادیا تھا کہ یہ کتاب انسانوں کے لئے اتاری گئی ہے اور جن انسانوں کے لئے یہ کہا جارہا ہے کہ وہ کائنات کو تسخیر کرلیں گے ان کے مذہب' عقیدے' فقہ' زبان' رنگ' اور نسل کی نشاندہی نہیں کی کہ وہ کون ہونگے لہذا جو عقل و فہم کے ساتھ ساتھ اس کتاب سے پہلے کتابیں اور انبیاء رکھتے تھے ان کو اندازہ ہی نہیں بلکہ دل سے یقین تھا کہ یہ آخری کتاب الٰہی ہے جو کچھ ہے وہ اسی میں ہے وہ اس کی اصل پیشگوئیاں اٹھا کر لے گئے اور ان پر غور و فکر شروع کردیا۔ بدقسمتی ہے جن کے لئے یہ اتارا گیا تھا وہ آج 1400 برس بعد بھی وہیں کھڑے ہیں

جہاں کھڑے ہوئے دیکھ کر قرآن نے ان سے جو کچھ کہا وہ اگر اقبال کی زبان میں کہوں تو آپ کو آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا کہ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بدقسمتی سے جو قوم اللہ کے محبوبؐ سے وفا نہ کر سکی اس سے یہ توقع کرتا کہ وہ اس پیغام الٰہی کو اسی روح کے ساتھ سمجھ لیتی یا اگر سمجھ کر دانستہ اس کو ترجموں اور تفسیروں میں استعمال کئے جانے والے الفاظوں کے گورکھ دھندوں میں نہ الجھاتی تاریخ کو مسخ نہ کرتی تو آج چاند ستاروں، سمندروں اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کا علم مسلمانوں نے تسخیر کیا ہوتا غیر مسلموں نے نہیں۔

بہرحال میں نے اپنی ماں کی خواہش کے احترام میں جب یہ کام شروع کیا تو سب سے پہلے یہ دیکھا کہ مفسرین کے لئے کن کن باتوں کا جاننا اور اس میں کن کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے تو خود مجھ پر کئی حیران کن انکشافات ہوئے۔

اب ذرا ایک نظر مفسر ہونے کے لئے شرائط پر ڈالیے تو اندازہ ہوگا کہ ہم مفسر کسے سمجھتے ہیں اور مفسر دراصل ہوتا کون ہے؟

مفسر کی چند اہم خصوصیات و شرائط:

مفسر کی شرائط میں سب سے پہلی شرط اس کا صحیح العقیدہ ہونا ہے کیونکہ جس شخص کا عقیدہ ہی درست نہ ہو اور وہ وحی اور رسالت خصوصاً محمد مصطفےٰ ختمی مرتبت کے مقام و منزلت ہی سے واقف نہ ہو وہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر کسی صورت میں نہیں کر سکتا بلکہ وہ اپنے باطل اور بنے ہوئے عقیدے و نظریے کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں قرآن کے مفاہیم کو بگاڑ کر پیش کرے گا اور یوں تفسیر قرآن میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔

دوسری شرائط کے سلسلے میں یہاں امام جلال الدین سیوطی سے مدد لوں گی انہوں نے مفسر کی

شرائط میں لکھا ہے کہ مفسر کا عالم ہونا شرط ہے اور عالم اس بنیاد پر کہ وہ مندرجہ ذیل کم از کم ان 15 پندرہ علوم کا لازمی ماہر ہو۔

(1) لغاتِ عرب' (2) علمِ نحو' (3) علمِ حروف' (4) علمِ معانی' (5) علمِ اشتقاق' (6) علمِ بیان (جسے عرف عام میں اب علم ابلاغ کہا جاتا ہے) (7) علمِ بدیع' (8) اصولِ فقہ' (9) علمِ قرآت' (10) قواعدِ شریعت یا اصول' (11) علمِ اسباب النزول والقصص' (12) علمِ ناسخ و منسوخ' (13) علمِ کلام' (14) علمِ حدیث' (15) علم کوہبہ (وادربانی) یہ علوم جاننا مفسر کی شرائط ہیں۔

مفسر کی ذاتی خصوصیات:

(1) مفسر ذہین اور سمجھدار ہو اور کلام کی باریکیوں اور گہرائیوں پر اس کی نظر ہو۔

(2) عقلِ سلیم: یوں تو دنیا کے ہر کام کے لئے درکار ہوتی ہے اور اس کی موجودگی ہی کی بناء پر پروردگار نے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز کیا ہے لیکن اصول تفسیر کے ضمن میں اس کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و رموز ایک سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں قرآن کریم کے حقائق و اسرار پر غور کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہے اور جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم و عقل اور شعور کی دولت سے نوازا ہے وہ تدبر کے ذریعے نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کرسکتا ہے چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی فہم کے مطابق اس میں اضافہ کرتے رہتے ہیں تاہم عقل و شعور کی بنیاد پر تحقیق کیے ہوئے وہ دینی حقائق درست ہیں جو دوسرے شرعی اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔

مفسر کو مندرجہ بالا دینی علوم کے علاوہ جن دنیاوی علوم پر عبور ہو وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) علم تاریخ سے واقف ہو (2) جغرافیہ کا علم ہو تا کہ جن مقامات کا قرآن میں ذکر ہے ان کی صحیح وضاحت کرسکے (3) علم سیرت طیبہ سے واقف ہو (4) علم منطق سے آگاہ ہو تا کہ منطقی دلائل سمجھ کر بیان کرسکے (5) علم مناظرہ پر عبور ہو تا کہ علمی دلائل کو ثابت کرسکے۔

شرائطِ اجتناب

وہ شرائط جن سے مفسر کو اجتناب کرنا چاہیے بلکہ مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہیں۔

(1) مندرجہ بالا علوم دینی و دنیاوی نہ ہونے کی صورت میں تفسیر قرآن سے باز رہے۔

(2) متشابہ آیات اور دیگر ایسی آیات جن کا صحیح علم و معنی اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو جیسے ''حروف مقطعات'' ان کے بیان اور تشریح سے اجتناب کرے۔ صرف ان پر ہونے والی تحقیقات کا حوالہ دے۔

(3) قرآن کی تفسیر میں اپنی ذاتی پسند ناپسند اور رائے کے مطابق دخل اندازی نہ کرے۔

(4) قرآن سے اپنے مخصوص نظریے کے ثبوت کی تگ و دو میں مفہوم کلام توڑ مروڑ کر نہ پیش کرے۔

(5) کسی آیت کے بارے میں پورے وثوق سے رائے قائم کرنا کہ جو میں کہہ رہا ہوں صرف یہی اس سے مراد ہے۔ سنگین اور ناقابل معافی غلطی ہوگی۔

(6) قرآن کریم کو ہر صورت میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ثابت کرنے کے لئے خوامخواہ تاویل کی قینچی سے آیات و احکام کو کترنے کا گناہ اپنے سر لینے سے بچے اور اس بات کی گنجائش رکھے کہ جو کچھ حالات و واقعات و سیرت طیبہ کے حوالے سے ان آیات کا نزول یا آنے والے قیامت تک کے حالات کے پیش نظر سمجھ میں آیا ہے اس ضمن میں یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے یا یہ مفہوم بھی نکالا جا سکتا ہے۔ ''پورے وثوق سے نہ کہے کہ اللہ کی یہ مراد ہے۔

(7) عقیدے کی بنیاد پر رائے زنی بلا دلیل و برہان جائز نہیں جیسا کہ سب سے پہلے کہا گیا کہ عقیدہ درست نہ ہونے کی صورت میں خدا پر بہتان نہ باندھے۔

ویسے تو آئمہ طاہرین نے تفسیر کے مکمل اصولوں کو سمجھنے کے لئے تین سو سے زیادہ علوم مقرر کئے ہیں۔ جس میں عربی زبان و لسانیات و ادب علم ابلاغ اور معرفت الٰہی جیسے امور کا جاننا بنیادی علوم قرار پائے ہیں اس لئے دو سال تک کتب خانوں کی خاک چھاننے کے بعد ہم تو اس نتیجے پر

پہنچے کہ قرآن کی تفسیر کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس کے لیے جس علمی میدان میں اترنا پڑتا ہے اس کی تفصیل آپ نے دیکھ لی اس کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا میں اپنی امی کی خواہش جوں کی توں پوری کر سکتی تھی غالباً "نہیں" مگر مجھے امی کی جس بات میں دم نظر آیا تھا وہ یہی تھی کہ آسان زبان میں ہر سورۃ کی تین اہم باتیں کم از کم ضرور اختصار کے ساتھ بیان ہو سکتی ہیں کہ ہر سورۃ کا موضوع شان نزول و اسباب نزول اور وہ پیغام کیا ہے جو متعلقہ آیات میں امتِ مسلمہ کو دیا جا رہا ہے ان تین اہم نکتوں کو سامنے رکھ کر تمام ایسی تفسیروں سے استفادہ کر لیا جائے جن پر ہر فقہہ اور ہر مکتبہ فکر کا اجماع ہے یعنی کوئی اختلافی صورت حال بھی نہ ہو اور اصل پیغام بھی طالب علم تک پہنچ جائے۔

طالب علم کا لفظ میں اس لئے استعمال کر رہی ہوں کہ ہر وہ انسان میرے نزدیک طالب علم ہے جو علم حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو لہذا جو بھی اس مختصر سی تفسیر کو پڑھ کر مزید تفصیل میں جانے کا ارادہ کرے تو وہ ان تفاسیر سے استفادہ کرے جن کو پڑھ کر میں نے پورے پانچ سال کی محنت سے یہ کام مکمل کر لیا۔

میری اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب میں نے ابلاغ عامہ میں پی ایچ ڈی کی غرض سے داخلہ لیا تو اس کے ٹھیک بائیس دن بعد میرے پاپا میرے سب سے بڑے مسیحا اور اُستاد مجھے اس علم کی تحقیق کے حوالے کر کے چلے گئے اور امی نے بھی اپنی خواہش کی تکمیل سے پہلے ہی 16 رمضان المبارک 2001ء کو اطمینان کے ساتھ مجھ سے رخصتی لے لی کہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں یہ کام مکمل کر لوں گی کاش ان دونوں کو یہ پتہ ہوتا کہ خواب دیکھا کر چلے جانے سے خواب دیکھنے والے پر کیا گزرتی ہے کس طرح وہ دیوانوں کی طرح تعبیر ڈھونڈتا پھرتا ہے۔

میرے والدین کے دکھائے ہوئے خوابوں کی تعبیر میرے ابلاغ عامہ میں ٹیلی ویژن ڈرامے کے اثرات پر مقالہ اور اب یہ بہت سی تفسیروں سے مرتب کردہ ایک ایسی کوشش آپ کے حوالے ہے کہ اگر میری یہ محنت اور محبت میرے پروردگار اس کے حبیبؐ اور ان کی وراثت آئمہ

طاہرین کے دربار میں قبول ہوگئی تو مجھے یقین ہے کہ اللہ کا یہ پیغام بالکل اسی طرح اپنے پڑھنے والوں تک پہنچ جائے گا جس طرح میری والدہ چاہتی تھیں۔

اس خواب کی تعبیر ڈھونڈنے میں مجھ سے اگر کہیں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو میرے قارئین اس کی اصلاح برائے اصلاح کر کے میرے والدین کی روح کو بھی ثواب نہیں پہنچائیں گے بلکہ اللہ اور اس کا محبوب بھی ان سے راضی ہوگا اور طالبانِ علم تک صحیح پیغام بھی پہنچ سکے گا جو اس کتاب کا بنیادی مقصد ہے۔

اس کتاب کو مرتب کرنے میں جو عربی زبان ولسانیات کے حوالے سے میری مدد کی گئی اس کے لئے میں اُم سارہ صاحبہ کی مشکور ہوں جنہوں نے میری والدہ کے بعد مجھے ایک ایسا اخلاقی سہارا دیا کہ میں لکھنے پڑھنے میں دل لگانے کے لائق ہوئی ورنہ امی کے بعد مجھے پہلی بار ایسا لگا تھا کہ مکمل تنہائی میں اکیلا انسان زندہ نہیں ہوتا وہ قبر میں لیٹا ہوتا ہے جہاں سے وہ اپنا حال کسی کو نہیں بتا سکتا۔ اُم سارہ کے بعد میری ہمسایہ اور ہمارے خاندان کی پرانی دوست کوثر مرزا نے حق ہمسایہ جس طرح ادا کیا' اس سلوک کے لئے صرف یہ کہوں گی کہ آج کے اس مادہ پرست دور میں اگر کوثر مرزا جیسے بے لوث دوست حق ہمسایہ کو سمجھنے والے انسان موجود ہیں تو انہی جیسے لوگوں کے دم سے دنیا اللہ کی رحمت سے خالی نہ ہوگی۔

شائستہ زیدی صاحبہ' شمع زیدی صاحبہ' سیمی آغا صاحبہ اور مریم حسن جیسی ذاکرین اہلبیت کی بھی میں خصوصی طور پر مشکور ہوں جن کی علمی بحثیں میرے لئے کارآمد ثابت ہوئیں۔ میرے پرانے دفتر انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے ساتھی عشرت صدیقی' رضیہ حسن' شیریں' مشعل حسن' سیما علی' نگہت یاسمین اور زینت جہاں نے مجھے جس طرح اخلاقی سہارا دیا اس کے لئے میری والدہ عالمِ ارواح سے ان کے لئے جزائے خیر کی دعا کرتی ہوں گی یہ میرا یقین ہے اور میں ان کے لئے دعا گو ہوں کہ پروردگار بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ان کو اس اخلاقی اور انسانی نیکی کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

نسرین حسین پرویز

وہ تفاسیر جن سے استفادہ کیا گیا

(1) تفہیم القرآن	تالیف	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
(2) تفسیر روح المعانی	تالیف	علامہ شہاب الدین محمود آلوسی
(3) تفسیر عمدۃ البیان	تالیف	علامہ عمار عابدی سونی پتی (برصغیر میں اردو کی پہلی تفسیر)
(4) تفسیر جمع البیان	تالیف	مشہور مفسر طبری
(5) تفسیر صافی	تالیف	ملا محسن فیض کاشانی
(6) تفسیر المیزان	تالیف	علامہ طباطبائی
(7) اسباب النزول	تالیف	ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری
(8) تفسیر القرآن	تالیف	ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن امروہوی
(9) فصل الخطاب	تالیف	مجتہد سید العلماء الحاج سید علامہ علی نقی النقوی (ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی علی گڑھ یونیورسٹی)
(10) تفسیر ابن کثیر		
(11) تفسیر القرآن	تالیف	شبیر احمد عثمانی
(12) تفسیر نمونہ	تالیف	Combined Research

تفسیر نمونہ سے سب سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ جس کا بنیادی سبب جدید دور میں تحقیق کا طریقہ اختیار کرنے کے حوالے سے ہے۔

جیسا کہ دیباچے میں عرض کیا ہے کہ مفسر ہونا کوئی ہنسی مذاق نہیں اس کی شرائط میں ایک مفسر کا جن علوم پر عبور ہونا ضروری ہے ان علوم پر عبور حاصل کرنے کے لئے پوری عمر درکار ہے اور 1400 برس میں مفسرین کی اکثریت اس معیار پر پوری نہیں اترتی جو ایک مفسر کو مفسر ثابت کر سکے اسی لئے یورپ اور ترقی یافتہ ممالک میں Combined Research مشترکہ تحقیق کے فارمولے کا تجربہ کیا گیا جس سے اس مشکل پر قابو پایا گیا اس فارمولے کا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی ایک موضوع پر مختلف اسکالرز بیٹھ جاتے ہیں اور ہر ایک اس موضوع سے جڑے ہوئے علوم پر اپنی اپنی مہارت کے حوالے سے تحقیق کرتا ہے مثلاً میں یہاں ابلاغ کے حوالے سے مثال دوں گی کہ یہ موضوع براہ راست صحیفے کے علم سے تعلق رکھتا ہے۔ ابلاغ عامہ میں ایک اسکالر اگر ادب کا محقق ہے تو دوسرا مختلف زبانوں کی لسانیات کا تیسرا اگر پرنٹ میڈیا کا تو چوتھا میڈیا کے جدید ذرائع یعنی ریڈیو

ٹیلیویژن، کمپیوٹر پر مہارت رکھتا ہے پانچواں تاریخ کا پروفیسر ہے تو وہ ہر قوم، ہر مذہب، ہر ثقافت کی تاریخ کے حوالے تلاش کرے گا چھٹا اسکالر ابلاغ عامہ پر کام کرنے والی شخصیات پر تحقیق کا ماہر ہوگا اور ساتواں اسکالر جغرافیہ کا محقق ہوگا اور ان ساتوں کو اگر بغرض محال ایک موضوع یہ دے دیا جائے کہ وہ ''اسلامی تاریخ کے حوالے سے حکومتوں کے عروج و زوال میں ابلاغ عامہ کا کردار'' پر ایک جامع تحقیق کریں تو یہ ساتوں اسکالر مل کر اس موضوع پر اپنی اپنی مہارت کے حوالے سے جو تحقیق کریں گے وہ یقیناً اس تحقیق سے بہتر نتائج کی حامل ہوگی جو کسی ایک شخص کی ہو۔ اس لئے کہ ایک شخص بیک وقت ان سارے علوم پر عبور نہیں رکھتا جو اس موضوع کے حوالے سے درکار ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں قرآن مجید جیسی عظیم الشان الہامی کتاب کی تفاسیر جو سامنے آتی ہیں وہ زیادہ تر کسی ایک مفسر کی محنت کا ثمر ہیں اور ان مفسرین میں سے اکثریت ترجمہ نگاروں کی ہے ان میں محققین کی بہت کم تعداد ہمیں نظر آتی ہے جدید دور میں صرف ایک محقق نظر آتے ہیں وہ ہیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ اس لئے زیر نظر اختصاریوں میں ان کی تفسیر کے حوالے بھی شامل کئے گئے ہیں مگر 80 فیصد حوالے ''تفسیر نمونہ'' سے لئے گئے ہیں جو جدید دور کی جامع ترین تفسیر کہلائی جارہی ہے اس لئے کہ یہ جدید تحقیقی فارمولے کے تحت کی جانے والی تفسیروں میں سے بہتر تفسیر مانی جاتی ہے اور یہ پہلی تفسیر ہے جس پر بیشتر مکتبہ فکر کے علماء کا اجماع ہے وجہ یہی ہے کہ گیارہ سے زائد اسکالرز نے مل کر پچھلے بارہ سو برس میں ہونے والی تمام تفاسیر کو سامنے رکھ کر ان کے تیکنیکی نقائص کو مدنظر رکھتے ہوئے کم و بیش 20 برس سے زائد وقت کی محنت سے یہ تفسیر تیار کی ہے۔

زیر نظر کتاب جیسا کہ دیباچے میں پہلے عرض کیا گیا کہ تفسیر نہیں بلکہ مختلف مکتبہ فکر کی تفسیروں سے اخذ کئے گئے ایسے اختصاریے پر مشتمل ہے جن پر مسلمانوں کی اکثریت کا اجماع ہے اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ یہ اپنے مطلوبہ قارئین تک پورے مفہوم و مطالب کے ساتھ پہنچ جائے۔ اس حوالے سے مذکورہ تفاسیر کی زبان سے ذرا ہٹ کر زبان اور لہجہ اختیار کیا گیا ہے مگر کوشش کی گئی ہے کہ آسان اور بدلی ہوئی زبان اور لہجے سے تفسیر کی روح یعنی مفہوم متاثر نہ ہو اس لئے اگر کوئی قاری اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ تنقید برائے اصلاح کی نیت سے کرنا چاہے تو پبلشر کے پتے پر اپنی رائے بھیج سکتا ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں اس رائے کا اظہار احسان اور تشکر کے ساتھ کیا جائے گا اور اصلاح کردی جائے گی۔

اللہ کے یہاں میری اس محنت کی قبولیت کی بشارت مجھے اس کی اشاعت سے پہلے ہی مل گئی ہے کہ اسلام اور قرآن کی تحقیق کے حوالے سے پاکستان کے بہت بڑے اور مستند ادارے اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ

اسلامک ریسرچ سینٹر آف پاکستان نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی یہ ادارہ اسکالرز اور پروفیسرز کی سربراہی میں کام کرتا ہے اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ سینٹر آف پاکستان کی بنیاد جناب (مرحوم) علامہ ابن حسن جارچوی نے ڈالی اور جب تک زندہ رہے وہ اس کے ڈائریکٹر رہے ان کے بعد پروفیسر کرار حسین کے حصے میں اس کی ذمہ داری آئی اور بابا پروفیسر کرار حسین کے بعد اب ڈاکٹر محمد حسن رضوی کو ذمہ داری دی گئی ہے جو مفسر قرآن ہونے کے علاوہ اہم علمی تصانیف کے مصنف ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ اس کتاب کا مقدمہ بھی انہوں نے تحریر فرمایا ہے اور اس کتاب کے لیے میں نے تالیف کے خانے میں بھی اپنی والدہ کا نام تحریر کیا تھا مگر ڈاکٹر حسن رضوی صاحب کی تنبیہہ پر ہی تالیف میں اپنا نام اور نام سے پہلے ڈاکٹر کا لفظ بھی لگا رہی ہوں ورنہ پچھلے سات برس میں جب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے آج تک یہاں تک کہ اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے پر بھی میں نے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لفظ نہیں لگایا تھا جس کی وجہ سے کچھ دوست نما دشمنوں نے اپنی ذہنی استطاعت اور حسد کے باعث یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جب وہ ڈاکٹر ہے ہی نہیں تو لکھے گی کیسے؟ اپنے حاسدوں کی اس عنایت کے باوجود میں نے جوش میں آ کر ہوش نہیں کھویا اور جس طرح میں اپنے Visiting Card پر کبھی اپنا عہدہ نہیں لکھتی صرف اس ادارے کا نام چھپواتی ہوں جہاں پوسٹنگ ہو ۔ اسی طرح میں لفظ ڈاکٹر اپنے نام کے ساتھ نہیں لگاتی وجہ یہ ہے کہ میرا شعبہ ہے علم و ابلاغ اور حکومت مجھے سات برس سے پی ایچ ڈی الاؤنس تو دے رہی ہے مگر اس کے بدلے میں جن حقیقی خدمات کی اس ملک کے عوام کو ضرورت ہے وہاں اس نے نام و نمود سفارشی خواہشمندوں اور ضرورت مندوں کی بھرتیاں کی ہوئی ہیں اور میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہر آنے والے دن حکومت کے اس پروپیگنڈے میں اضافہ ہو رہا ہے کہ وہ عوام میں علم اور شعور بیدار کر رہی ہے اعلیٰ تعلیم کے کمیشن قائم کیے جا رہے ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے علم اور ابلاغ کے شعبوں میں جاہلوں اور نااہلوں کو بڑے بڑے عہدے دیے جا رہے ہیں اور یوں ہمارے رسولؐ اور آئمہ طاہرین کا یہ قول پورا ہوتا نظر آ رہا ہے کہ قرب قیامت میں اسلامی ریاستوں میں شرفا اور صاحبان علم کونوں میں دبک جائیں گے جبکہ جاہل اور نااہل تعلیم یافتہ لوگوں پر حکومت کریں گے تو ایسے حالات میں اگر میں اپنے نام کے ساتھ اپنی اعلیٰ تعلیم کی ڈگری کا جھنڈا نہ لگاؤں اور عہدہ نہ لکھوں تو کم از کم حاسدوں کے شر سے تو محفوظ رہوں گی۔

نسرین حسین پرویز

وحی اور نبوت

جس کتاب کو سمجھنے میں آسانی کے لئے میں نے یہ محنت کی ہے اگر وہ مقصد ہی حاصل نہ ہوا تو پھر یہ محنت رایگاں جائے گی اور اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رایگاں نہیں کرتا اس نے پچھلے پانچ برسوں میں جو راستہ اور رہنمائی مجھے اس حوالے سے عطا کی ہے میں اسی راستے پر چلتے ہوئے یہ ضروری سمجھتی ہوں کہ پہلے یہ تو واضح کرسکوں کہ وحی اور نبوت کیا ہیں؟ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے میں نے سورہ شوریٰ کی دو آیتوں کا سہارا لیا ہے چونکہ قران اور نبی کیا ہیں یہ خود قرآن ہی بتارہا ہے اسی وحی سے تو ہم نے وحی اور نبوت کو پہچانا ہے یہ بظاہر اُن دو آیتوں کی تفسیر ہے مگر رسولؐ کی پوری ذات اس میں سموئی ہوئی ہے۔

اس سورہ کا آغاز بھی وحی اور نبوت جیسے مسئلے سے ہوا تھا اور اختتام بھی اسی موضوع کی حقانیت پر ہورہا ہے چونکہ وحی اور نبوت جیسے اسلام کے بنیادی مسئلے ہی کو اگر آپ نے نہ سمجھا تو پھر قرآن سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے وحی کیا ہے؟ خدا کا وحی اور رسولؐ خدا کا نورِ خدا ہونا کیسے ثابت ہے اس کے لئے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر 52 اور 53 کو آپ کسی اچھے استاد یا اسکالر کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو انشاء اللہ یہ نکتہ واضح ہوجائے گا اور اگر سنی ہوئی عقل اور سنے ہوئے مشاہدے سے کام لیا تو تاحیات شک وشبہ میں رہیں گے یقین کی اس منزل تک نہ پہنچ سکیں گے جہاں خدا اور اس کا رسولؐ ہمیں پہنچانا چاہتے ہیں۔

سورہ شوریٰ کا آخری حصہ بہت غور وفکر کا متقاضی ہے یعنی آیت نمبر 52 اور 53۔ ان آیات کے حوالے سے مفسرین کی اکثریت نے اختلاف کی بنیاد ڈالی ہے مگر یہ ساری تفسیریں ان مفسرین کی ہیں جو بعد رسولؐ اقتدار کے ایوانوں سے جڑے رہے اور اہلِ دربار اپنی مرضی کی

تفسیریں لکھواتے رہے یہ وہ اہلِ دربار تھے جو فتح مکہ کے وقت ایمان لائے تھے دو وجوہات کی بنا پر ایک خوف اور دوسرے اقتدار میں حصہ ملنے کی امید لہٰذا جب پوری طرح اقتدار مل گیا تو بعد کے سو دو سو برس تک ان کی اولادیں دشمنی رسولؐ میں یہ کوشش کرتی رہیں کہ رسول کی قدر و منزلت کو (نعوذ باللہ) اگر ختم نہ کیا جاسکے تو کم از کم انہیں اپنے برابر ہی لے آئیں تاکہ کہا جاسکے کہ وہ ہمارے جیسے ہی ایک بشر تھے۔ اس لئے زیادہ تر تفسیریں ان آیات کی یہ بیان کی گئی ہیں کہ ''حضورﷺ قبل از نبوت نہ کتاب سے واقف تھے اور نہ ایمان سے۔ یہ کتنی عجیب اور عقل میں نہ سمانے والی بات ہے کہ بعثت یعنی اعلانِ نبوت سے پہلے تک یعنی چالیس سال تک آپ کا تعلق ایمان سے نہ رہا جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن میں ہی صاحب رشد بنادیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو آغوشِ مادر میں ہی کتاب و نبوت عطا کردی گئی تھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں کتاب دے دی اور سید المرسلین آخری نبی کو پورے چالیس برس تک یہ خبر نہیں تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ خدا نے ایک ایسے شخص کو خاتم الانبیاء کیسے بنایا جو چالیس برس تک اپنے ایمان سے بے خبر تھا۔ اب سنئے حضورؐ کی حدیث کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی آب و گل میں تھے۔ میں خلقتِ آدم سے 14 ہزار برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ پس جو ذاتِ اقدس خلقتِ آدم سے بھی ہزاروں برس پہلے منصب نبوت پر جلوہ گر ہو۔ کیونکر یہ مان لیا جائے کہ وہ ایمان سے بے نصیب تھے اور ایمان سے بے بہرہ ہونے کا مطلب ہے خدا کو نہ پہچاننا یعنی وہ کیسا نبی ہوگا جو خدا ہی کو نہ پہچانے ہمارے نزدیک نبوت کی اس سے زیادہ اور کوئی توہین نہیں ہوسکتی کہ کبھی (نعوذ باللہ) رسولؐ کو اُمی جاہل بتایا جائے اور کبھی کتاب سے ناواقف ان مفسروں کے لئے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ جو زندہ ہیں خدا ان کے دل میں اپنا خوف ڈالے اور جواب اس دنیا میں نہیں ان کو اس جہالت اور آیتوں پر غور نہ کرنے اور صرف کسی ذاتی غرض یا بزرگوں سے ورثے میں ملے ہوئے تعصب کی خاطر انہوں نے قرآن کی تفسیر میں جو بددیانتی کی پروردگارِ عالم برزخ سے انہیں ہدایت دے کہ وہ اپنے اس کارنامے پر عالمِ برزخ میں اور قبر میں جو تکلیفیں اٹھا رہے

ہیں اس کی تلافی کی صورت اس طرح ہو کہ وہ اپنی اولادوں یا اپنے تفسیروں کے مطالعہ کاروں کو خواب کے ذریعے اپنے اس جرم سے آگاہ کریں اور یہ خواب دیکھنے والوں کو پروردگار اپنے حبیبؐ کے صدقے سے ہدایت دے کہ وہ لوگوں کو اس سچائی سے آگاہ کریں۔

52ویں آیت میں وَكَذٰلِكَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ جس طرح عالم ظہور میں تین طریقے سے ہم نے تم کو وحی کی اس طرح عالم نور میں جب اپنی روحِ نبوتی تم کو عطا کی تھی اس وقت بھی بذریعہ وحی تم کو کتاب اور ایمان کی تعلیم دے دی تھی ورنہ اس سے پہلے تم کتاب اور ایمان کو کہاں جانتے تھے یعنی ہم نے تمہاری خلقت کے وقت ہی تم کو وحی اور ایمان کی تعلیم دے دی تھی اور چونکہ تم ہمارے نور کا ہی ایک حصہ تھے اس لئے ہم نے اس نور کی روشنی سے ہدایت دینے کے لئے وہ وقت مقرر کیا جب ہم مٹی سے خلق کئے گئے اپنے باقی انبیاء اور کچھ صحیفوں اور تین مکمل کتابوں کے ساتھ ہر قسم کا تجربہ کرلیں اور ان تجربوں کے نچوڑ کے بعد وہ آخری آئین اسلام اپنے نور سے خلق کئے گئے نبیؐ کے حوالے سے بھیجیں اور دیکھیں کہ یہ نادان پھر بھی شیطان کے چنگل سے نہ نکل سکیں تو پھر انہیں ان کا انجام کار فیصلے کے دن کے ذریعے بتا دیں کہ اے نبی تمہارے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کتاب آئے گی بس قیامت آئے گی لہٰذا تمہارے اور قیامت کے بیچ میں سوائے تمہارے نور کی بارہ کرنوں کے اور کچھ نہیں اور یہ بارہ کرنیں تمہاری بیٹی فاطمہؑ اور تمہارے وارث علم علیؑ کے بطن سے شروع ہو کر امامت کی بارہ کرنیں ہیں اور یہ بارہویں کرن مہدیؑ سب سے آخر میں آ کر پھر دنیا کو عدل و انصاف سے بھردیں گے یہ قیامت سے پہلے کا آخری زمانہ ہوگا جس کو صرف صاحب ایمان ہی پہچان سکیں گے چونکہ یہ زمانہ انسانی کوششوں یعنی کہ تسخیر کائنات سائنس اور ٹیکنالوجی کی انتہائی ترقی یافتہ شکل میں ہوگا اور مادی ترقی "روح" کو اس حد تک بھلا چکی ہوگی کہ انسانی اخلاقی اور سماجی قدریں بدترین شکل کو پہنچ چکی ہونگی اور انسان اپنی اس مادی ترقی کے ہاتھوں خود ہی برباد ہو جائے گا۔

آج کمپیوٹر اور نیوکلیئر ٹیکنالوجی اپنے عروج پر پہنچ کر بھی یہ سوچنے پر مجبور کھڑی ہے کہ ؟؟

انسان کو انسان کی درندگی سے کیسے بچائے' مروجہ اصطلاح Terorism دہشت گردی کو روکنے کے لئے بھی ریاستی دہشت گردی کی جارہی ہے۔

اب یہ نکتہ تو آپ کے ذہن میں واضح ہوگیا ہوگا۔ اس آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ کو بعثت یعنی اعلان نبوت کے بعد ایمان اور وحی کی تعلیم دی گئی اگر ایسا ہوتا تو قبلِ بعثت جب آپ ایمان سے (نعوذ باللہ) بے بہرہ تھے تو آخر آپ کس دین پر چل رہے تھے کہ لوگوں نے بہت چھوٹی عمر سے ہی آپ کو ''امین اور صادق'' کا لقب دے دیا تھا وہ بت پرستوں' عیسائیوں' یہودیوں سے ملتے جلتے تھے مگر چالیس سال تک کسی نے نہ آپ سے یہ پوچھا کہ آپ نہ ہمارے بت خانوں میں کبھی بتوں کی پوجا کرتے ہوئے نظر آئے نہ آپ کو کسی نے چرچ میں دیکھا نہ یہودیوں کی عبادت گاہ میں تو آخر آپ کس دین کو اختیار کیے ہوئے ہیں کہ آپ کی صفات سب سے الگ ہیں یہاں تک کہ ہمارا یقین اور ایمان و اعتبار اپنے لوگوں پر نہیں بس آپ پر ہے اس لئے سگے بھائی' بیٹوں کے مقابلے میں ہم اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے ہیں مگر کسی کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ رسولؐ سے پوچھیں انہیں غارِ حرا میں جاتے اور راتیں گزارتے سب نے دیکھا پھر بھی نہ پوچھا کہ وہاں کس مقصد سے جاتے ہیں پھر اعلان نبوت ہوتا ہے 23 سال تک وحی آتی ہے دین مکمل ہوتا ہے باقاعدہ ایک ریاست قائم ہوتی ہے جس کا مذہب اسلام قرار پاتا ہے اور اس دینِ مصطفیٰؐ میں دنیا کے تمام سماجی' معاشی' عدالتی' دفاعی' اخلاقی قوانین نافذ کردیے جاتے ہیں اس وقت رسولؐ کی صحبت اختیار کرنے والے ہزاروں سوال ان سے کرتے ہیں اور ہر سوال کا جواب رسولؐ دیتے ہیں اور یہ جوابات احادیث کی شکل اختیار کرلیتے ہیں مگر کوئی یہ سوال نہیں کرتا کہ ''حضورؐ'' آپ اعلان نبوت سے پہلے توحید کی تبلیغ سے پہلے کس دین پر قائم تھے؟ سوال پوچھتے کیسے؟ اس لئے کہ رسولؐ پھر وہی حدیث دہرادیتے کہ ''میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی صرف مٹی اور پانی میں تھے اور جب ہی وقت خلقتِ دین توحید میرے دل پر لکھ دیا گیا تھا چونکہ میں اس خدا کے نور کا حصہ تھا۔'' جس کا دین مجھ پر مکمل ہونا تھا۔

اب بعد وفات رسولؐ یہ مفسرین اتنے بڑے دانشور ہو گئے کہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے وقت درباروں سے مراعات وصول کرتے وقت یہ بھی بھول گئے کہ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ ''یہ سب معاملات خدا ہی کی طرف رجوع ہونگے اور وہی فیصلہ کرے گا''۔ اب یہ مفسرین کہتے ہیں کہ ''ہمارا خیال ہے کہ آپ دین مسیح پر تھے کیونکہ آپ کے اعلان نبوت سے پہلے جو مستقل 'قانونی اور غیر منسوخ دین تھا وہ حضرت عیسیٰ مسیح کا دین تھا۔'' ان کی اس ناقص تفسیر سے عیسائیوں کو موقع ملا کہ وہ بتا سکیں کہ دیکھو مسلمان مفسر خود کہتے ہیں کہ ان کا رسولؐ اسلام سے پہلے ہمارے نبی کے دین پر تھا مگر کسی مفسر نے ان مسیحی راہبوں سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارہ نہ کی کہ جناب حضرت عیسیٰ کا دین کیا تھا؟ وہ بھی دین توحید تھا جسے تم نے بدل کر عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور وحدانیت کی بنیاد کو ہی بدل ڈالا۔ بعض مفسرین آپ کو دین ابراہیم پر کاربند سمجھتے ہیں چونکہ آپ شیخ الانبیا اور ابوالانبیاء تھے اور قرآن کی بعض آیات میں دین اسلام کا تعارف دین ابراہیم کہہ کر کرایا گیا تھا مگر سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا دین کیا تھا وہی جو دین توحید رسول' کا تھا۔

اب جب ہم خلقتِ آدم کی طرف دیکھتے ہیں تو جب تک جسد آدم میں روح نبوتی داخل نہ ہوئی اس وقت تک ملائکہ کو جو معصوم تھے سجدہ آدم کا حکم نہ ہوا اب اگر روح نبوت میں علم و ایمان سمایا ہوا نہ ہوتا تو فرشتوں کو ایک جاہل اور ایمان سے خالی وجود کے لئے ہرگز سجدے کا حکم نہ دیا جاتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سورہ رحمٰن میں آغاز ہی اس بات سے ہو رہا ہے کہ ''الرحمٰنُ علمہُ القرآن خلق الانسان علمہُ البیان'' ترجمہ:۔ رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی پھر انسان کو پیدا کیا پھر اسے بیان کرنا سکھایا۔ اب تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے مراد یہاں عام انسان نہیں بلکہ وہ انسان ہے جس کی تعلیم وجود انسانی میں آنے سے پہلے ہو چکی تھی اور اس سورۃ کے حوالے سے بھی تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں ''انسان'' سے مراد ذات ''سرور کائنات'' ہے جن کو قبل خلقتِ تعلیمِ قرآن دی اور خلق کرنے کے بعد اسے بیان کرنے کا حکم ہوا اور یہ دین کو بیان کرنے کا حکم کسی نبی کو بچپن میں کسی کو جوانی میں اور حضورؐ کو 40 برس کی عمر میں دیا

جا رہا ہے کیوں؟ اس پر بحث ہم آگے کریں گے مگر ایک اور دلیل بھی آپ کی تسلی کے لئے ضروری ہے کہ جب روز قیامت ہر امت کو پروردگار اس کے گواہ یعنی نبی کے ساتھ بلائے گا اور کہا جا رہا ہے کہ اے رسول تم کو ان سب پر گواہ قرار دیں گے۔" تو جو امتیں معہ اپنے انبیاء و مرسلین کے قیامت میں آئیں گی ان کے اعمال کی گواہی اور رسولوں کی تبلیغ کی شہادت کے لئے (معاذ اللہ) کیا ایسا شخص گواہ بن کر آئے گا جو خود سب سے آخر میں آیا ہوا ایمان اور کتاب سے بے بہرہ ہو کیا ایسے شخص کو خاتم الانبیاء بنایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بات کسی سمجھدار آدمی کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس لئے تمام مفسرین جب اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حضور کو علم لدنی عطا کیا گیا تھا تو اگر وہ قرآن سے متعلق علم نہ تھا تو پھر کون سا مدرسہ تھا جس سے رسولؐ علم حاصل کر کے آئے تھے کیا قرآن سے افضل کوئی اور علم ہو سکتا تھا۔" جو پروردگار نے آپ کو دیا۔

اس لئے بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے مرتبۂ رسالت کو پہچانا ہی نہیں تو ان کی تفسیر یا کتاب یا صاحب کتاب کو کہاں تک درست ماننا صاحب عقل ہونے کی دلیل ہے اور دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر پہچانا نہیں تو ان کی تفسیر میں دم نہیں اور اگر پہچان کر جان بوجھ کر منافقوں کی سنت کو برقرار رکھتے ہوئے تفسیر لکھی ہے تو پھر ان کی تفسیر کو ہاتھ لگانا بھی گناہ عظیم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ 40 برس تک اعلان نبوت کے بعد رسولؐ نے اس تعلیم کو کیوں بیان کیا؟

اگر میں یہ کہوں کہ اللہ نے دنیا تخلیق کرنے سے پہلے جو کہ کہا جاتا ہے کہ صرف چھ دن میں بنائی گئی تو اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے جب اشرف المخلوقات کو تخلیق کیا تو اس سے پہلے کچھ Reserve Products بنائیں جو اس نے اپنے نور سے تخلیق کیں۔ اس کو آپ یوں سمجھ لیں کہ ایک استاد اپنی جماعت میں پہلے ایک سبق کو طالب علموں سے پڑھواتا ہے پھر سب سے پوچھتا ہے کہ ان کو اس موضوع کے بارے میں کیا سمجھ میں آیا جب طالب علم مکمل طور پر نہیں سمجھ پاتے تو پھر آخر میں استاد خود میدان میں اترتا ہے اور موضوع کو پوری طرح اپنے طالب علموں کو سمجھاتا ہے اب استاد ایک جسم ہے وہ جب یہ کام کرتا ہے تو ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اللہ جسم نہیں

نور ہے کلاس کے طالب علموں کی مثال ان انبیاء کی سی ہے جنہیں اللہ نے تعلیم دے کر بھیجا اور کچھ ذہین طالبعلموں کی طرح اللہ کے بھی کچھ ذہین طالبعلم جیسے اُلوالعزم انبیاء ہیں جن کے ساتھ اللہ نے کتابیں بھی بھیجیں مگر لوگ ان انبیاء اور کتابوں کو پوری طرح نہ سمجھ سکے تو اللہ چونکہ عالم الغیب ہے وہ یہ بات پہلے ہی جانتا تھا اس لئے اس نے اپنے نور سے کچھ پاک روحیں تخلیق کر کے انہیں اپنے پیغام کی تعلیم دے کر اپنے پاس Reserve Products کے طور پر رکھ لیا تھا وہ خود جسم نہیں ہے اس لئے اس نے سب سے پہلے اپنے نور سے خلق کی ہوئی روح محمدؐ کو ایک پاک جسم میں ڈالا اور سب سے آخر میں اس نور مجسم شاہ دو عالم محمد مصطفیؐ کو طے شدہ وقت کے مطابق تخلیق کیا اور چالیس برس تک ایک طرف تو ان کا امتحان نبوت ہوتا رہا اور دوسری طرف لوگوں کے اپنے پچھلے انبیاء کے ساتھ سلوک کا تجربہ سامنے رکھتے ہوئے رسولؐ کا کردار Establish ہوتا ہے جب ہر قبیلے ہر طبقے اور ہر دین کے ماننے والے نے کردار رسولؐ کی تصدیق کر دی اپنے منہ سے خود انہیں امین اور صادق کا لقب دے دیا تب حکم ہوا کہ رسولؐ تم ہر امتحان ہر آزمائش میں پورے اترے ہو اور ان جاہلوں نے اب تمہیں خود ہی امین اور صادق کا لقب دے دیا ہے لہٰذا اب تم اعلان نبوت کر دو۔

یہ جو چالیس برس تک امتحان ہوا ہے محمدؐ کا یہ ان کی روح کا نہیں جسم کا امتحان ہوا ہے چونکہ خدا روح کو تو پہلے ہی تعلیم دے چکا تھا مگر اب اللہ چونکہ خود جسم نہیں اس لئے وہ روح کو جسم کے ساتھ ملا کر اس Product کو چیک کر رہا ہے کہ کہیں نور سے تخلیق کی گئی روح کو اگر جسم میں ڈال دیا جائے تو جسم کی خواہش یا کوئی اور آلودگی روح نور کو تو پراگندہ نہیں کر پاتی یا روح اگر نور سے تخلیق کی گئی ہو تو کیا وہ جسم پر حاوی ہو جاتی ہے؟ جسم اس پر حاوی نہیں ہوتا؟ پروردگار کتنا کامل نور ہے کہ اپنے نور کو خود آزما رہا ہے جسم میں ڈال کر کہ جسم اس کا کچھ بگاڑتا تو نہیں بالکل ایک سائنسدان کی طرح جب کوئی ایجاد وہ مکمل کر لیتا ہے تو پہلے Laboratry میں اس کا تجربہ کرتا ہے پھر اسے دنیا کے سامنے متعارف کراتا ہے جب وہ اپنی سائنسی ایجاد سے خود مطمئن ہو جاتا

ہے۔اب جب اللہ اپنے اس تجربے میں 40 برس بعد کامیاب ہوجاتا ہے تو رسول کو اپنے فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے پیغام پہنچواتا ہے کہ محمد تم کامیاب ہو تم ہی ہو جو میرے دین کو مکمل کرو گے تم پر ہم نبوت کو ختم کرتے ہیں اور تمہارے ہی نور سے ایک بیٹی فاطمۃ الزہرا اور تمہارے علم کے وارث علی مرتضیٰ کے بطن سے جو اولاد چلے گی وہ میرے اسی نور کی کرنیں ہونگی جس نور سے میں نے تمہیں تخلیق کیا جو میرے دیئے ہوئے علم اور دین کے وارث ہونگے تا قیامت وہ میری کتاب اور تمہاری سنت کی حفاظت اپنے کردار اور عمل سے کریں گے لیکن جس طرح اعلان نبوت کے بعد سے ہی تمہیں تنگ کیا گیا اسی طرح تمہارے گیارہ وارثوں تک یہ سلسلہ ظلم اس طرح بڑھے گا کہ ہر امام کو دین اسلام کی حفاظت کے جرم میں شہید کیا جائے گا۔ پھر ہم بارہویں مہدیؑ کو صرف نور رہنے دیں گے اس کے جسم کو غائب کردیں گے اور قیامت کے دن فیصلے کے دن سے کچھ عرصے پہلے انہیں جسم کے ساتھ ظہور کی اجازت دیں گے۔ وہ جسم کے ساتھ ظاہر ہو کر دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اسی لئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو قائم آل محمد کہا جاتا ہے کہ وہ دین خدا کو اسی طرح نافذ کریں گے جس طرح حضرت محمدؐ نے اسلامی ریاست قائم کی مگر اُن کے بعد اسلام کے نام پر اپنی مرضی کا اسلام نافذ کرنے کی کوششیں اس حد تک بڑھیں کہ اسلام فرقوں اور عقیدوں میں بٹتا چلا گیا۔

کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و اولاد سے مدد دیئے جارہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے۔

(سورۃ المؤمنون ۲۳:۵۵۔۵۶)

قرآن کیا ہے؟

لفظ قرآن کے لغوی معنی اگر تشریح کے ساتھ دیکھے جائیں تو عربی زبان میں جس میں یہ نازل ہوا اس کے عربی لغت میں معنی ''جمع کرنے کے ہیں''۔

عرب میں کتاب جب تک عام طور پر نہیں پڑھی جاتی تھی اس وقت کسی نظم یا نثر کے جمع کرنے کا اس طرح کہ وہ محفوظ ہو جائے بہترین طریقہ یہی تھا کہ اسے ازبر یاد کر لیا جائے یعنی حفظ کر لیا جائے اور قراۃ کا لفظ حفظ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور حفظ کرنے والے کو ''قاری'' کہتے تھے۔ جب لوگوں نے قرآن کو حفظ کرنا شروع کیا تو وہ حافظ قرآن ہو گئے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اس کے ترجمے ماخوذ یا تفسیر سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ یہ بالکل اسی طرح سمجھا جائے جیسے ایک بچے کو آج کے دور میں ایک نظم یا ایک شعر یاد کرنے کو دیا جائے وہ نظم کو اس زبان کے تلفظ اور صحیح ادائیگی سے یاد تو کر لے مگر مفہوم سے ناواقف ہو اور پھر سب سے اہم اور تیسرا درجہ عمل کا ہے کہ اگر ایک بچے کو یا طالب علم کو یہ نظم تو یاد ہو کہ

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

مگر ابتدائی جماعت کا وہ بچہ جو اسے صرف خوبصورت ادائیگی اور صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھتا ہے اگر اس سے اس شعر کی تفسیر یعنی تشریح پوچھیں تو وہ صرف آپ کا منہ تکنے پر اکتفا کرے گا۔

قرآن مجید کے اصطلاحی معنی:

قرآن مجید کے اصطلاحی معنی اس کلام کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے وحی کی صورت میں کہا یہ وحی جن جلیل القدر فرشتہ خدا کے ذریعے آتی تھی وہ تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام جن کا

تعارف آج کی اصطلاح میں ہم اللہ تعالیٰ کا قاصد اللہ کا پیغام لانے والے فرشتے کے طور پر کراسکتے ہیں یعنی اللہ اور ان کے رسولؐ کے درمیان اس پیغام کا رابطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور وہ باتیں جو اللہ اپنے محبوب سے کرنا چاہتا تھا ان باتوں کو کلامِ الٰہی کہا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کلامِ الٰہی جیسے انسانوں تک پہنچانے کے لیئے اللہ نے انبیائے کرام کو منتخب کیا۔ وہ کلام کیا تھا اور خصوصاً قرآن کریم کی تبلیغ کیلیئے آپ کو پیغامبر یعنی Messenger کی حیثیت سے منتخب کرنے کی وجہ کیا تھی اور اس وجہ کو جاننے کے لیئے ہمیں اپنے نبیﷺ کی ساری حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا ہے جو ایک علیحدہ موضوع ہے مگر یہاں بات کلامِ الٰہی کی ہو رہی ہے اس لیئے یہ بتانا پہلے ضروری ہے کہ کلامِ الٰہی کیا ہے؟

کلامِ الٰہی کا مفہوم:

کلام کا مطلب ہے بات چیت اور کلامِ الٰہی کا مقصد ہے اللہ کی بات چیت۔ اب یہ بات چیت دو طرح کی ہے یعنی کلام دو طرح کے ہیں۔

(1) ہمارا کلام یعنی کلامِ انسانی: ہم انسان ہیں اور روح کے ساتھ جسم بھی رکھتے ہیں اور جسم میں زبان کلام کرتی ہے کان کلام سنتے ہیں کبھی یہ کلام ذہن سے سوچ کر ہماری زبان سے صادر ہوتا ہے اور ہماری آواز کے ذریعے اپنے مخاطب سننے والے تک پہنچتا ہے اور کبھی دوسرے کے ذہن سے نکل کر اس کی زبان سے آواز کی شکل میں ہم تک پہنچتا ہے۔

(2) خدا کا کلام یعنی کلامِ الٰہی: ہمارا وجود غیر مستقل اور عارضی ہوتا ہے اور جس زمانے اور حالات میں رہ رہے ہوتے ہیں ہمارا کلام خواہ وہ زبانی ہو یا تحریر کی شکل میں ہو وہ اپنے زمانے کے لئے ہوتا ہے مگر خدا کا کلام بھی اگر اسی حیثیت سے دیکھا اور سمجھا جائے تو پھر اس میں اور ہم میں کیا فرق رہا۔ اس لئے کسی بھی باہوش اور باشعور عقل انسانی کی یہ مجال نہیں کہ وہ خدا کے کلام کے معنی کو اپنے ذہن اور زبان سے نکلے ہوئے کلمات کے برابر یا اس جیسا قرار دے اس لئے

خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے وہی فرق اللہ کی بات اور انسان کی بات میں ہے۔ ہم جسم ہیں وہ نور ہے وہ ہم پر قدرت رکھتا ہے اختیار رکھتا ہے۔ ہم اس پر قدرت اور اختیار نہیں رکھتے۔

قرآن کا موضوع: قرآن کا موضوع انسان ہے۔ اللہ نے انسان کو تخلیق کرنے کے بعد اسے دنیا میں بھیجا تو دنیا میں رہنے' اٹھنے' بیٹھنے' سونے' جاگنے' کھانے' کمانے اور ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کے حوالے سے ایک مکمل ضابطہ قانون اور آئین بھی مرتب کیا جو یہ بتائے کہ ہمیں دنیا میں کیسے رہنا ہے اس آئین کو ہم تک پہنچانے کے لئے اس نے اپنے پیغمبر یعنی اپنا پیغام ہم تک پہنچانے والے بھیجے جو اس کا کلام ہمیں اپنے عمل سے بتا سکیں ان لوگوں کو جو یہ کام انجام دینے والے تھے انہیں عام انسانوں یعنی ہم سے مختلف بنایا اور دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کی جنہیں ہم انبیائے کرام کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو صرف انسانوں سے ہی نہیں بلکہ اپنی دوسری تخلیقات سے بھی نوازا جو انسانوں کے لئے بنائی گئی تھیں یعنی زمین' آسمان' چاند' سورج' ستارے' سمندر' پہاڑ' درخت اور ان کے پھل اور پھول اور زمین سے اگنے والا ہمارا رزق یعنی اناج' سبزیاں' پھل اور پھر وہ جانور جن کا گوشت حلال کیا گیا جن کے دودھ کو رزق میں شامل کیا گیا اور کچھ وہ جانور جو ہمارا رزق نہیں' ہم پر حلال نہیں بلکہ وہ بار برداری کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے اس لئے ان تمام مخلوق خدا کو پیدا کرنے کا مقصد اور انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد بتانے کے لئے اللہ کو انسان سے مخاطب ہونا تھا وہ خود تو جسم نہیں نور تھا پھر وہ ایک جسم سے کیسے مخاطب ہوتا؟ اس کے لئے اس نے انسانوں ہی کی شکل اور جسم میں اپنے سفیر بھیجے جو اس کا کلام یا پیغام ہم تک پہنچائیں ان ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یا انبیاء میں سے چار انبیاء ایسے آئے جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف عادتوں اور مزاج اور مختلف زبانیں جاننے والوں سے ان ہی کی زبان میں بات کی اور اپنی کتابیں دے کر بھیجا۔

اللہ کا کلام اور اس کے پیغامبر:

اللہ تعالیٰ کے چار نبی ایسے ہیں جنہیں دوسرے انبیاء پر فوقیت حاصل ہے اس لئے کہ اللہ کا

کلام کتاب کی صورت میں ان کے ساتھ آیا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کی کتاب کا نام توریت تھا اور ان کے ماننے والے یہودی کہلاتے ہیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کی کتاب کا نام انجیل یا بائبل ہے اور اس کے ماننے والے عیسائی کہلاتے ہیں۔ تیسرے نبی حضرت داؤد علیہ السلام جن کی کتاب کا نام زبور ہے اور ان کے ماننے والے بنو اسرائیل ہی میں سے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کو Star of David کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب میں بنو اسرائیل نے سب سے زیادہ تحریف کی اور سب سے آخر میں جن پر اللہ نے اپنے دین کو مکمل کیا اور نبوت کو ختم کیا ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور کوئی کتاب بھی نہیں وہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر نازل ہونے والی کتاب کا نام قرآن کریم اور جن کے ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں۔

ان چاروں کتابوں کا کلام بے شک اللہ ہی کا کلام ہے مگر پہلے تین کلام جن امتوں پر ان کے زمانے کے رسولوں کے ذریعے آئے جب رسول چلے گئے تو ان کے بعد ان کی امتوں نے کتابوں میں تبدیلیاں کرلیں' جو چیز ان کے مطلب کی تھی وہ رہنے دی اور جن احکامِ الٰہی پر عمل کو وہ اپنے لئے کٹھن اور دشوار محسوس کرتے تھے۔ انہیں کتاب سے نکال دیا گیا اور امت کی یہ حرکتیں اور کتابوں میں تحریف کی یہ صورت حال دیکھ کر اللہ نے ان کتابوں میں جو کمی یا نقائص محسوس کئے ان کو مدنظر رکھ کر آخر میں سب سے مکمل کلام اور سب سے مکمل خصوصیات کے حامل نبی کو دنیا میں بھیجا اور اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی تاکہ دنیا میں کوئی اسے تبدیل نہ کرسکے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے ابد تک یعنی اس وقت سے جب اس نے دنیا کو خلق کیا چاند تارے' آسمان' زمین' سورج' درخت' سمندر پہاڑ اور پھر انسان اور فرشتے' جن وانس' جانور سب تخلیق فرمالئے تو انسان کو اپنی سب سے اشرف یعنی بہترین تخلیق قرار دے کر اسے ''اشرف المخلوقات'' کا درجہ دیا یعنی اسے ان فرشتوں سے بھی افضل کردیا جن کا کام صرف اللہ کی عبادت کرنا تھا جو کسی برائی میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے تھے مگر انسان میں ایسی صفت رکھی کہ وہ گناہ اور بدی کی طرف مائل ہوسکتا تھا اس کے باوجود انسان کو فرشتے سے بہتر کیوں کہا یہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو اس سبق کا حصہ نہیں۔

ارادہ اور اختیار بھی انسان کا امتحان ہے تبھی تو برائی اور بھلائی کا ذمہ دار خود انسان ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے جب انسان کو تخلیق کر کے اسے فرشتوں سے افضل کر دیا تو پھر انسانوں میں سے ہی کچھ انبیاء خلق کیے اس لئے اپنی پہلی تخلیق انسانی کو ہی نبی کا درجہ دیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور پھر دوسرے انبیاء جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے جو قانون دنیا میں رائج کرنے کیلئے بنایا اسی دینِ ابراہیم پر چلانے کے لئے کچھ انبیاء جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ وہ آئین خداوندی کے ساتھ بھیجے مگر ان انبیاءؑ کے ماننے والوں نے اس آئین اور دین میں تبدیلیاں کر لیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئین قرآن کریم کی شکل میں بھیجا اس کلام الٰہی کو قرآن مجید اور اس قرآن مجید میں دیئے گئے احکام دین کو دین ابراہیم مذہب اسلام کہا گیا اور دینِ ابراہیم کو اپنی اس کتاب میں پروردگار نے مکمل دین کہا ہے اس آئین الٰہی یعنی قرآن کریم میں جو احکامات اللہ تعالیٰ نے دیئے وہ تمام کے تمام اپنے نبیؐ کے کردار اور عمل سے ثابت کر کے دیکھائے یعنی اگر سچائی کی تلقین ہو رہی ہے تو پہلے سے ہی وہ پیغمبر صادق جانا جاتا ہے اگر امانت اور ایمان کامل کا حکم صادر ہو رہا ہے تو نبی خود ایمان کامل رکھتے ہیں اور امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اب احکام خداوندی جو اس کتاب میں ہیں وہ تمام انسانوں کے لئے ہیں۔ اس میں کسی خاص مذہب زبان' طبقے یا عقیدے کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ تمام عالم انسانیت کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے اور حکم کی پیروی کیسے کی جاتی ہے اس کے لئے اپنے سب سے کامل کردار کے شخص محمد مصطفیٰؐ کے کردار اور عمل کو نمونہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور اپنی بہترین تخلیق جسے وہ اشرف المخلوقات کہہ رہا ہے وہ اس مخلوق سے کیا چاہتا ہے کہ وہ کیسے زندگی گزاریں اس کے لئے وہ انہیں ایک مکمل ضابطہ حیات دے رہا ہے۔ جس میں سماجی' اخلاقی' معاشی قوانین موجود ہیں فرائض اور حقوق کی ادائیگی کا پورا نظام موجود ہے اور اس نظام کو رسولؐ چلا کر دیکھا رہے ہیں کہ اس کو بالکل حکمِ خداوندی کے مطابق چلاؤ گے تو فلاح پاؤ گے اور اگر کہیں بھی اس سے روگردانی کی تو اپنی دنیا اور دین دونوں کو کھو بیٹھو گے۔

قرآن مجید میں سورتوں اور آیات کی تقسیم

سورہ کے معنی:

عربی میں اس لفظ کے معنی ''شہر پناہ کی دیوار'' کے ہیں اور ایک معنی احاطہ کے بھی ہیں لہذا اس کا ایک خاص نام سورہ نازل کیا گیا اور اسے آیات کے گرد گھیر دیا گیا یعنی وہ ایک ''احاطہ'' ہے جو کچھ آیات کے چاروں طرف کھینچا گیا۔

قرآن مجید کے 30 حصے مہینے کے تیس دنوں کے اعتبار سے کر کے ہر حصے کا نام عربی میں ''جزء'' قرار دیا گیا جسے فارسی اور اردو میں پارہ کہتے ہیں۔ پارے کے چار حصے کر کے ہر حصے کو ربع کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی تقسیم صرف سورتوں کی منجانب اللہ ہے مگر اسے پاروں' ربعوں اور رکوعوں کی طرف تقسیم بعد میں قاریوں نے کی تا کہ اسے پڑھنے میں سہولت پیدا ہو سکے یعنی کوئی بھی پارہ اس طرح نام کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ جس طرح قاریوں نے اسے تیس حصوں میں تقسیم کر کے جہاں سے پارہ شروع کر رہے ہیں' اسی حصے کو پارے کا نام دے دیا۔

آیات:

لفظ آیت کے لغوی معنی نشانی کے ہیں اس کے علاوہ ایک مستقل پیغام یا خبر کو بھی آیت کہا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے ہر سورۃ کی تقسیم آیتوں پر ہوئی یعنی کلام کا ایسا فقرہ جہاں سلسلۂ کلام رکنے کی علامت ظاہر ہو۔

قرآن مجید کی پہلی آیت:

کلام الٰہی کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے جو پہلی آیت اقراء باسم ربک الذی

کا جزو ہے لیکن چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کی ابتدا میں اتاری گئی سوائے سورۂ برأت کے جسے عام طور پر سورہ توبہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ سورہ توبہ مکمل عذاب اور قہر الٰہی سے منسوب ہے اور یہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکمل رحم کی دعا ہے اس لئے یہ کمی سورۂ "نمل" میں پوری کردی گئی اور اس سورہ میں دو مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی ایک دفعہ شروع میں اور دوسری مرتبہ درمیان میں ڈال کر اللہ نے اپنے کلام کی حقانیت کو مکمل کر دیا۔ اسی وجہ سے سب سے پہلا پیغام اور آیت جو بسم اللہ کے ساتھ نازل ہوئی وہ "آیت اقراء کے بعد کی پانچ آیتیں" مالم یعلم تک نازل ہوئیں۔

قرآن کی پہلی آیت

پہلا پیغام یا ہدایت اقرا باسم ربک الذی یعنی اپنے رسول کو اللہ نے کچھ پڑھنے کی ہدایت کی۔

قرآن کی پہلی سورہ

اب اس آیت کے بعد پڑھا کیا جائے؟ تو اس کی تعلیم کے لئے سب سے پہلے سورۂ حمد اتاری گئی اس سورہ کے انداز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورہ سب سے پہلے اس لئے اتاری گئی کہ یہ بندے کی عرض ہے دعا ہے اپنے خدا کی بارگاہ میں جو شروع ہی اس طرح ہوتی ہے کہ "تعریف اللہ ہی کے لئے ہے" اے اللہ ہم تیری ہی تعریف اور عبادت کرتے ہیں جو تمام کائنات کا رب ہے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں چونکہ تو روز جزا کا مالک ہے ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام رکھا اور وہ سیدھے راستے پر رہے جو عتاب میں نہیں آئے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

یعنی طے ہو گیا کہ پہلی سورہ الحمد ایک دعا ہے جو خدا نے ہر اس انسان کو سکھائی ہے جو اس کی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اور کتاب کی ابتدا اس دعا سے کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر تم واقعی اس کتاب سے دین اور دنیا کو سمجھنا چاہتے ہو فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو پہلے خداوند عالم سے یہ دعا کرو۔

جمع قرآن میں ترتیب کا اختلاف
اور معنی میں تحریف کا اختلاف

یہ موضوع میں خاص طور پر اس لیے شامل کر رہی ہوں کہ آج کا طالب علم میڈیا کے جدید ترین ذرائع تک رسائی رکھتا ہے وہ پچھلی 14 صدیوں کے طالب علم سے زیادہ باشعور ہے اور اس سے سنا سنایا جھوٹ یا سچ بولنا اور اسے اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اسے من وعن تسلیم کر لے اب اتنا آسان نہیں رہا اور یہ کمال اُسی رب کا ہے جس نے اپنی کتاب میں 'علمه البیان' کہہ کر بتا دیا تھا کہ تمہیں بیان کی وہ مکمل سہولتیں دستیاب ہو جائیں گی کہ تاریخ' مذاہب' تمدن کسی معاملے میں جھوٹ کام نہ آ سکے گا اور "تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" فبای الاء ربکما تکذبن"۔ علم بیان یعنی میڈیا کو نعمت قرار دیا گیا ہے۔

اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں دو مکتبہ فکر کے مفسر قرآن جن کو تحقیق نگار ہونے کا شرف بھی حاصل ہے ان کے حوالے سے وہ پیراگراف من وعن درج کر رہی ہوں جو انہوں نے اپنی تحقیق قرآن کے ساتھ درج کیے ہیں۔

طالب علم اپنا دماغ' اپنی فکر اور اپنی عقل کی بنیاد پر جسے چاہیں تسلیم کریں میں صرف پروردگار سے دعا گو ہوں کہ اے رب جلیل تو جسے چاہے ہدایت عطا کرتا ہے مجھ پر جہاں تیرے احسانوں کا کوئی شمار نہیں وہاں یہ احسان بھی کر دے کہ میرے اس موازنے کے قاری کے دل و دماغ میں وہ بات اتار دے جو صحیح ہے۔ جسے تو صحیح سمجھتا ہے جسے تو انسان کے فائدے میں سمجھتا ہے چونکہ صرف تو ہی تو ہے جو اپنی اس تخلیق یعنی "انسان" سے ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے' تجھ کو واسطہ ہے

اس ماں کا جسے تو نے سارے عالم کی عورتوں کا سردار کہا "فاطمۃ الزہرا سیدہ النساء العالمین" اور پھر واسطہ ہے میری ان ماں کا۔ جنہوں نے یہ کام مجھ سے کرایا میری اس کوشش کو جس کی نیت سے تو واقف ہے اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے نیتوں کو اعمال کا دارومدار کہا ہے میری اس محنت کو رائیگاں نہ کرنا۔ رب العزت اس کتاب کو بالکل ویسے ہی میرے قاری تک پہنچا دے جیسے کہ اس کے پہنچنے کا حق ہے (آمین ثم آمین)

فقہ حنفیہ کا موقف

فقہ حنفیہ کے مفسر قرآن ابوالاعلی مودودی تفہیم القرآن کی جلد اول کے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ "قرآن کے طرز بیان اور اس کی ترتیب اور اس کے بہت سے مضامین کو آدمی اس وقت تک اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ اس کی کیفیت نزول کو بھی اچھی طرح نہ سمجھ لے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد یعنی اسلام سے مرتد ہونے والوں کی مخالفتوں کا طوفان اٹھا تو اس کے روکنے کے لئے صحابۂ کرام کو سخت خونریز لڑائیاں لڑنی پڑیں ان معرکوں میں ایسے صحابہ کی کثیر تعداد شہید ہوگئی جن کو پورا قرآن حفظ تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کی حفاظت کے معاملے میں صرف ایک ہی ذریعے پر اعتماد کر لینا مناسب نہیں ہے بلکہ الواحِ قلب کے ساتھ ساتھ صفحاتِ قرطاس پر بھی اس کو محفوظ کرنے کا انتظام کر لینا چاہئے۔ چنانچہ اس کام کی ضرورت انہوں نے حضرت ابوبکرؓ پر واضح کی اور انہوں نے کچھ تامل کے بعد اس سے اتفاق کر کے حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایک طرف تو تمام لکھے ہوئے اجزاء فراہم کر لئے جائیں جو نبی ﷺ نے چھوڑے ہیں دوسری طرف صحابہ کرام میں سے بھی جس جس کے پاس قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہوا ملے وہ ان سے لے لیا جائے اور پھر حفاظ قرآن سے بھی مدد لی جائے اور ان تینوں ذرائع کی متفقہ شہادت پر کامل صحت کا اطمینان کرنے کے بعد قرآن کا ایک ایک لفظ مصحف میں ثبت کیا جائے۔ اس تجویز کے مطابق قرآن مجید کا ایک مستند نسخہ تیار کر کے ام المومنین کے یہاں رکھوا دیا گیا اور عام لوگوں کو اجازت دے دی گئی کہ جو چاہے نقل کرے اور

جو چاہے اس سے مقابلہ کر کے اپنے نسخے کی تصحیح کرے۔

اب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اگلے حصے میں جس اہم نکتے کی طرف نشاندہی کر رہے ہیں وہ وہی ہے جسے فقہ جعفریہ بھی صحیح سمجھتی ہے اور اس پر متفق ہے یعنی یہ کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن جمع نہیں کیا بلکہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ پانچ اصحاب کو جن کے نام ہیں حضرت زید بن ثابتؓ عبداللہ ابن زبیرؓ سعید بن العاصؓ عبداللہؓ بن حشام اور عبدالرحمن بن حارث اور ہر اسلامی شہر میں اس کی ایک ایک نقل بھجوادی تھی اور خلیفہ وقت کی حیثیت سے صرف اسی نسخے کو معیاری قرار دیا تھا جو انہوں نے تمام عرب کی اس وقت کی رائج قرآت یعنی زبان کے حساب سے معیاری نسخہ سمجھا تھا اور باقی دوسرے تمام لہجوں اور محاوروں پر لکھے ہوئے نسخوں کی اشاعت کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ "عرب کے مختلف علاقوں اور قبیلوں کی بولیوں میں ویسے ہی فرق پائے جاتے تھے۔ جیسے ہمارے ملک میں شہر شہر کی بولی میں ہے۔ جیسے زبان سب کی وہی ایک اُردو ہے مگر مختلف لوگ اسے مختلف لہجوں اور الفاظ کی ادائیگی میں فرق کے ساتھ بولتے ہیں۔ قرآن مجید اگرچہ نازل اسی زبان میں ہوا تھا جو مکہ میں قریش کے لوگ بولتے تھے لیکن ابتدا میں اس امر کی اجازت دے دی گئی تھی کہ دوسرے قبیلوں کے لوگ اپنے اپنے لہجے اور محاورے کے مطابق اسے پڑھ لیا کریں کیونکہ اس طرح معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا صرف عبارت ان کے لئے ملائم ہو جاتی تھی لیکن رفتہ رفتہ جب اسلام پھیلا اور عرب کے لوگوں نے اپنے ریگستان سے نکل کر دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا اور دوسری قوموں کے لوگ بھی دائرہ اسلام میں آنے لگے اور بڑے پیمانے پر عرب و عجم کے ملاپ سے عربی زبان متاثر ہونے لگی تو اندیشہ یہ پیدا ہوا کہ اگر اب بھی دوسرے لہجوں اور محاوروں کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت باقی رہی تو اس سے طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے مثلاً یہ کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو غیر مانوس طریقے پر کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنے گا اور یہ سمجھ کر اس سے لڑ پڑے گا کہ وہ دانستہ کلامِ الٰہی میں تحریف کر رہا ہے یا یہ کہ لفظی اختلافات واقعی تحریفات کا دروازہ کھول دیں گے یا یہ کہ عرب و عجم کے ملاپ سے جن لوگوں کی زبان بگڑے گی وہ اپنی بگڑی ہوئی زبان کے مطابق قرآت کر کے اس کے حسن کلام کو بگاڑ دیں گے۔

اورانہی وجوہات کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام کے مشورے سے یہ طے کیا کہ اسلامی ممالک میں صرف اسی معیاری نسخہ قرآن کی نقلیں شائع کی جائیں جو حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اور باقی تمام دوسرے لہجوں اور محاوروں پر لکھے ہوئے مصاحف کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی۔

آج جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ ٹھیک اسی لب ولہجہ اور حسن قرات کے مطابق ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے سرکاری اہتمام سے تمام اسلامی ممالک میں بھجوائی تھیں۔

فقہ جعفریہ کا موقف

اب فقہ جعفریہ کے ایک محقق ومفسر جناب مولانا ظفر امروہوی کے مقدمے میں اس حوالے سے جو کچھ تحریر ہے وہ بھی ہم آپ کی خدمت میں اسی طرح من وعن پیش کرتے ہیں غور وفکر کرنا آپ کا کام ہے۔

''خدا کی کتابوں میں تحریف سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کرنے والے یہ بھی کر جاتے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ توریت وانجیل میں تحریف ہوئی اور بہت بدنما طریقوں سے ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ کتابیں ذمہ دار ہستیوں کے ہاتھوں سے نکل کر علمائے یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں جو خدا اور رسول کی طرف سے ذمہ دار نہیں بنائے گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے نہایت بے باکی سے من مانے تصرفات شروع کر دیے۔ قرآن کہتا ہے کہ سورہ بقرہ میں آیت نمبر 5 ''میری آیات کو تھوڑی قیمت دنیاوی کے لئے فروخت نہ کرو'' اور آیت نمبر 6 میں ہے کہ جو بات ان سے کہی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ پھر اس سورہ کی آیت نمبر 9 میں ہے کہ ''افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ تھوڑی سی قیمت کے عوض اسے بیچ ڈالیں۔

بحمد اللہ قرآن میں ایسے تصرفات نہیں ہوئے چونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لی اور اس کو ''امام مبین'' رسولؐ اور ان کے بعد ہدایت کے سلسلہ ولایت وامامت کے سینے میں محفوظ

کردیا تھا مگر اسے جمع کرنے والوں نے ترتیب بدل کر ایک پیچیدہ صورت حال سے مسلم اُمہ کو ضرور دوچار کیا۔

آنحضرتؐ کے زمانہ میں قرآن کی آیات جب نازل ہوتی تھیں تو ان کی حفاظت دو طریقوں سے کی جاتی تھی کچھ لوگ جو کاتبانِ وحی کہلاتے تھے بحکم حضورؐ اونٹ کی ہڈیوں، لکڑی کی تختیوں، کھجور کے پتوں یا کھال پر لکھ لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی زندگی تک قرآنی آیات میں کوئی ترتیبی صورت پیدا نہ ہوئی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن کو موافق تنزیل جمع نہ کرلوں گا سوائے نماز کے کسی وقت اپنے شانوں پر "روا" نہ ڈالوں گا۔ چنانچہ دو سال تک آپؑ نے عزلت گزیں ہو کر یہ خدمت نہایت جانفشانی سے انجام دی۔ درحقیت یہ کام تھا بھی حضرت علیؑ ہی کے کرنے کا۔ اول تو آپؑ ایک ایک آیت سے باخبر تھے کیونکہ آغازِ نزول سے آخر تک آپؑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ رہے تھے۔ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ یہ سعادت کسی اور صحابیؓ کو نصیب نہیں ہوئی۔ دوسرے خود حضورؐ نے ایک ایک آیت کی تفسیر وتاویل حضرت علیؑ کو بتائی تھی اور جس کی شان میں جو آیت نازل ہوئی تھی اس کا نام اور وجہ نزول بھی بتادی تھی۔ اسی لیے حضرت علیؑ کو جمع وترتیب کے وقت کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس وقت قرآن مجید بخطِ کوفی لکھا جاتا تھا۔ جس میں اعراب اور نقطے نہیں ہوتے تھے۔ الغرض موافق تنزیل جب پورا قرآن جمع ہوگیا تو آپؑ اس کو لے کر خلیفۂ وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے تاکہ اسلامی حکومت میں رائج ہو۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ دونوں نے کسی سیاسی مصلحت کی بناء پر اس کو جاری کرنا نامنظور کیا۔ حضرت علیؑ کو سخت ملال ہوا اور یہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے کہ اب اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد پردہ غیب میں رکھا گیا جو ایک منصوص من اللہ امام سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اب وہ ولیِ عصر حضرت امام مہدی آخرالزمانؑ کے پاس ہے اور قُربِ قیامت میں جب حضرت کا ظہور ہوگا اس وقت ظاہر فرمادیں گے۔

اس کے بعد قرآن کا بیان حافظوں کی زبان پر رہا۔ جب جنگِ یمامہ میں چار سو حافظین

قرآن شہید کیے گئے' تو حضرت عمرؓ کو اس کے کتابی صورت میں لانے کی فکر ہوئی۔ وہ اپنے ارادہ کو پورا نہ کر پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ کام حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا مگر وہ چونکہ اس کی تکمیل سے قاصر تھے لہٰذا ایک نوجوان زید بن ثابت کو اس کا منصرم و مہتمم بنایا۔ یہ کام زید کے کرنے کا نہ تھا کیونکہ وہ عہد رسالتؐ میں ایک کمسن لڑکا تھا۔ صحبت رسولؐ کا اسے موقع ہی نہ ملا تھا۔ تاہم حافظوں اور قاریوں کی مدد سے اور ان اجزاء سے جو حضرت حفصہؓ یا ابن مسعودؓ وغیرہ کے پاس تھے یہ قرآن مرتب کیا گیا۔

قرآن کا جمع کرنا بے شک بڑی نیکی اور باعث اجرِ عظیم ہے کیونکہ وہ اساسِ شریعت ہے۔ لیکن جمع کرنے والے کو علم قرآن سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے تھا ورنہ ترتیب آیات و سُورہ موافق تنزیلی نہیں ہو سکتی۔ جب آیات کے باہمی تعلق وسیاق وسباق پر جامع مطلع نہ ہو تو یہ کام صحیح نہ ہوگا۔ رسولؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے سوا قرآن کو اور کسی کے ساتھ بحیثیت ورثہ منسوب نہیں کیا۔ آپؐ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے "علی مع القران و القران مع علی" (علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے)۔ حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں تفسیر کی توضیحات حواشی پر تھیں مثلاً کون سی آیت کہاں نازل ہوئی' کب نازل ہوئی' کس کی شان میں نازل ہوئی اور کس امر کے متعلق نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے اگر علی علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن ہمارے پاس ہوتا تو ہمیں بڑے فوائد حاصل ہوتے۔ منافقین کی مذمت میں جو آیات تھیں ان کے نام بھی لکھ دیئے گئے تھے۔ ایسی صورت میں لوگ کیونکہ حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن کو تسلیم کر سکتے تھے اور اگر تسلیم کر لیتے تو پھر دُنیا کو کیا منہ دکھاتے اور پس پردہ اسلام میں جو شکار کھیلے گئے وہ کیسے کھیلے جاتے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حکومت کے مسترد کرنے کے بعد جب حضرت علیؑ قرآن واپس لے گئے تو زیدؓ بن ثابت نے حضرت عمرؓ سے کہا اس قرآن کو حضرت علیؑ سے لے لیجیے اور اس کے حواشی مٹا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے جب مانگا تو حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر

انکار کر دیا کہ حجت تمام ہو چکی اب تم اسے کبھی نہ دیکھو گے۔ اس کو میرا فرزند قائم آل محمدؐ اپنے ظہور کے وقت اپنے ساتھ لے کر نکلے گا۔

جمع قرآن کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ قرآن عہد رسالتؐ میں جمع ہوا تھا۔ علامہ بیہقی نے اس کی توضیح یوں کی ہے کہ جمع قرآن سے مراد جمع آیات قرآنیہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے سورتوں کی حدود مقرر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد جو آیت نازل ہوتی تھی آپ فرما دیتے تھے کہ فلاں سورہ میں اسے درج کرو۔

اسی طرح حضرتؐ تمام آیات کو خود ہی سُورں میں علیحدہ علیحدہ جمع فرما دیتے تھے۔ لیکن سورتیں یکجا نہ تھیں۔ بعض پتھروں پر بعض درختوں کے پتوں پر اور بعض چمڑے پر تحریر تھیں جن کو بعد میں جمع کیا گیا۔ موطاء میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو کاغذ پر جمع کیا تھا۔ چنانچہ اس کام میں بحکم عمر زید بن ثابتؓ سے کام لیا گیا۔

سیوطی نے بروایت ابن داؤد حضرت علیؑ کو پہلا جامع قرآن ہونا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن کے جامع حضرت عثمانؓ ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ انہوں نے لوگوں کو ایک قرائت پر متفق ہونے پر آمادہ کیا تھا۔ جناب حفصہؓ سے واپسی کے وعدہ پر قرآن منگوا کر یہ کام انجام دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید العاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ کو لکھنے کا حکم دیا تھا اور ہر اسلامی شہر میں ایک ایک نقل بھیج دی تھی۔ نتیجہ اس بیان سے یہ نکلا کہ حضرت عثمانؓ صرف حکم دینے والے تھے اور جامع قرآن یہ پانچ شخص تھے۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت علیؑ نے عہد رسالتؐ میں قرآن جمع کر کے نمونہ کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کی تصدیق رسولؐ نے کر دی تھی مگر ابھی پورا قرآن جمع نہ ہوا تھا کہ رسولؐ وفات پا گئے اور حضرت علیؑ نے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ دو سال تک سوائے اس کام کے اور کوئی کام نہ کیا۔ پس اگر حضرت علیؑ کا جمع کردہ قرآن مصدقہ رسولؐ تھا تو پھر اس کو رد کیوں کیا گیا؟

ایک بڑی ضروری بحث اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عہد سلطنت میں اپنے جمع کردہ قرآن کو رائج کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے۔

ا۔ حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ قرآن جب تمام اسلامی ممالک میں رواج پا چکا تھا۔ گھر گھر میں پڑھا جا رہا تھا تو حضرت علیؑ ان تمام قرآنوں کو کیسے واپس لے سکتے تھے۔ خصوصاً جبکہ ملک شام پر معاویہ کی حکومت تھی اور انہیں حضرت علیؑ سے سخت عداوت تھی۔

۲۔ اگر بالفرض حضرت علیؑ اپنے جمع کردہ قرآن کو اپنے مقبوضہ علاقہ میں جمع کر دیتے تو دو قرآن ہو جاتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں ساقط الاعتبار ہو جاتے۔ وقت مباحثہ ومناظرہ غیر مسلم قومیں کہہ سکتی تھیں پہلے یہ ثابت کرو کہ ان دونوں قرآنوں میں صحیح کون سا ہے۔ جیسے ان اختلافات نے انجیل کو ساقط الاعتبار بنادیا۔ قرآن بھی ایک مسلمہ حقیقت نہ رہتا اور یہ اسلام کے لیے ایک ایسا عظیم الشان نقصان ہوتا جس کی تلافی ناممکن ہوتی۔ حضرت علی علیہ السلام اسے کیسے گوارا کر سکتے تھے۔

۳۔ صرف ترتیب قرآن کے بدل جانے سے اتنا فائدہ نہ ہوتا جتنا اس کے ساقط الاعتبار ہو جانے سے نقصان ہوتا۔ لہذا حضرت علیؑ نے موجودہ قرآن ہی کو باقی رکھنا مناسب سمجھا اور اس کی ایک زیر زبر کو بھی بدلنا گوارا نہ کیا۔ وہ منافقین جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے ایک ہی ایجنڈا ہے کہ دین میں تفرقہ پھیلایا جائے اُن کی رائے میں شیعوں کا ایمان اس قرآن پر نہیں۔ ایسے لوگ تعصب کی آگ سے سوختہ ذہن ہیں۔ اگر شیعوں کا ایمان اس قرآن پر نہ ہوتا تو کوئی دوسرا قرآن اُن کے پاس ہوتا۔ حالانکہ کسی زمانہ میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ جو قرآن شیعہ پریسوں میں شیعوں کی نگرانی میں چھپے ہیں ان کو پڑھ کر بتایا جائے کہ فرق کہاں ہے۔ جب ایسا نہیں تو یہ الزام احمقانہ اور متعصبانہ ہے جس کا مقصد فرقہ بندی کو ہوا دینے کے سوا کچھ نہیں۔

حروف مقطعات

الٓمٓرٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ	نٓ
الٓمٓصٓ	حٰمٓ	یٰسٓ
کٓهٰیٰعٓصٓ	قٓ	ادمٓ

جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ حروف ایک دوسرے سے منقطع اور الگ الگ ہیں اور ان سے کوئی ایسا لفظ نہیں بنتا جو سمجھ میں آسکے۔ قرآن کے حروفِ مقطعات ہمیشہ قرآن کے راز میں شمار ہوتے رہے ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور آئمہ طاہرین کے درمیان راز ہیں جنہیں صرف وہ جان سکتے ہیں یا جسے وہ اس علم کو سمجھنے کے لائق جانیں اسے ان کو سمجھنے کی توفیق اللہ دیتا ہے۔

مفسرین نے ان کی کئی ایک تفاسیر بیان کی ہیں وقت کے ساتھ ساتھ علماء کی جدید تحقیقات سے ان کی تفسیریں سامنے آئیں گی۔

ابھی حال ہی میں ایک مصری عالم نے جو امریکہ کی ایک فوڈ فیکٹری میں ایڈوائزر ہیں قرآن مجید کی کچھ آیات جن کی ابتداء میں حروفِ مقطعات آتے ہیں ان پر کمپیوٹر کی مدد سے تیار کی گئی عجیب وغریب تحقیق کی ہے جس نے دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والوں کو حیران کر دیا ہے ان تحقیقات نے ایک دفعہ پھر اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ یہ عظیم آسمانی کتاب ذہن انسانی کی لکھی ہوئی یا ترتیب دی ہوئی نہیں ہے اور انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس کی مثل پیش کر سکے۔

ڈاکٹر ارشاد خلیفہ جو مصر میں کیمسٹری کے پروفیسر ہیں اور انہوں نے یہ تحقیقات امریکہ کی ریاست میسوری کے شہر Saint luis میں تیار کی ہیں ان کمپیوٹرز کا کرایہ فی سیکنڈ 10 ڈالر تھا جو وہاں کے مسلمانوں کی مدد سے ادا کیا گیا۔ یعنی یہ طے ہو گیا کہ قرآن پر غور وفکر کرنے کے لئے کسی

دینی عالم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ جو بھی خدا کو پہچاننا چاہے اور اس کی کتاب کے دیے ہوئے علم پر تحقیق کرنا چاہے۔ اللہ اس کے لئے اسباب پیدا کر دیتا ہے بقول علامہ اقبال۔

کوئی مخلص ہو تو ہم شان نئی دیتے ہیں
مانگنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

پروفیسر صاحب نے اپنی تمام تر کوششیں اس پیچیدہ حسابات کو سمجھنے پر صرف کی ہیں جن حروف قرآنی کو سورتوں کے ابتداء میں اتارا گیا اور جنہیں ہم حروف مقطعات کہتے ہیں یعنی جس سورۃ کے شروع میں یہ حروف آتے ہیں اس سورۃ کے دیگر حروف سے ان کا نزدیکی تعلق ہے ڈاکٹر ارشاد خلیفہ کا کہنا ہے کہ عربی حروف ابجد کی تعداد 28 ہے اور حروف مقطعات 14 ہیں یعنی یہ اس کا نصف ہیں حروف مقطعات میں آنے والے حروف یہ ہیں۔ ا' ح' ر' س' ص' ط' ع' ق' ک' م' ن' ہ' ی انہیں حروف کو بعض مفسرین نے نورانی حروف بھی کہا ہے۔

ڈاکٹر ارشاد کی تحقیق کی تفصیل جو طالب علم یا قاری پڑھنا چاہیں وہ مصر کے مشہور مجلہ ''آخر ساعۃ'' کو جو ایشیا کے بڑے مجلّوں میں شمار ہوتا ہے' منگوا کر پڑھیں یا تفسیر نمونہ کی جلد نمبر 2 صفحہ 29 سے 33 تک مطالعہ کریں۔ میں یہاں صرف مختصراً وہ نتائج لکھنا چاہوں گی جو انہوں نے اخذ کئے ہیں ڈاکٹر ارشاد کہتے ہیں کہ میں سالہا سال سے جاننا چاہ رہا تھا کہ یہ حروف جو ظاہراً ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں اور سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں ان کے معنی کیا ہیں عظیم مفسرین کی تفسریں اور رائے دیکھی مگر تسلی نہ ہوئی۔ لہٰذا خدا سے مدد مانگی اور مطالعے میں محو ہو گیا اچانک سوچ پیدا ہوئی کہ شاید ان حروف اور جس سورہ کے شروع میں یہ موجود ہیں اس کے حروف کے درمیان کوئی ربط پایا جاتا ہو لیکن 14 نورانی حروف اور 114 سورتوں کے بارے میں تحقیق میں لاکھوں کا حساب بنتا تھا جو کمپیوٹر کے بغیر ممکن نہ تھا اس لئے پہلے مذکورہ 14 حروف کو 114 سورتوں میں علیحدہ علیحدہ کیا گیا اور پھر سورت کے تمام حروف کو ترتیب دے کر کمپیوٹر کے سپرد کیا گیا تا کہ ان کی مدد سے آئندہ حسابات کئے جا سکیں اور اس کام میں پورے دو سال لگے اس کے بعد کمپیوٹر کی

مدد سے مذکورہ حسابات کے لئے پورا ایک سال کام کرتا رہا تو بہت تسلی بخش نتائج برآمد ہوئے اور پہلی مرتبہ تاریخ اسلام میں تعجب انگیز حقائق سے پردہ اٹھا جنہوں نے ہمیں بتایا کہ ان چودہ حروف کی 114 قرآنی سورتوں میں ہر ایک سے کیا نسبت ہے اور اس نسبت نے قرآنی اعجاز کو مکمل طور پر واضح کر دیا مثلاً حساب کے بعد ہم نے دیکھا کہ "ق" جو قرآن کی نورانی حروف میں سے ہے سورۂ فلق میں اس کا سب سے زیادہ حصّہ ہے یہ حصّہ 67.5 فیصد ہے اور یہ نسبت قرآن کی سورتوں میں اول نمبر پر ہے اسی طرح سورۃ قیامہ جس میں ق کی نسبت 29.7 فیصد ہے پھر سورۃ والشمس ہے جس میں یہ نسبت تناسب کے لحاظ سے 39.6 فیصد ہے اسی ترتیب سے قرآن کی تمام 114 سورتیں اپنی اپنی نسبت ان حروف مقطعات سے رکھتی ہیں اور ان Calculations سے جو نتائج سامنے آتے ہیں اس میں سب سے حیران کن پہلو یہ ہے کہ ایک انسان 23 سال کے طویل عرصے میں اپنی گفتگو کے حروف کی تعداد کا اس قدر خیال رکھے اور اس کے باوجود آزادانہ اور بلا تکلف گفتگو کرتا رہے جبکہ ایک عظیم ترین ریاضی دان Mathmatician تک کمپیوٹر کی مدد کے بغیر اس کا حساب کتاب نہیں رکھ سکتا یہ تمام چیزیں نشاندہی کرتی ہیں کہ نہ صرف قرآن کی سورتیں اور آیات بلکہ حروف قرآن بھی ایک خاص نظام اور حساب کے تحت ہیں اور ان Calculations پر صرف خدا ہی قادر ہے۔

یہ تحقیقات نشاندہی کرتی ہیں کہ قرآن مجید میں ایک لفظ بلکہ ایک حرف کی بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ورنہ یقینی طور پر کمپیوٹر کے حسابات قرآن کے یہ نتائج نہ پیش کر سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تحقیقات ابھی ابتدائی مرحلے میں ہیں لہٰذا نقائص سے خالی نہیں۔ اس لئے اس کی صحت کے بارے میں فیصلہ کرنا بہت زیادہ تحقیق کا محتاج ہے جو آئندہ آنے والوں غور و فکر کرنے والوں اور محبت اور عشق خدا میں اس کے علم پر تحقیق کا بیڑہ اٹھانے والوں کے ذمہ ہے۔ مگر ایک نظر ذرا ان حقائق پر ڈال لیں جن پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ رسولؐ خدا اور ان کے وارثان علم ان حروف مقطعات کا علم رکھتے تھے مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ہم نے کسی

تاریخ میں نہیں دیکھا کہ عرب کے جاہل اور مشرکین نے قرآن کی کئی سورتوں کی ابتدا میں موجود ان حروف مقطعات کی وجہ سے رسولؐ پر کوئی اعتراض کیا ہو یا ان کا مذاق اڑایا ہو گویا وہ لوگ بھی ان حروف مقطعات کے وجود کے اسرار و رموز سے بالکل بے خبر نہ تھے بلکہ وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم ان حروف وکلمات کا مجموعہ و نمونہ ہے جن کا استعمال سب کے اختیار میں ہے لیکن وہ جان بوجھ کر اس سے انکار اس لئے کرتے تھے کہ وہ ہدایات ان کے دنیاوی مفادات سے ٹکراتی تھیں۔

عرب کا ادبی دور: یہ بات بھی قابل غور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ برہنہ نیم وحشی بدو جو تمام تر اقتصادی اور سماجی محرومیاں رکھتے تھے اس کے باوجود ان میں ادبی ذوق اور سخن فہمی موجود تھی ان کے بہترین اشعار ادبیاتِ عرب کا سرمایہ ہیں جس کی سب سے بڑی مثال ان کا وہ سالانہ میلہ تھا جو "بازار عکاظ" کے نام سے مشہور تھا یہ ایک ادبی اجتماع کے ساتھ سیاسی اور عدالتی کانفرنس بھی کہلاتی تھی اس بازار میں بڑے بڑے اقتصادی سودے بھی ہوتے اور شعراء اور سخنور اپنی اپنی تخلیقات اس کانفرنس میں پیش کرتے ان میں سے بہترین شعر اور شاعر کا انتخاب بھی ہوتا اور اس منتخب شعر کو "شعر سال" کا اعزاز حاصل ہوتا ان میں سے سات یا دس قصیدے سبعہ یا عشرہ معلقہ کے نام سے مشہور ہیں اس عظیم الشان ادبی مقابلے میں کامیابی شاعر اور اس کے قبیلے کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تصور کی جاتی تھی تو ایسے زمانے میں قرآن نے اپنی مثل لانے کی دعوت انہی لوگوں کو دی اور سب ہی نے اظہارِ عجز کیا اور اس کے سامنے سر جھکا لئے جس کی تشریح سورۃ بقرہ کی 23 ویں آیت سے ملتی ہے جہاں قرآن کے چیلنج اور عرب سخنوروں کے عجز و بیچارگی کا تذکرہ ہے۔ پھر حروف مقطعات کی تفسیر کا زندہ ثبوت امام زین العابدینؑ کی وہ حدیث ہے آپ فرماتے ہیں "قریش اور یہودیوں نے یہ کہہ کر قرآن کی طرف غلط نسبت دی کہ قرآن جادو ہے یہ خود ساختہ ہے اور اسے خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے خدا نے انہیں خبردار کیا اور فرمایا آلم ذلک الکتاب" جو کتاب ہم نے نازل کی وہ انہی حروف مقطعہ (الف ل م) وغیرہ پر مشتمل ہے جو

تمہارے زیرِ استعمال ہیں یعنی یہ وہ حروف ہیں جن سے الفاظ بنا کر تم شاعری کرتے ہو تو ذرا تم انہی الفاظ کو ملا کر اس جیسی ایک سورۃ کیا ایک آیت ہی پیش کر دو۔"

دوسری شہادت امام علی ابن موسیٰ کاظم سے روایت ہے کہ "خدا تعالیٰ نے قرآن کو انہی حروف میں نازل کیا جنہیں تمام اہل عرب بولتے ہیں پھر فرمایا ان سے کہئے کہ اگر تمام جن و انس قرآن کی مثل لانے کے لئے مجمع ہو جائیں تب بھی وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اور سب سے اہم نکتہ جو قرآن کے حروف مقطعہ کے بارے میں اس نظریے کی تائید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں 24 مقامات ایسے ہیں جہاں سورتوں کی ابتداء جب ان حروف سے ہوتی ہے تو بلا فاصلہ قرآن اور اس کی عظمت سے متعلق گفتگو شروع ہو جاتی ہے یہ بات خود نشاندہی کرتی ہے کہ حروف مقطعہ اور قرآن میں ربط موجود ہے۔

کچھ مفسّرین نے ان حروف مقطعہ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا **Abriviation** کہا ہے جیسا **ر** سے رحیم **م** سے مالک اور مُصوّر۔ **الف** سے بھی تمام صفات شروع ہوتی ہیں یعنی ہر صفت سے پہلے لگتا ہے جیسے الرحمٰن، الرحیم، القدوس، السلام، المومن، العزیز، الجبار، القابض، الباسط وغیرہ **الف** سے ہے اللہ قرآن کی عظمت بیان کرنے سے پہلے اپنی صفات بیان کرتا ہے کہ وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے اور یہی اس کی صفات ہیں۔ جو اس کے مقتدر ہونے کا ثبوت ہیں۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے اللہ کے
قرار کے ساتھ اُنہیں (اپنے قبضے میں لیا ہے) اللہ کی
شریعت کے حوالے سے تم ان
سے فائدہ اُٹھانے کے حقدار
بنے ہو۔ (حدیث نبویؐ)

سورۃ نمبر ۱ آیات: ۷

مقام نزول: مکہ

سورۃ الفاتحہ

تعارف: عربی میں فاتحہ کے معنی ہیں ''افتتاح'' یعنی آغاز کرنے والی چیز یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ کلامِ الٰہی کا دیباچہ ہے جسے انگریزی میں Preface یا Paraloge بھی کہتے ہیں۔ کلام الٰہی کی تمام سورہ کے نام ان کے موضوع اور مضمون کے حساب سے رکھے گئے ہیں اسی لئے ایک ایک سورہ کے کئی کئی نام کتابوں میں تفسیر کرنے والوں نے لئے ہیں ان سب ناموں کا من جانب اللہ یا از جانب رسول اللہ ہونا ثابت نہیں ہے۔

تمام سوروں میں سب سے زیادہ نام سورہ حمد کے وارد ہوئے ہیں جو اس سورۃ کی عظمت کی دلیل ہیں۔ اس کو سورۃ الاساس' اُم الکتاب' سورۃ تعلیم' سورۃ الکنز' سورۃ الشافیۃ' سورۃ الکافیۃ اور کچھ علماء اور مفسرین نے اسے سورۃ الصلوٰۃ بھی کہا ہے اس لئے کہ نماز میں پڑھی جاتی ہے مگر اس کا مشہور و معروف نام زیادہ تر سورۃ الفاتحہ یا سورہ حمد لیا جاتا ہے چونکہ یہ الحمد سے شروع ہوتی ہے یعنی ہر ایک تعریف اس اللہ کے لئے ہے۔

موضوع کی تفصیل:

الحمدللہ :

اسے اردو زبان کی کوتاہی سمجھنا چاہئے کہ حمد کے لئے کوئی ہم معنی لفظ جو اس معنی کی خصوصیات کا حامل ہو۔ اب تک نہیں مل سکا ہے اس لئے ''تعریف'' لفظ 'حمد' کا ترجمہ مجبوری کا نتیجہ ہے چونکہ عربی میں تعریف کے لئے ''مدح'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے مگر عربی زبان میں مدح اور حمد میں زمین آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ مدح تو بے جان اور جاندار دونوں تخلیقات کی ہوتی ہے جیسے چاند کی روشنی' پھولوں کی مہک' ستاروں کی چمک' پانی کی روانی' سبزہ کی بہار وغیرہ ان کی

تعریف "مدح" کہلائے گی۔ چونکہ یہ تخلیق ہے بہت ساری تخلیقات کی طرح مگران کو خلق کرنے والا خالق ایک ہی ہے اس لئے لفظ "حمد" الٰہی ذات کے لئے اس کی تعریف کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو یکتا اور واحد ہے اسی لئے "الحمد للہ" کے فوراً بعد "رب العالمین" کہہ دیا گیا یعنی رب کے معنی ہیں وہ جو قائم رہے بقائے دائمی ہمیشہ رہنے والا یعنی اس ذات کی تعریف کی جارہی ہے جو خالق ہے ان تمام بے جان اور جاندار کا جو ختم ہونے والے ہیں۔ سورج ڈوب جاتا ہے' چاند صرف رات کو نمودار ہوتا ہے' ستارے ماند پڑ جاتے ہیں' دریاؤں میں پانی کی روانی ختم ہو جاتی ہے' انسان پیدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے مگر ان تمام مخلوق کا خالق ہمیشہ رہنے والا ہے اس لئے اس کی مخصوص صفت کی وجہ سے اس کے لئے "حمد" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

رب العالمین:

عربی میں اور بھی تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (1) مالک و آقا (2) پرورش' خبر گیری اور نگہبانی کرنے والا (3) حاکم' مدبر' منتظم یعنی Soverigen۔ تو بات صرف اتنی نہیں ہے کہ ایک عام چیز یا انسان کی طرح اس کی تعریف کردی جائے بلکہ ایک بڑی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے جس سے مخلوق پرستی کی بنیاد ہل جاتی ہے جڑیں کٹ جاتی ہیں دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں کوئی حسن' کوئی خوبی' کوئی کمال' کوئی جمال نظر آتا ہے اس کا بنانے والا ایک ہی ہے وہ ساری کائنات کا مالک ہے' حفاظت کرنے والا اور منتظم اعلیٰ ہے۔

الرحمن الرحیم:

رحمان عربی میں ویسے تو مبالغے کا صیغہ ہے مگر اس کے لفظی معنی ہیں "حاجت اور ضرورت کو دیکھ کر دینے والا"۔ مبالغے کا مطلب ہے بڑھا چڑھا کر کسی چیز کو پیش کرنا۔

رحیم:

رحیم کے معنی ہیں عمل کو دیکھ کر دینے والا مگر مبالغے کے معنوں میں جہاں تک تعلق ہے تو خدا

کی نعمتیں' رحمتیں اور عنایتیں اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہیں اس قدر وسیع اور بے قدر و حساب ہیں کہ اس کو بیان کرتے وقت جتنا بھی الفاظ کا خزانہ خالی کیا جائے جی نہیں بھرتا۔ ان نعمتوں کی فروانی کا شکریہ ادا کرنے کا حق پھر بھی ادا نہیں ہو پاتا اس لئے اس جی نہ بھرنے اور تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے رحمٰن کے بعد دوبارہ ''رحیم'' کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی وہ ایسا بے پروا اور بے نیاز ہے کہ عمل خراب ہوں تب بھی نوازتا رہتا ہے ہم ناشکری کریں تب بھی ہاتھ نہیں روکتا' ہم اس کی تعریف نہ کریں' نماز ادا نہ کریں' حقوق العباد ادا نہ کریں مگر وہ نوازتا رہتا ہے کہ شاید کسی دن میرے بندے کو خیال آجائے کہ اس کا رب کون ہے جو اسے وہ نعمتیں بھی دیے جا رہا ہے جس کا وہ اہل نہیں۔

مالکِ یوم الدین:

یعنی روزِ جزا یا سزا کا مالک' یوم احتساب یا اس دن کا مالک جب وہ اپنے بندوں سے ان کے اعمال کا حساب لے گا۔ ''یوم'' سے مراد زمانے کی ایک معین مدت ہے اور لغت کے اعتبار سے دن اور رات دونوں پر مشتمل ہے اور دین کے معنی جزا' حساب' اقتدار اور عدل و انصاف وغیرہ کے ہیں۔ ''مالک'' اسے کہتے ہیں جس کا کسی شے پر قبضہ' اختیار درست اور جائز طریقے سے ہو۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ فقط روزِ قیامت کا مالک ہے اور دنیا کا مالک نہیں ہے۔ رب العالمین کہہ کر وہ دنیا پر اپنی حاکمیت اور مالکیت کا اظہار کر چکا ہے یعنی وہ دنیا اور آخرت دونوں کا مالک ہے لیکن ان دونوں میں فرق ہے کہ دنیا میں اس نے انسانوں کو جو ڈھیل دی ہوئی ہے وہ آخرت میں ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس آیت سے پچھلی آیت میں جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ وہ تمام عالم کا رب ہے اور رحمانیت اور رحیم ہونے میں جب وہ اپنے جمال کا اظہار کرتا ہے تو فوراً ہی ''مالک یوم الدین'' کہہ کر اپنے جلال کا اعلان بھی کر دیتا ہے تاکہ رحمت کی تکرار سے بندے یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ تو رحیم ہے جتنے مرضی گناہ کر لو وہ معاف کر دے گا چونکہ وہ رحیم ہے یعنی اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ چونکہ وہ رحم کرنے والا ہے اس لئے جان بوجھ کر گناہوں میں

اضافہ کرتے چلے جاؤ اور یہ بھول جاؤ کہ حساب ہوگا یقین رکھو کہ حساب ہوگا قیامت کے دن بھی اور اس دنیا میں بھی۔ اس لیے اس دن کے خوف کو بھی نظر میں رکھو جب تمہارے اعمال کی جزا اور سزا دی جائے گی۔

ایَّاکَ نعبُد و ایَّاکَ نستَعین:

یعنی "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

عبادت کی معنی ہیں کسی کے حکم کی تعمیل کرنا' دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت کا تصور پایا جاتا ہے مثلاً بدھ اور ہندو مذہب میں خدا ایک پتھر کا مجسمہ یعنی نظر آنے والا' ظاہری خدا ہے جبکہ دوسرے اہل کتاب مذاہب جیسے عیسائیت' یہودیت وغیرہ میں اُن کے نزدیک بھی خدا ایک ایسی نہ نظر نہ آنے والی طاقت ہے جس نے کچھ انسانوں کو کچھ انسانوں پر فوقیت دی اور پھر سب میں سے ایک کو چن کر اپنا پیغامبر بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اپنی کتاب کے ساتھ اور اس کتاب میں عبادت کے جو طریقے بتائے" وہ عبادت کرنے کے لئے اختیار کر لئے گئے جس طرح عیسائی چرچ میں جا کر عبادت کرتے ہیں مسلمان مسجدوں میں جا کر عبادت کرتے ہیں۔ ہندو پتھر کے مجسموں کے سامنے کھڑے ہو کر جھک کر' سلام کرتے ہیں تعظیم سے ہاتھ جوڑتے ہیں اسی طرح اہل کتاب جس میں عیسائی' یہودی اور مسلمان بھی شامل ہیں وہ ایک ان دیکھے خدا کی اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرتے ہیں یہ عبادت کا ایک ظاہری طریقہ ہے جس سے یہ اظہار کرنا ہوتا ہے کہ کوئی معبود ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ دوسرا طریقہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر یعنی اپنے جسم و روح اور اپنے ہر عمل کے لئے' مکمل طور پر اپنے آپ کو ایک ایسی ہستی کا غلام تصور کرے جس کو وہ پوری کائنات کا مالک سمجھتا ہو اور وہ خود کو اس کائنات کا ایک ذرہ تصور کرتا ہو۔ اس طرح کا کوئی عمل عبادت کے دائرہ سے خارج نہیں ہوگا۔ یہ خالصتاً اسلام کا تصورِ عبادت ہے۔ جس کی روشنی میں "نعبد" ایک ایسا اقرار ہے کہ جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ اس اقرار کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سارے احکامات کے پابند ہیں یعنی ہمارا اور خدا کا رشتہ صرف بندگی اور غلامی کا ہی نہیں بلکہ ہماری ساری طاقت اور ساری نعمتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔

''نعبد'' جمع کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں ''ہم تیری عبادت کرتے ہیں'' جب کہ اللہ یہ بھی حکم دے سکتا تھا کہ ''میں'' تیری عبادت کرتا ہوں یا کرتی ہوں لیکن جمع کو واحد پر ترجیح دی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی عبادت کو وحدانیت نہ سمجھے بلکہ ساری دنیا کی عبادتوں کا ایک حصہ قرار دے تاکہ تکبر اور غرور اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو۔ اس کے دل میں یہ وسوسہ تک نہ آئے کہ صرف میں ہی عبادت کرنے والا ہوں بلکہ یہ بات ذہن میں رہے کہ ساری دنیا کی عبادت کرنے والوں میں سے ایک میں بھی عبادت کرنے والا ہوں۔ اب ساری دنیا کی عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ یعنی صرف انسان ہی اپنے اپنے مذہب اور عقائد کے حساب سے عبادت نہیں کرتے بلکہ اس کی ہر مخلوق' جانور' چرند' پرند' چاند' ستارے' سورج' دریا' سمندر ہر وہ تخلیق جو انسانوں کو فائدہ پہنچاتی ہے' وہ بھی اس کی عبادت کرتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو پوری انسانیت کا نمائندہ قرار دے تاکہ اسلام کی اجتماعی روح باقی رہ سکے۔ نعبد اور نستعین میں جمع کے صیغے یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اس احساسِ اجتماعیت کے تحفظ کے لئے ہیں جس کے لئے نماز میں ''جماعت'' کو پسند کیا گیا اور اکیلے میں بھی نماز کی ادائیگی میں وہ ''ہم'' کا ہی صیغہ استعمال کرتا ہے تو اس وقت وہ تمام انسانیت کا نمائندہ بن جاتا ہے اور جب اللہ سے ''ہم'' کہہ کر مخاطب ہوتا ہے تو اس طرزِ تخاطب میں عظمت کی شان پیدا ہوتی ہے اور بڑے کی بارگاہ میں اپنی خدمت پیش کرتے ہوئے ''میں'' کا لفظ استعمال کرنے سے خود غرضی کا اظہار ہوتا ہے جب کہ ''ہم'' کے استعمال سے انسان یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی ہستی کو کچھ نہیں سمجھتا' اس سے انا اور خود غرضی دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔

وایاک نستعین:

قرآن مجید میں پروردگار کے اسمائے گرامی میں ایک اسم مستعان بھی استعمال ہوا ہے اس کے معنی ہیں: ''وہ جس سے مدد طلب کی جائے'' گویا بندہ کہہ رہا ہے کہ میں نے عبادت کے لئے قدم تو اٹھا دیا ہے۔ اب اس کے حدِ کمال تک پہنچنے میں تجھ سے مدد کا خواستگار ہوں کہ اس عمل میں میرے لئے کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

یعنی تیرے ساتھ ہمارا تعلق صرف عبادت کا ہی نہیں، بلکہ استعانت کا بھی ہے اس لئے ہم تیری مدد سے عبادت کے عمل کو مکمل کر سکتے ہیں صرف تجھ ہی پر بھروسا کرتے ہیں اور اعتماد کرتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں خیال، عمل، برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتا، جو بالکل صحیح ہو جس میں غلط راستے اور اس کے بھیانک انجام کا خطرہ نہ ہو۔

اس بات کو یوں سمجھ لیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسے صرف دوا سے شفا ہوئی ہے تو یہ جملہ عین کفر ہے اس لئے کہ وہ خدا کا منکر ہو گیا اس نے صرف ''دوا'' پر بھروسا کیا اور اس ہی کو اپنی شفا کا سبب سمجھا اور یہی جملہ اگر اس طرح کہا جائے کہ میں نے دوا کھائی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی یعنی اس کی شفا میں ''دوا'' سبب مجازی ہے جبکہ دعا اور اللہ تعالیٰ کی شفا بخشی پر بھروسا سبب حقیقی ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان ہی کو مکمل اختیار ہوتا تو پھر اس کا مدد مانگنا بیکار اور بے معنی ہو جاتا۔ مگر مکمل اختیار چونکہ اللہ کے پاس ہے اس لئے حقیقی مدد بھی اُسی سے مانگی جاتی ہے البتہ وسیلہ اور سبب مجازی ہے۔

اهدنا الصراط المستقیم :

''ہمیں'' سیدھی راہ کی ہدایت دیتا رہ۔

اس آیت مبارکہ میں بھی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یعنی ''میری'' ہدایت نہیں بلکہ ''ہماری'' ہدایت کرتا رہ، ہمیں سیدھے راستے پر رکھ جس کے ذریعے انسان کے اجتماعی شعور کو اجاگر کیا گیا ہے کیونکہ تنہا ایک کی ہدایت ہو اور باقی لوگ گمراہیوں کی تاریکی میں ڈوب چکے ہوں، تو یہ اکیلا چراغِ ہدایت کتنے فاصلے تک اور کب تک روشنی پہنچا سکے گا، لہٰذا جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا تا کہ پورے معاشرے پر یہ دعا محیط ہو جائے۔ یہاں پورے معاشرے سے مراد بھی صرف اس ملک کا معاشرہ نہیں ہے جہاں مسلمان آباد ہیں بلکہ دنیا کا ہر وہ معاشرہ جہاں اچھے انسان بستے ہیں اور جس دن وہ ہدایت پالیں گے تو اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسولؐ کے بعد جو ہدایت کا سلسلہ قائم رکھنے والے رسولؐ کے وارث ہیں چونکہ اللہ کی ہدایت صرف رسولؐ کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہدایت کا سلسلہ قیامت تک رہتی دنیا تک رہے گا، یہی ایک مسلمان کا ایمان ہونا چاہئے۔

رسولؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوا ہے ہدایت کا نہیں۔تو آئندہ جب علم حاصل کرنے کا شوق آپ میں پروان چڑھے گا تو آپ خود جان جائیں گے کہ وہ کون سی ہستیاں ہیں جنہوں نے رسولؐ کے بعد ہدایت کے سلسلے کو قائم رکھا یعنی قرآن کی ہدایات قرآن کے احکامات کو اپنے عمل سے اپنے کردار سے قائم رکھا ہوا ہے۔

دعا کا تعلق ہمیشہ مستقبل سے ہوتا ہے چونکہ جو کچھ ہم نے ماضی میں کیا ہوتا ہے ہمارا حال اس کا نتیجہ ہوتا ہے لہٰذا دعا ماضی یا حال کے لئے نہیں' بلکہ مستقبل کے لئے ہوتی ہے تو جو راہ راست پر نہیں ہے اس کے راہِ راست پر آنے کے لئے اللہ کی ہدایت درکار ہے اور جو راہِ راست پر ہے اس کے لئے یہ دعا ہے کہ وہ اسی راستے پر قائم رہے اس لئے "اھدنا" کی تفسیر یہ ہے کہ ہمیں اس راستے پر جو تیری طرف لے جانے والا راستہ ہے' یعنی جس راستے پر چلنے سے تو خوش ہوتا ہے پروردگار ہمیں صرف آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اس راستے پر چلانا یہاں تک کہ زندگی کی آخری سانس لے رہے ہوں تو اسی راستے پر ہوں۔

نظامِ ہدایت:

ہدایت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ پہلی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھلائی ہے اس کا کلام پڑھنے سے پہلے ابتدا اس سورہ سے ہو رہی ہے تو جو شخص بھی خدا کی سکھلائی ہوئی یہ دعا کرے گا' وہ پہلے سے ہی ہدایت پر قائم ہوگا تبھی تو اسے یہ توفیق ہوگی کہ وہ یہ دعا مانگے تو جب وہ پہلے سے ہی ہدایت پر قائم ہے تو پھر کس کو ہدایت کے پانے کی دعا سکھلائی گئی ہے اسے سمجھنے کے لئے اللہ کے نظام ہدایت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ایک ہدایت تو وہ ہے جو کوئی بھی کتاب یا نبی کے آنے سے پہلے ہی انسان کے اپنے فطری نظام جسم میں موجود ہوتی ہے جسے ہم Natural Order of Biological Functions کہتے ہیں یعنی فطری تقاضوں کی ہدایت' یعنی انسان کے جسم میں جتنے بھی اعضاء ہیں ان میں ہدایت کا ایک In built سلسلہ ہدایت موجود ہے جس کو اللہ نے قرآن کریم میں سورہ طٰہٰ کی اس آیت ۴۹ میں کھول دیا ہے کہ

"قال ...... ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقه ثم هدیٰ"

یعنی اللہ نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی اور اسے ہدایت کی۔ اس ہدایت خداوندی کے تحت دنیا میں آتے ہی شہد کی مکھیاں اپنے چھتے بناتی ہیں' چیونٹیاں اپنی بستیاں آباد کرتی ہیں' مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگتا ہے اور جانوروں اور انسانوں کے بچے اپنے سرچشمہ غذا یعنی اپنی ماں کے جسم سے غذا کو منہ میں لے کر حاصل کرتے ہیں۔

پیدا ہوتے ہی جسم کے اعضاء فطرت کے مطابق کام کرنا شروع کر دیتے ہیں یعنی آنکھ لال رنگ کو لال دیکھتی ہے یہ نہیں کہ کالا یا پیلا دیکھ لے جب ہاتھ پر گرم پانی گرے تو گرم ہی محسوس ہوگا' ٹھنڈا نہیں محسوس ہو سکتا۔ جب میٹھی چیز کھائیں تو وہ میٹھی ہی محسوس ہوگی' کڑوی نہیں محسوس ہو سکتی۔ یہ ان اعضاء کا ذاتی اور فطری کردار یعنی **Natural Order of Biological Functions** ہے انسان کسی سے سیکھتا نہیں بلکہ یہ ہدایت اس میں خالق نے تخلیق کے وقت ہی رکھی ہے یہ **In built** ہے تو یہ فطری ہدایت ہے۔

ارادہ اور ہدایت:

اب یہی اعضاء جب انسانی ارادے کے مطابق عمل کرتے ہیں تو ان کا فطری عمل **Naturral Function** بدل جاتا ہے۔ مثلاً آنکھ غلط چیز بھی دیکھتی ہے اور صحیح چیز بھی۔ اس طرح ہاتھ ظالم کی بھی مدد کرتا ہے اور مظلوم کی بھی۔ اسی طرح زبان حرام بھی چکھتی ہے اور حلال بھی۔ اور یہی زبان جھوٹ بھی بولتی ہے اور سچ بھی' مگر ان اعضاء کے اس استعمال سے پہلے انسان کو یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ اسے کیا دیکھنا ہے کسے چکھنا ہے اور کسے نہیں چکھنا' کیا بولنا ہے اور کیا نہیں بولنا ہے' کیا لکھنا اور کیا نہیں لکھنا ہے' ظلم کرنا ہے یا ظلم نہیں کرنا ہے' ظلم سہنا ہے یا ظلم کا راستہ روکنا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنے کے لئے اس میں ہدایت کا دہرا انتظام رکھا گیا ایک شیطانی ارادہ اور دوسرا رحمانی ارادہ۔ یہیں سے اس کی عقل کا امتحان شروع ہوتا ہے کہ اس کی عقل کس ہدایت کو قبول کرتی

ہے اور وہ اپنے کن ارادوں کو کون سی ہدایت کے تابع رکھتا ہے۔

عقل کی ہدایت:

انسان کو اشرف المخلوقات صرف اس بنیاد پر نہیں کہا گیا کہ وہ انسان ہے بلکہ اس لئے کہ دوسری مخلوق کے مقابلے میں اسے ''عقل کے جوہر'' سے نوازا گیا جو اسے راستوں کی تمیز کرنے کے لئے دی گئی۔ اس بات کو یوں سمجھ لیں کہ جانور، پرندے، جن، بے جان چیزیں اور یہاں تک کہ انسان کو فرشتوں تک سے افضل کیا گیا کیوں؟ حالانکہ فرشتہ ایک ایسا ٹائٹل ہے کہ جب ہم کسی انسان کو بہت نیک اور پاکباز کہنا چاہیں تو کہتے ہیں وہ تو انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ مگر انسان کو فرشتے سے افضل کر کے اسے اشرف المخلوقات کیوں کہا گیا؟ اس لئے کہ انسان کو ''عقل'' دی گئی دو راستے دیئے گئے' خواہشیں دی گئیں اور پھر امتحان میں ڈالا گیا جس نے شیطانی ہدایت کے مطابق اپنی خواہشوں کو پورا کر لیا' جس سے اجتماعی نقصان ہو مگر اسے فائدہ ہو رہا ہو تو سمجھ لیں کہ اس نے عقل استعمال نہیں کی اور عارضی فائدے کو اس فائدے پر ترجیح دی جو اسے آخرت میں ہمیشہ کے لئے ملنے والا ہے اور یہ عمل بتاتا ہے کہ اللہ پر اس کا یقین ڈگمگا گیا اور وہ امتحان میں فیل ہو گیا مگر جس نے عارضی نقصان اور تکلیف کو برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھا اور عقل سے رحمانی ہدایت حاصل کی وہ امتحان میں پاس ہو گیا اور اس فرشتے سے افضل ہو گیا جس کو نہ خواہشیں عطا کی گئی ہیں' اور نہ دو راستے دکھائے گئے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرے۔ اسے تو بس اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت پر مامور کیا ہوا ہے وہ اللہ میاں کے روبوٹ ہیں جنہیں صرف ایک کام تفویض کر دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ مگر انسان کو دین اور دنیا دونوں کے فرائض سونپ کر اسے امتحان میں ڈال دیا گیا اور یہی امتحان جسے وہ اپنی عقل کو استعمال کر کے اللہ کی نظر میں سرخرو ہو سکتا ہے وہ اگر عقل کو استعمال نہ کرے صرف اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے برا راستہ اختیار کر لے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ کی نظر میں گرا لیا۔

اس کی مثال اس طرح لے لیں کہ ایک شخص کچھ لوگوں کا پیسہ اور مال چوری کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے یعنی اس کی عارضی طور پر ضرورت تو پوری ہو گئی مگر اس نے مال کو حاصل کرنے کے لئے ان اعضاء کو استعمال نہیں کیا جو اللہ نے اسے یہ مال جائز طریقے سے حاصل کرنے کے لئے دیئے ہیں یعنی ہاتھ، پیر یا اگر وہ تعلیم بھی رکھتا ہے اور پھر عقل استعمال نہیں کی کہ صحت اور علم کے ذریعے وہ یہ مال کس طرح حاصل کرے یعنی اس نے ہدایت حاصل کرنے کے لئے عقل استعمال نہیں کی بلکہ خواہش کی ہدایت حاصل کی۔ خواہشیں جو کہتی گئیں وہ کرتا چلا گیا۔

ہدایت نبویؐ:

اسی ہدایت کے تحت اللہ نے ساری تاریخ انسانیت کو انبیاء عطا کئے جو انہیں دین کے ساتھ ساتھ دنیا میں رہنے، سونے، اٹھنے، بیٹھنے، اپنا رزق حاصل کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنے کی بشارت اور تعلیم دیتے رہے۔ عبادت الٰہی کی ترغیب اور انسانوں کو خدا سمجھنے، بت پرستی کرنے اور انسانوں کی غلامی کرنے سے منع کرتے رہے۔ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی شریعت سے روشناس کراتے رہے۔

توفیقِ ہدایت:

اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک انسان نماز میں دعا مانگ رہا ہے کہ ''ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما'' تو وہ اگر سیدھے راستے پر نہ ہوتا تو نماز ہی کیوں پڑھتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان پر رحمانی اور شیطانی دونوں طاقتیں اپنا اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہیں۔ شیطانی قوت شکوک و شبہات میں مبتلا کرتی ہے تو رحمانی قوت یقین کی طرف لے جاتی ہے اور اس طرح انسان سیدھے راستے سے بھٹکتا رہتا ہے اور واپس آتا رہتا ہے تو اگر خداوند عالم کی توفیق نہ ہو تو شاید وہ ہمیشہ کے لئے راستے سے بھٹک جائے اور واپس آنا ممکن نہ رہے اس لئے یہ دعا سکھلائی گئی کہ گمراہیوں اور شک کی بنا پر جو سلسلۂ ہدایت ٹوٹتا رہتا ہے تو اس سے بچنے کے لئے ہمیں ایسی توفیق عطا فرما کہ ہم ہدایت پر ثابت قدم رہیں۔

صراط مستقیم:

اھدنا کا مطلب تو آپ نے سمجھ لیا' اب ہدایت کی دعا جس ''صراط مستقیم'' یعنی جس سیدھے راستے پر چلنے کے لئے مانگی جارہی ہے وہ ''سیدھا راستہ کیا ہے'' اس کا لفظی ترجمہ تو یقیناً ''سیدھا راستہ'' ہے مگر سوال یہ ہے کہ سیدھا راستہ ہے کون سا؟

اس آیت میں صراط مستقیم بظاہر چھوٹا سا لفظ سیدھا سادا سا لفظ نظر آتا ہے مگر اس سیدھے راستے کا تعین آج تک نہ ہو سکا جبکہ چودہ سو برس سے زیادہ ہو گئے ہیں اسلام کو آئے ہوئے مگر اس مذہب کے ماننے والوں نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سیرت اور اقوال واحادیث کو اپنے اپنے فائدے اور ذاتی مقاصد کے حوالے سے اتنی زیادہ رواتیوں کے جال میں پھنسادیا یعنی یہاں شیطان اس حد تک زور آزمائی کر چکا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو ایک سوال کی صورت اس شک میں مبتلا کر دیا کہ سیدھا راستہ ہے کون سا؟ رسولِ خدا کی صفات کے بعد اسلامی تاریخ کو سیاسی مقاصد اور ذاتی اغراض کے حوالے سے خود مسلمانوں نے جان بوجھ کر اپنے سیدھے راستے کو غلط راستہ اور غلط راستے کو سیدھا راستہ سمجھا جس کی وجہ سے مسلمان آج تک فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان مختلف اَدوار میں مفکّرین' شعراء اور اسلامی نظریات کو اس کی صحیح روح کے ساتھ سمجھنے والے فلسفیوں اور دانشوروں نے اپنی پوری پوری زندگی صرف اس ''صراط مستقیم'' کی وضاحت میں گزاردی اور علامہ اقبال کے دور تک ہمیں ان کے اس شعر میں جو انتہائی بے بسی نظر آتی ہے وہ اسی دعا کی صورت میں ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر

یعنی جب کوئی بھی صاحب علم و دانش اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو آزمانے کے بعد بھی یہ دیکھتا ہے کہ مسلمان جان بوجھ کر سیدھے راستے کو سمجھنا نہیں چاہتے تو آخر میں وہ اپنے پروردگار

سے یہ دعا مانگ کر انسانی بے بسی کا اظہار کرتا ہے کہ جب تک تو ہدایت نہ دے' لوگ سیدھے راستے کو نہیں سمجھیں گے لہٰذا انہیں ہدایت دے کہ یہ سیدھا راستہ سمجھ سکیں اور اس کیلئے انہیں فرقوں' عقیدوں' گروہ بندیوں سے آزاد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہونا ہوگا۔

صراط الَّذِینَ انعمتَ علیهم ○ غیر المغضوب علیهم وَلا الضآلین ○

یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام نازل کیا نہ کہ وہ جن پر تیرا غضب ہوا جو بھٹکے ہوئے تھے۔

یہ اس سیدھے راستے کی تشریح ہے جس پر چلانے کی اس سے پہلے والی آیت میں دعا مانگی گئی تھی۔ اب "انعمت علیهم" یعنی اس میں نعمت یا انعام سے مراد دنیا کی نعمتیں مال' اقتدار اولاد' شہرت' طاقت نہیں ہے چونکہ یہ عارضی اور دنیاوی نعمتیں ہیں یہ تو کافروں' گمراہوں' فرعونوں اور متکبروں کو بھی ملی ہوئی ہیں اور نظر آ رہی ہوتی ہیں مگر یہاں "انعمت علیهم" کا مقابلہ "مغضوب علیهم" اور پھر ضآلین کے ساتھ کیا جا رہا ہے یعنی بندہ یہ دعا مانگے کہ پروردگار ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تو نے اپنا غضب نازل کیا' اس لئے کہ وہ راستے سے بھٹک گئے تھے بلکہ وہ راستہ دکھا جن پر چلنے والے کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے' اور تو اسی وجہ سے ان پر اپنے انعام اتارتا رہا۔

ان دونوں آیات میں دو جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک وہ جن پر اللہ کا غضب اس لئے نازل ہوا کہ وہ جان بوجھ کر دعوتِ حق کا انکار کرتے رہے۔ اس جماعت سے مراد وہ اہل کتاب بھی ہیں جو کلام مجید کے نزول سے پہلے آنے والی اللہ کی کتابوں اور اللہ کے نبیوں کو ماننے والے تھے ان کی کتابوں میں آخری نبیؐ اور آخری کتاب کا ذکر موجود تھا مگر انہوں نے نہ صرف جان بوجھ کر آخری نبیؐ اور آخری کتاب کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اپنے نبی اور اپنی کتاب کی تعلیمات کو صحیح تسلیم کرنے کی غرض سے خود ہی اپنی کتابوں میں رد و بدل کر لیا کہ دیکھو ہماری کتاب میں تو ایسا کوئی ذکر موجود نہیں کہ کوئی آخری نبی جلد آئیں گے جو کردار اور عمل میں کامل ہوں گے اور ان کے ساتھ جو کتاب آئے گی وہ اللہ تعالیٰ کا آخری آئین ہوگا۔ لہٰذا ایسے لوگ اللہ کے غضب کے مستحق ہوں

گے یعنی یہ منافق ہوں گے۔ اس جماعت کے دوسرے افراد وہ ہوں گے جو بت پرست یعنی کافر ہوں گے وہ کسی کتاب اور کسی نبی کو بھی نہ مانتے ہوں گے لہذا وہ آخری نبی اور آخری کتاب کو بھی نہیں مانیں گے اور اس جماعت یا گروہ جن پر غضب نازل کیا جائے گا دوسرے منافق وہ ہوں گے جو عارضی فائدے کے لئے اسلام اور نبی پر بظاہر زبانی طور پر ایمان تو لے آئیں گے چونکہ وہ جس ریاست کے رہنے والے ہوں گے اس ریاست پر اگر مسلمانوں کی حکومت اقتدار میں آجائے تو وہ حکومت کی طاقت کے خوف سے اور اس لالچ میں کہ ہمیں بھی اقتدار میں اس طرح حصہ مل سکے گا وہ وقتی طور پر اسلام کو مان لیں گے مگر دل سے نہیں اور ان کا کردار اور عمل یہ بتادے گا کہ وہ دل سے نہیں بلکہ صرف عارضی فائدے کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور انہی لوگوں کا یہود و نصاریٰ کے ساتھ اللہ نے اپنی کتاب کی سورۃ المنافقون میں ذکر کیا ہے یہ لوگ منافق ہونگے اور اللہ کے غضب کا شکار ہوں گے۔

اب دوسری جماعت جس پر اللہ اپنا انعام اور نعمتیں نازل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا یعنی انسان کو سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعا میں اپنی خواہش کا اظہار کرے کہ پروردگار وہ راستہ مجھے نہ دکھا جس پر چل کر میں گمراہ ہو جاؤں راستے سے بھٹک جاؤں اور تیرے غضب کا شکار ہوں جیسا کہ اس سے پہلے والے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا بلکہ مجھے اس طریقے پر چلنے کی ہدایت اور توفیق عطا فرما جس پر چل کر میں حق اور سچائی کو پہچان لوں یعنی تیری معرفت حاصل کرلوں اور اس انعام کا مستحق قرار پاؤں جس کا تو نے اس راستے پر چلنے والوں سے وعدہ کیا اور اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا ان لوگوں پر انعام نازل کئے جو تیرے راستے پر چلے۔

خلاصہ:

انسان فطرتاً اسی چیز کے حصول کی دعا کرتا ہے جس کی طلب اور خواہش اس کے دل میں ہوتی ہے اور اسی احساس اور یقین کے ساتھ کرتا ہے کہ جو چیز وہ مانگ رہا ہے وہ اس سے مانگ رہا ہے جس کے اختیار میں وہ چیز ہے۔ یعنی قرآن کی ابتدا میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین

کی گئی ہے کہ وہ اس کتاب کو سیدھے راستے کی جستجو کے لئے پڑھے یہ جان کر کہ علم کا سرچشمہ خداوند عالم کی ذات ہے اسی لئے اس سے رہنمائی کی درخواست سے اس کتاب کو پڑھنے کا آغاز کرے۔

اب اس خلاصے کو سمجھ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید اور سورۃ فاتحہ کے درمیان حقیقی تعلق کتاب اور دیباچہ یا تفسیر کا نہیں بلکہ دعا اور جواب کا سا ہے یعنی ''سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے بندے کی جانب سے اور قرآن اس کا جواب ہے خدا کی جانب سے۔''

لب ولہجہ اور خصوصیت:

اس سورہ میں خداوند نے بندوں کو خدا سے گفتگو کا سلیقہ سکھایا ہے۔ اس بات کو صرف دو جملوں میں طالب علم اس طرح سمجھ لیں کہ بندہ دعا کرتا ہے کہ ''اے پروردگار میری رہنمائی کر'' جواب میں پروردگار پورا قرآن کھول کر اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ ''یہ وہ ہدایت و رہنمائی ہے جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی'' صرف اس سورۃ فاتحہ سے قرآن پاک کا آغاز کرنے سے آپ کو یہ اچھی طرح سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ ''قرآن پاک اور مذہب اسلام کا امتیاز اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ آپ کے دل کو مخاطب کرتا ہے'' یعنی ادھر آپ کے دل نے اللہ کو مخاطب کیا اور فوراً ادھر سے جواب آیا کہ تمہاری خواہش کا جواب حاضر ہے۔

فضیلت:

جابر بن عبداللہ انصاری ایک دفعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا ''کیا تمہیں سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والی سورۃ کی تعلیم دوں۔ جابر نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں مجھے تعلیم دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا سورہ حمد جو ام الکتاب ہے یہ موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے بھی شفا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ خداوندِ عالم نے توریت، انجیل، زبور یہاں تک کہ قرآن پاک میں بھی ایسی کوئی دوسری سورہ نازل نہیں فرمائی۔

سب سے معتبر مفسر ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ہر چیز کی کوئی اساس و بنیاد ہوتی ہے اور

قرآن پاک کی اساس سورۃ فاتحہ ہے۔ دوسری حدیث ہے کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت ایسے ہی ہے جیسے دو تہائی قرآن کی تلاوت کی گئی ہو۔ قرآن کا خلاصہ ایمان اور عمل ہے اور یہ دونوں چیزیں سورۂ حمد میں جمع ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ کے لئے اعزاز:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآنی آیات میں سورۃ حمد کا تعارف آنحضرتؐ کے لئے ایک عظیم انعام کے طور پر کرایا گیا ہے اور اسے پورے قرآن کے مقابلے میں پیش فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے سورہ حجر کی آیت 87 میں کہ ولقد اٰتیناک سبعا من المثانی و القران العظیم ۔ ترجمہ: ''ہم نے آپ کو سات آیتوں پر مشتمل سورۂ حمد عطا کیا جو دو مرتبہ نازل کیا گیا اور قرآن عظیم بھی عنایت فرمایا گیا'' یعنی قرآن مجید اپنی تمام تر عظمت کے باوجود یہاں سورۂ حمد کے برابر قرار پایا۔

شیطان نے چار دفعہ چیخ پکار، رونا دھونا اور فریاد کی ہے۔ پہلا موقع وہ جب اسے خدا نے دربار سے نکالا اور اس پر لعنت کی۔ دوسرا وہ جب اسے بہشت سے زمین کی طرف اتارا گیا، تیسرا وہ جب سرورِ کائنات محمد مصطفیٰؐ کو رسالت کے عہدے پر مبعوث کیا گیا اور چوتھا وہ جب آپؐ پر سورۂ حمد نازل کیا گیا۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبویؐ)

* (چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورہ نمبر ۲ آیات: ۲۸۶

مقام نزول: مدینہ

سورۂ بقرہ

تعارف: بقرہ عربی میں گائے یا بیل کو کہتے ہیں چونکہ اس سورہ میں ایک گائے کے ذبح کا قصہ درج ہے جو کسی اور جگہ قرآن میں نہیں ہے اس لئے اس کا نام علامت کے طور پر سورۂ بقرہ رکھا گیا مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں گائے کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس سورہ میں گائے کا ذکر آیا ہے۔

فضیلت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ "ہر چیز کی ایک بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ اس سورۂ کے فضائل کو سمجھنے کے لئے اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کی کون سی سورہ افضل ہے۔ فرمایا سورۂ بقرہ۔ پھر پوچھا گیا کہ بقرہ میں کیا افضل ہے فرمایا" آیت الکرسی۔ پیغمبر اکرمؐ نے جنگ کے لئے لشکر تیار کیا پھر ایک ایک کو اپنے پاس بلایا اور سوال کیا کہ قرآن میں سے کیا جانتے ہو لوگ جواب دیتے گئے انہی میں سے ایک جوان سامنے آیا جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا اس نے جواب دیا فلاں فلاں سورہ اور خاص طور پر سورۂ بقرہ کو تفصیل سے جانتا ہوں اس کا جو مضمون پوچھیں گے بیان کروں گا۔ آپؐ نے لشکر والوں سے فرمایا اب جاؤ یہ جوان تمہارا امیر ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کی عمر سب سے کم ہے اور اسے آپ نے بزرگوں پر امیر بنا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "یہ جوان سورۂ بقرہ کا عالم ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر یعنی سربراہ ہونے کے لئے عمر کی بزرگی نہیں بلکہ علم کی بزرگی شرط ہے۔

مقام نزول:

اس سورہ کے بیشتر مضامین اور مسائل وہ ہیں جو ہجرت کے بعد مسلمانوں کو درپیش تھے اس

لئے اس کا زیادہ تر حصہ مدنی زندگی کے واقعات اور مسائل سے متعلق ہے اسی لئے وہ آیات جو مکہ میں نازل ہوئیں خصوصاً "سود کی ممانعت" جو معاشیات اسلامی میں سب سے بڑی لعنت قرار دی گئی اسے بھی مضمون کی مناسبت سے اس سورہ میں شامل کر دیا گیا حالانکہ یہ رسول اکرمؐ کی زندگی کے بالکل آخری زمانے میں نازل ہوئی تھیں مگر اس مسئلے کی شدت اور اہمیت کے پیش نظر انہیں اس سورہ میں شامل کیا گیا تا کہ اس سورہ کے باقی مضامین میں یہودیوں کی جن اخلاقی اور سماجی گراوٹ کے مسائل سے معاشرے کو ہر طرح کے خطرات لاحق تھے ان میں سود کی لعنت کو اصل مسئلے کی بنیاد بنایا جا سکے۔

تعارف

سورۂ بقرہ ویسے تو مدنی ہے جو ہجرت کے بعد اور جنگ بدر سے قبل نازل ہوئی مگر اس کی آیت نمبر 281 واتقوا یوما حجتہ الوداع کے موقع پر منیٰ' مکہ میں نازل ہوئی اس سورہ میں 286 آیات ہیں اور یہ کلام مجید کی سب سے بڑی سورہ ہے۔

اس سورہ میں زیادہ تر مضامین ہجرت کے بعد مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل سے متعلق ہیں یہ مسائل معاشی' سماجی' اخلاقی اور دین کی اہم باتوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

موضوع کی تفصیل تاریخی پس منظر کے ساتھ:

اس سورہ کے مضمون اور موضوع کو سمجھنے کے لئے پہلے اس کے تاریخی پس منظر اور ان حالات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے جو آنحضورؐ کو مکہ میں دعوت اسلام کے حوالے سے پیش آئے اور پھر اس حد تک ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں کہ زندگی تک خطرے میں پڑ گئی تو ہجرت کا حکم ہوا۔ یعنی مدینہ میں جو مسائل تھے وہ کن لوگوں کے کھڑے کئے ہوئے تھے اور مکہ میں تنگ کرنے والے کون تھے ان دونوں گروہوں کو دعوت اسلام مختلف طریقے سے دی گئی۔ اس سورہ کا بیشتر حصہ دوسرے گروہ یعنی یہودیوں سے مناظروں اور مقابلوں کے حوالے سے متعلق ہے جبکہ مکہ میں جو گروہ ہے وہ بت پرست ہیں یعنی پہلا گروہ وہ ہے جو سرے سے توحید' کتاب' رسالت'

وحی اور ملائکہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور دوسرا گروہ وہ ہے جو توحید، رسالت اور وحی کا قائل تو تھا اس لئے کہ وہ پہلے سے صاحب نبی اور صاحب کتاب تھے اور اللہ کی تعلیمات کو سمجھتے تھے مگر جان بوجھ کر اس سے روگردانی کرتے تھے اور اپنی کتاب یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت میں جو احکام الٰہی تھے ان احکام سے وہ اس حد تک روگردانی کرتے تھے کہ آہستہ آہستہ انتہائی چالاکی سے انہوں نے اپنی اپنی حکومتوں کے دوران اس آسمانی کتاب میں ہی تحریف وترمیم کرلی تھی تاکہ لوگوں کو یہ بتاسکیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ عین کتاب کے مطابق کر رہے ہیں۔ ان کی عملی زندگی میں بکثرت ایسے رسوم ورواج جگہ پاگئے تھے جو اصل دین میں موجود نہ تھے اور جن کے لئے توریت یا زبور یا بائبل میں کہیں کوئی ثبوت موجود نہ تھا اور خدا کا وہ کلام جو تینوں کتابوں میں لفظاً یا معنی کے اعتبار سے محفوظ تھا' اس کو بھی انہوں نے اپنی من مانی تاویلوں اور اپنے مطلب کی تفسیروں سے مسخ کر رکھا تھا بالکل اسی طرح جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حکومتیں جیسے ہی بدلتی ہیں' ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ آئین اور قانون کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے فائدے کے لیے تبدیل کریں چونکہ انسان کی فطرت تو ازل سے وہی ہے وہ نہیں بدل سکتی اس لئے جب وہ اپنے بنائے ہوئے آئین اور قانون کو بدلتا ہے تو یہاں سے ہی اس کی اوقات کا پتہ چل جاتا ہے مگر جب انسانوں نے خود کو اس حد تک گرالیا کہ وہ اللہ کے کلام میں اپنی مرضی اور فائدے کے لئے ترمیم کرنے لگے اور ایسا ایک بار نہیں تین بار ہوا کہ انسانوں نے انبیاء کے زبانی پیغام کو تو جھٹلایا ہی تھا مگر جب لکھے ہوئے کلام کو بھی بدلنا شروع کیا تو اللہ نے پھر آخری نبیؐ اور آخری کتاب کا اہتمام اس طرح کیا کہ اس کلام کی حفاظت کا وعدہ خود کیا اور کہا کہ اب ہم ایسا مکمل آئین مکمل ضابطہ ایک ایسے نبیؐ کے حوالے سے بھیج رہے ہیں کہ ان کا کردار اور عمل بھی اس کتاب کی مکمل عملی تفسیر ہوگا۔ پہلے اپنے ان نبی آخرالزماںؐ کے کردار اور عمل کو سرزمین عرب کے تمام باشندوں سے تسلیم کروالیا اور 40 برس تک وہ عرب ہمارے رسولؐ کے کردار کی تعریفیں اور انہیں کردار کے اعلیٰ نمونے کے طور پر اس طرح تسلیم کرتے رہے کہ انہیں ''امین اور صادق'' کا لقب دیا گیا۔

اس سورۃ میں جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ زیادہ تر مضامین ہجرت کے بعد مسلمانوں کو

پیش آنے والے مسائل سے متعلق ہیں اور یہ مسائل کھڑے کئے گئے تھے۔ یہودیوں کی جانب سے جو کتاب الٰہی کی زبان، لہجے اور احکام سے واقف تھے جبکہ ہجرت سے قبل جب تک مکہ میں اسلام کی دعوت دی جاتی رہی تو خطاب مشرکین عرب سے تھا جن کے لئے اسلام کی آواز ایک نئی اور غیر مانوس آواز تھی جسے انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا مگر کردار کی صورت میں اس آواز کی مکمل تشریح محمدؐ کی شکل میں ان کے سامنے تھی۔

مقصد نزول:

اب چونکہ ہجرت کے بعد سابقہ یہودیوں سے پیش آیا تھا جن کی بستیاں مدینے سے جڑی ہوئی تھیں اور چونکہ وہ ان تمام تعلیمات کو اس لئے تسلیم کرتے تھے جو اسلام نے قرآن میں دی تھیں وہ قرآن سے پہلے خدا کی طرف سے ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اور اصولاً ان کا دین وہی دینِ ابراہیم تھا جس کی تعلیم ان کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت کے ذریعے دی مگر صدیوں سے وہ اس اصل تعلیم سے دور ہو چکے تھے ان کے عقائد میں بہت سے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ اصل دین سے دور ہٹ گئے تھے۔ دین کی حقیقی روح وہ کتاب سے نکال چکے تھے اور مذہب ان کے لئے محض ایک ڈھانچا تھا۔ جسے وہ سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کے علماء اور مشائخ ان کے قبیلوں اور قوم کے سرداروں کا کردار چونکہ خراب ہو چکا تھا اس لئے عوام بھی اسی راستے پر چل پڑے اور نتیجتاً سب کی اعتقادی اور اخلاقی گراوٹ نے ایک بدترین معاشرے کی صورت اختیار کر لی اور اپنے اس بگاڑ سے اور برے کاموں سے ان کو ایسی محبت ہو گئی تھی کہ وہ کسی اصلاح کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ صدیوں سے ایسا ہوتا چلا آرہا تھا کہ جب بھی کوئی بندۂ خدا انہیں دین کا سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرتا تو وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے۔

یہ لوگ حقیقت میں بگڑے ہوئے ''مسلمان'' تھے جن کے یہاں بدعتوں، ترمیموں، نئی نئی رسوم و رواج، فرقہ بندیوں، خدا فراموشی اور حب مال اور دنیا پرستی کی بنیاد پر اس حد تک اخلاقی اور

سماجی گراوٹ آچکی تھی کہ وہ اپنا اصلی نام ''مسلم'' تک بھول گئے تھے اور محض ''یہودی'' بن کر رہ گئے تھے۔ اللہ کے دین کو انہوں نے محض نسل اسرائیل کی آبائی وراثت سمجھ لیا تھا۔ اس لئے جب نبی کریمؐ مدینہ پہنچے تو اللہ نے اس سورۃ البقرہ کے ذریعے آپ کو پیغام دیا کہ ان بدبختوں کو اصل دین کی طرف آنے کی دعوت دیں چنانچہ سورۃ البقرہ کے ابتدائی پندرہ سولہ رکوع اسی دعوت پر مشتمل ہیں اور ان آیات میں بالکل آئینے کی طرح واضح کیا گیا ہے کہ ایک پیغمبر کی اُمت کے بگاڑ کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ رسمی دینداری کے مقابلے میں حقیقی دین داری کا عمل اور کردار سے کیا تعلق ہے۔

مکہ میں معاملہ صرف اصول دین کی تبلیغ اور دین قبول کرنے والوں کی اخلاقی تربیت تک محدود تھا مگر مدینہ پہنچ کر یہ پیغام ایک نیا موڑ اختیار کرتا ہے یعنی دعوت اسلام صرف ایک نئے مرحلے ہی میں داخل نہیں ہوئی بلکہ اگر مکہ میں رسولؐ چند عزیز واقارب اور اصحاب کے ساتھ چھوٹے گروہ کی صورت تھے، تو مدینے آکر مختلف قبائل کے وہ سب لوگ جو اسلام قبول کر چکے تھے ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہونے لگے اور ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست Isalmic State کی بنیاد ڈالی۔ ریاستی طاقت بذات خود ایک بہت بڑا ہتھیار ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس ریاست کی مدد اس طرح کی کہ اب تمدن، معاشرت، معیشت، قانون اور سیاست سے متعلق بھی اصولی ہدایات دینی شروع کیں اور یہ بتایا کہ اسلامی قانون کی بنیاد پر یہ نیا نظام زندگی کس طرح تعمیر کیا جائے۔ اس لئے سورۃ کے آخری 23 رکوع زیادہ تر انہی ہدایات پر مشتمل ہیں۔

اب جب منتشر مسلمان مدینے میں جمع ہو کر متحد ہو گئے اور انہوں نے ایک چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کر لی تو صورت حال ایک نئے مقابلے کی طرف چلی گئی ایک طرف ایک چھوٹی سی بستی تھی اور دوسری طرف تمام عرب اس کا استحصال کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اس مٹھی بھر جماعت کی کامیابی کا ہی نہیں بلکہ بقا کا انحصار بھی اس بات پر تھا کہ پورے جوش و خروش سے صرف اپنے دین کی تبلیغ ہی نہ کرے بلکہ جن خطرات میں وہ چاروں طرف سے گھر گئے تھے۔ ان میں وہ ہراساں ہونے کے بجائے اپنے کردار اور عمل اور حسن سلوک سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنائے اور اس بات کے لئے ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھے کہ اگر عرب کے لوگ اس نئے اسلامی

نظام کو اگر محبت اور نرمی سے قبول کریں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور مسلح طاقت سے مزاحمت کا مقابلہ کرتے ہوئے اس بات کو اہمیت نہ دیں کہ مخالفین کی تعداد اور مادی طاقت کتنی زیادہ ہے۔

ایک اور بات جو اس سورہ بقرہ میں اہم ہے وہ یہ کہ انبیاء اور مرسلین سے سنی ہوئی باتوں کے مٹے ہوئے آثار یہود میں اس حد تک تھے کہ وہ فرشتوں کا وجود تسلیم تو کرتے تھے اور کچھ بھولے بسرے نام جبرئیلؑ اور میکائیلؑ وغیرہ بھی ان کے ذہن میں تھے مگر جبریلؑ کے ساتھ ان کے یہاں یہ روایت وابستہ ہوگئی تھی کہ یہ امتوں کے لئے صرف عذاب ہی لاتے تھے لہٰذا جب رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ محمد پر وحی جبرئیل لاتے ہیں تو یہودی اس پر بہت چراغ پا ہوئے اور انہوں نے کہا کہ یہ جبریل تو ہمارے پرانے دشمن ہیں اسی لئے وہ ہمارے خلاف اس طرح کی آیتیں لاتے ہیں تو قرآن پاک نے اس سورہ بقرہ میں اس بات کا جواب دیا ہے کہ جبریل تو اللہ کے وہ فرشتے ہیں جو ہر دنیاوی ہوس سے پاک ہیں۔ چونکہ وہ تو حکم الہٰی کے پابند ہوتے ہیں لہٰذا آیت نمبر 97 میں کہا گیا کہ "اے محمد کہہ دیجئے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے تو گویا وہ خدا کے اس کلام کا دشمن ہے جسے اس پاک ذات نے آپؐ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے جو اس کلام کی تصدیق کرتا ہے جو پہلے سے تمہارے پاس آنے والی کتاب یعنی توریت میں موجود تھا اور یہ ہدایت اور خوشخبری ایمان لانے والوں کے لئے ہے لہٰذا یہودیوں کو ان کے اس احمقانہ خیال پر تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اس خیال سے باز رہیں ورنہ جو جبریلؑ کا دشمن ہے گویا وہ اللہ کے کلام کو جھٹلاتا ہے۔ (آیت 98) میں کہا جا رہا ہے کہ "جو دشمن ہو اللہ کا یا اس کے فرشتوں کا یا اس کے پیغمبروں کا یا جبریلؑ یا میکائیلؑ کا تو اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا"۔

سب سے اہم بات اور آنے والے خطرہ سے آگہی:

اب سورہ بقرہ میں ایمان لے آنے والوں کو جو سب سے اہم خبر دی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ دعوت اسلامی کی قبولیت جوں جوں بڑھے گی، ویسے ویسے ہی یہودی علماء جو توریت میں تحریف کیا کرتے تھے ان کا وظیفہ اور تحائف بند ہو جائیں گے اور معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام جو ان کو

حاصل ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا غرض معاشی اور سماجی دونوں طرح کے نقصانات کے اندیشے کے تحت وہ مکہ سے رسولؐ کی آمد کی خبر سنتے ہی چوکنا ہو گئے تھے اور انہوں نے ان ساری پیشنگوئیوں میں تحریف کر دی جن کا تعلق رسول اکرمؐ سے تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے بیان شدہ حلیے کو بھی تبدیل کر ڈالا تھا تو جس آنے والے شدید خطرے کی نشان دہی کی گئی وہ تھا ''منافقین سے خطرہ'' اس گروہ کو سب سے زیادہ خطرناک عنصر کہا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کے نزول کے وقت مختلف قسم کے منافقین کے ظہور کی محض ابتدا تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف محض اشارہ کیا ہے بعد میں جتنی جتنی ان کی صفات اور حرکات نمایاں ہوتی گئیں' اتنی ہی تفصیل کے ساتھ بعد کی صورتوں میں ہر قسم کے منافقین کے متعلق ان کی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ ہدایات بھیجی گئیں۔

منافق کے معنی:۔ Hypocrates

منافق کا مطلب ہے ایسا خطرناک شخص جو بظاہر اپنے وقتی طرز عمل اور کردار سے آپ کا دوست نظر آئے مگر درحقیقت وہ آپ کا بہترین دشمن ہو یا آپ کے دشمن کے لئے کام کر رہا ہو اور دشمن کی دی ہوئی ہدایات کی بنا پر آپ کا وقتی طور پر دوست بن جائے تاکہ آپ کے تمام حالات سے آپ کے ارادوں' آپ کے منصوبوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لے اور پھر آپ کو نقصان پہنچائے ایسے لوگ کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں اسلام میں منافقین کے داخل ہونے کے حوالے سے ان کی نشاندہی گروہوں کے حوالے سے کی گئی ہے کہ یہ کتنی قسم کے گروہ ہیں۔

اگرچہ ان منافقین کی حرکات سے یہ اندازہ تو رسولؐ کو تھا کہ ابتدائی دنوں سے ہی یعنی مکہ میں اسلام پھیلنے کے آخری زمانے میں ہی ان کا پتہ چلنا شروع ہو گیا تھا مگر وہاں صرف اس قسم کے منافق پائے جاتے تھے جو اسلام کے برحق ہونے کے دل سے تو معترف تھے اور زبان سے ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن وہ اسلام کی تبلیغ کے راستے میں آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے' مصائب برداشت کرنے اور اسلام کی خاطر اپنے دنیاوی مفاد کی قربانی دینے کو تیار نہ

تھے۔ اس لئے مدینے پہنچ کر اس قسم کے لوگوں کے علاوہ چند اور قسم کے منافق بھی اسلامی جماعت میں پائے جانے لگے۔

پہلی قسم:

پہلی قسم تو وہی تھی جو مکہ سے ہی ساتھ چلی آرہی تھی، وہ مدینے بھی اس لئے ساتھ آئے تھے کہ وہ مکہ میں موجود منکرین اسلام سے ڈر گئے تھے اور رسولؐ کے ساتھ ہجرت کر کے وہ اپنی جان اور مال کو محفوظ سمجھتے تھے۔

دوسری قسم وہ تھی جو قطعاً اسلام کی دل سے منکر تھی اور محض فتنہ پھیلانے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے جماعت مسلمین میں داخل ہوئی تھی۔

تیسری قسم وہ تھی جو اسلامی ریاست قائم ہو جانے کے سبب اقتدار میں شامل ہونے اور مفادات حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی اپنا شمار کرائیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام سے بھی رابطہ رکھیں تاکہ دونوں طرف کے فائدوں سے لطف اندوز ہو سکیں اور دونوں طرف کے خطرات سے بھی محفوظ رہیں۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان میں تھے یعنی انہیں اسلام کے کامل اور برحق ہونے پر شک و شبہ رہتا تھا مگر چونکہ ان کے خاندان یا قبیلے کے بیشتر لوگ اسلام لا چکے تھے اس لئے یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ قبیلے اور خاندان سے کٹ کے نہیں رہنا چاہتے تھے۔

پانچویں قسم اسی طرح کے لوگوں کی تھی جو پہلی قسم میں بھی بیان کی گئی ہے یعنی وہ رسولؐ کے کردار اور اسلام کے امر حق ہونے کی حیثیت سے تو دل سے قائل ہو گئے تھے مگر جاہلیت کے طور طریقوں اور رسم و رواج کو چھوڑنے اور اخلاقی پابندیوں کو قبول کرنے اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کو تیار نہ تھے۔

سورہ نمبر ۳ آیات: ۲۰۰

مقام نزول: مدینہ

سورۃ آل عمران

تعارف: آل عربی زبان میں رشتہ داروں کو کہتے ہیں اور آل عمران سے مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ننھیال ہے چونکہ بی بی مریمؑ کے والد کا نام عمران تھا تو یہاں حضرت عیسیٰؑ کی والدہ بی بی مریم بنت عمران اور ان کے تمام رشتہ داروں سے مراد نہیں بلکہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی ننھیال اور پچھلے انبیاء کی امتوں کے حوالے سے خاص طور پر آل عمران کی بے راہ روی اور ان کے مذہبی اور اخلاقی زوال کا عبرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ ان امتوں کے نقش قدم پر مت چلو اور اسی علامت کے طور پر اس سورۃ کا نام ''آل عمران'' رکھا گیا ہے۔

تاریخی پس منظر:

اس صورت کا تاریخی پس منظر بتانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس سورۃ کے خاص مضامین ہیں دو بڑی جنگیں جو کافروں کے ساتھ ہوئیں یعنی ''جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح'' کے اسباب اور جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب۔ بی بی مریمؑ کے یہاں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت وغیرہ کے حالات' حضرت عیسیٰؑ کے معجزات پھر حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا' دین ابراہیمؑ کی تشریح' خانہ کعبہ کا امتیاز اور مقام ابراہیم اور سب سے بڑا ابتدائی حصہ 10 آیات پر مشتمل ہے یعنی آیہ مباہلہ تک۔ یہ حصہ اس مقابلے اور مذہبی بحثوں سے متعلق ہے جو یہود و نصاریٰ کے قبیلہ نجران کے لوگ مذہب اسلام کی تحقیق کے حوالے سے حضورؐ سے کرتے تھے اور آخر کار یہ بحث و مباحثہ یہاں پر آ کر اسلام کی جیت اور حقانیت کا سبب بنا۔ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ مباہلہ مقابلے کو کہتے ہیں اس مباہلہ میں جس کی تفصیل آخر میں آئے گی یہودیوں کو اپنی

کتابوں میں موجود پیش گوئیوں کی تصدیق ہوگئی اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔

جس طرح سورۃ بقرہ میں اس دین حق پر ایمان لانے والوں کو جن آزمائشوں اور مشکلات سے قبل از وقت آگاہ کردیا گیا تھا' وہ اپنی پوری شدت کے ساتھ پیش آچکی تھیں اور پہلی مسلح مزاحمت کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس میں اگرچہ اہلِ ایمان کو فتح حاصل ہوئی تھی مگر یہ جنگ گویا الارم تھا' پہلے مسلح مقابلے نے عرب کی ان تمام طاقتوں کو چونکا دیا تھا جو اس نئی تحریک اسلام سے عداوت رکھتی تھیں اور مدینے کی یہ چھوٹی سی بستی جو اپنے ایمان اور کردار کے باعث فتح یاب ہوئی اور اس نے گرد و پیش کی ساری دنیا سے لڑائی مول لے لی تو ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ایک دائمی خوف اور بے اطمینانی بھی طاری ہوگئی۔ ان حالات کا مدینے کے معاشی حالات پر بھی نہایت برا اثر پڑ رہا تھا۔ مدینے میں مکہ کے مہاجروں کے آجانے سے پہلے ہی اس چھوٹی سی بستی کا معاشی توازن بگڑ چکا تھا۔ اس پر مزید بوجھ جنگ کی وجہ سے نازل ہوا اور آنحضرتؐ نے اطراف مدینہ کے ساتھ جو معاہدے کئے تھے' انہوں نے ان معاہدوں کا کوئی پاس نہ کیا' معاہدے توڑ دیے اور جنگ بدر کے موقع پر اہلِ کتاب یہودیوں اور نصاریٰ کی ہمدردیاں توحید و نبوت اور کتاب کے ماننے والوں مسلمانوں کے بجائے بت پرست مشرکین کے ساتھ ہوگئیں جب یہودیوں اور مشرکین کی سازشیں اور شرارتیں حد سے بڑھیں تو آنحضرتؐ نے بدر کے چند ماہ بعد ہی اس قبیلے پر جس کا نام بنی قینقاع تھا اور جو سب سے زیادہ شیطان تھا' اس پر حملہ کردیا اور انہیں اطراف مدینہ سے نکال باہر کیا' لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ اس سے دوسرے یہودیوں کی دشمنی اور بڑھ گئی انہوں نے مدینے کے منافق اور حجاز کے مشرک قبیلوں کے ساتھ ساز باز کرکے اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر طرف خطرات ہی خطرات پیدا کردیے۔

بدر کی شکست کے بعد قریش کے دلوں میں جو آگ بھڑک رہی تھی' اس پر مزید تیل یہودیوں نے چھڑکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی سال میں مکے سے تین ہزار کا لشکر مدینے پر حملہ آور ہوا اور احد کے دامن میں وہ لڑائی پیش آئی جو جنگ احد کے نام سے مشہور ہے' اس جنگ کے

لئے نبیؐ کے ساتھ ایک ہزار آدمی مدینے سے باہر نکلے تھے مگر راستے میں سے تین سو منافق یکا یک الگ ہو کر مدینے کی طرف پلٹ گئے اور جو سات سو آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے ان میں بھی اصحاب کی شکل میں منافقین کی ایک چھوٹی سی پارٹی شامل رہی جس نے جنگ کے دوران بھی مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ پہلا موقع تھا جب سورۂ بقرہ میں آئی آیتوں اور ہدایت کی تصدیق ہوگئی کہ مسلمانوں کے اپنے گھر میں اتنے کثیر تعداد میں آستین کے سانپ موجود ہیں اور وہ اس طرح باہر کے دشمنوں کے ساتھ مل کر خود اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو جو شکست ہوئی اس میں اگر چہ منافقین کی تدبیروں اور سازشوں کا ایک بڑا حصہ تھا لیکن اس کے ساتھ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا حصہ بھی کم نہ تھا اور یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ایک خاص طرز فکر اور نظام اخلاق پر جو جماعت ابھی تازہ تازہ ہی بنی تھی جس کی اخلاقی تربیت ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور جسے دین کی حمایت میں لڑنے کا یہ دوسرا ہی موقع پیش آیا تھا اس کے کام میں بعض کمزوریوں کی وجہ سے آئندہ کی حکمت عملی طے کرنے میں آنحضرتؐ اور ان کے سچے اور محب اسلام اقربا کو جو سب سے بڑی دقت پیش آ رہی تھی۔ وہ یہی تھی کہ منافقین کا عنصر جو سب سے خطرناک عنصر ہے اس سے نمٹنے کے لئے اگلی قرآنی آیات و ہدایت کا انتظار ہو رہا تھا اس لئے کہ جنگ احد میں منافقین کی مدد سے جو کامیابی یہودیوں اور عیسائیوں کو حاصل ہوئی اس نے ان میں یہ حوصلہ بھی پیدا کر دیا کہ وہ نبوت اور قرآن کو جھٹلا سکیں انہوں نے معاہدے پہلے ہی توڑ دیئے تھے اور جزیہ دینا بند کر دیا تھا۔

اب آنحضرتؐ کے پاس یہودی اور عیسائی آ کر کہتے تھے کہ ہم آپ کو نبی نہیں مانتے نہ اس کتاب کو یہ سب (نعوذ باللہ) جھوٹ ہے اب یہاں یہ ضروری تھا کہ عیسائیوں کو یہودیوں کی چال سے آگاہ کیا جائے تو اس سورۃ آل عمران کی 59 ویں آیت میں وہی بات دوبارہ اتری جو پہلے انجیل میں آ چکی تھی؛ جب لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے

تھے۔ نصاریٰ انہیں خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہودی تو آپ کی نسبت بیہودہ بدگمانی کرتے تھے تو خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کی مثال دیکر دونوں کی تشفی کر دی۔ یہود کی اس طرح کہ آدم کو بے ماں باپ کے فقط مٹی سے بنایا تو عیسیٰؑ کو صرف ماں سے پیدا کرنا اس خدا کے لئے کیا تعجب کی بات ہے اور یہ قدرت کا کرشمہ ہی تو ہے جو اسے قادر مطلق ظاہر کرتا ہے اور نصاریٰ کی تسلی اس طرح کہ اگر عیسیٰؑ کا بے باپ پیدا ہونا' خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو آدم کے ماں باپ دونوں نہ تھے پھر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا ہونا چاہیے تھا مگر ایسا تو نہیں ہوا اور پھر آیت نمبر 60 میں کہہ دیا کہ اب بتاؤ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں یہود کیا کہیں گے اور عیسائی کیا کہیں گے۔ لہٰذا تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ حکم ہے کہ تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اور پھر آیت نمبر 61 میں اب اس مسئلے کا روحانی حل بتایا گیا ہے جسے آیہ مباہلہ کہا جاتا ہے جس میں قبیلہ نجران کے نصاریٰ کو علمی دلائل دینے کیلئے مقابلے کی دعوت دی گئی کہ "اے رسولؐ اب جو شخص اس بارے میں آپ سے بحث کرے تو کہہ دیجئے کہ اچھا پھر آؤ! ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو پھر التجا کریں اور اللہ کی لعنت قرار دیں جھوٹوں پر۔" (آیت نمبر 61)

نصاریٰ اس مقابلے پر اس لئے تیار ہو گئے کہ ان کی کتاب میں اس مقابلے کی پیشن گوئی موجود تھی کہ "اگر تم نے پروردگار کے احکامات کو بالکل اسی طرح نہ مانا جس طرح تمہاری کتاب میں ہے یا سے بدلنے کی کوشش کی تو ہم پھر اپنی نشانیاں بھیجیں گے جن سے تمہارا مقابلہ ہوگا اور تم اس مقابلے میں میرا ایسا نور دیکھو گے کہ میرے کلام کو جھٹلا نہ سکو گے"۔ لہٰذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ جس مقابلے کی دعوت مسلمانوں کے رسول دے رہے ہیں اس کا ذکر ہماری بائبل میں موجود ہے کہ رسولؐ کے ساتھ ایک ایسا نور ہوگا کہ تم ان کو دیکھ کر ایمان لے آؤ گے۔ یہودیوں نے کہا کہ ہاں مگر رسولؐ تو اس مقابلے کیلئے کچھ اور بات کر رہے ہیں وہ تو کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے بیٹوں کو لے آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لے آئیں' تم اپنی عورتوں کو لے آؤ ہم اپنی عورتوں کو لے آئیں؛

تم اپنے نفسوں کو لے آؤ ہم اپنے نفسوں کو لے آئیں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ رسولؐ کے یہاں تو کوئی بیٹا ہی نہیں ہے پھر رسولؐ کس کو ہمارے مقابلے پر لائیں گے۔ چلو عورتیں تو ان کے گھر میں کئی بیویوں کی صورت میں ہو سکتی ہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ مسلمان گھروں کی عورتیں ساتھ لے آئیں اور نفسوں میں بھی ان کے کچھ جان نثار ساتھی ہو سکتے ہیں اور پھر ان کی دعا قبول ہو جائے ان کے ساتھیوں کی اکثریت تو ہمارے ایجنٹ کے طور پر ان مسلمانوں کے ساتھ ہیں جن کی وجہ سے جنگ احد میں ہم نے انہیں شکست دی وہ چہرے کتنے نورانی ہیں ہم اس سے باخبر ہیں لہٰذا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں تو ایسے کرتے ہیں کہ رسولؐ کے اس مقابلے کی دعوت قبول کر لیتے ہیں اور ان سے کچھ وقت مانگ لیتے ہیں۔ اس وقت میں ایک تو ہم ان جان نثاروں کو خریدنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو رسولؐ اپنے نفسوں میں لانا چاہتے ہیں اور ان ہی کے ذریعے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ آخر وہ کون سی عورتیں ہیں جنہیں رسولؐ ہماری عورتوں کے مقابلے میں لانا چاہتے ہیں تو پھر عورت کو بہکانا تو کوئی مشکل ہی نہیں اور تیسرا سب سے بڑا جھوٹ (نعوذ باللہ) رسولؐ کا اسی وقت کھل جائے گا جب وہ مسلمانوں میں سے کسی کے بیٹوں کو اپنا بیٹا کہیں گے تو ہم اسی وقت ان کو مقابلے کے پہلے وار میں ہی ناکام کر دیں گے کہ آپ کا تو کوئی بیٹا ہی نہیں ہم دوسروں کی اولادوں کو آپ کا بیٹا نہیں مان سکتے۔ اس ساری حکمت عملی کو ذہن میں رکھ کر یہود و نصاریٰ نے اس مباہلہ کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنی منصوبہ بندی کے مطابق اپنے ایجنٹ جو مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے ان کی ڈیوٹی لگا دی کہ پتہ کرو کہ رسولؐ کن کن لوگوں کو کس حیثیت سے اس مقابلے میں ہمارے سامنے لا رہے ہیں۔ منافقین نے مقابلے کے دن تک یہ جاننے اور اپنے طور پر تیاری کرنے میں یہ سارا وقت صرف کیا کہ جب رسولؐ ہم سے بات کریں گے کہ تم اپنے بیٹے ایک دن کے لئے مجھے دے دو یا تم کو میں اپنے نفوس کے طور پر لے جاؤں گا یا یہ کہ رسولؐ کن خواتین کو اپنی عورتوں کے طور پر ساتھ لے کر جائیں گے مگر مقابلے کے وقت تک انہیں یہ جاننے میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کہ کون کس حیثیت سے ساتھ جا رہا ہے۔ وقت جوں جوں قریب آ رہا تھا لوگوں کے

دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی آخر کار لوگوں نے دیکھا کہ رسولؐ گھر سے نکلے ساتھ میں دو بچوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ آپ کے نواسوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے اور ان کے پیچھے دائیں اور بائیں جانب آپ کی بیٹی بی بی فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے اپنے صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کو حکم دیا کہ ایک کمبل اور کچھ لکڑیاں لے کر فلاں میدان میں ایک سائبان تیار کرو ہم مباہلہ کے وقت تک وہاں پہنچ جائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان لوگوں کو لے کر مباہلہ کے لئے پہنچے تو ان کو دیکھتے ہی منافقین کے چہرے اتر گئے مگر یہودیوں کے سب سے بڑے سردار عاقب نے چیخ کر کہا خدا کی قسم میں ایسے نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ کو حکم دیں تو اس وقت پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اگر انہوں نے ہم پر اللہ کی لعنت کی تو نجران سے نصاریٰ کا ایک آدمی بھی انسان کی صورت میں باقی نہ رہے گا اس لئے ان سے مقابلہ نہ کرنا اور وہ مباہلے سے پیچھے ہٹ گئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔

آیت نمبر 152 سے 172 تک جس چیز کو نمایاں کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ غزوۂ احد میں جب تک مسلمان حضور اکرمؐ کے تابع رہے فتح حاصل کرتے رہے اور جونہی ان کے حکم سے بے اعتنائی برتی اور میدان جنگ چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف بڑھے تو اللہ پاک نے فتح کو شکست سے بدل دیا اور جن لوگوں نے اس جنگ میں زخم کھانے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانا بجائے خوف کے ان کے ایمان میں تازگی آ گئی اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے وہ بہترین کارساز ہے۔ اس ایمانی جذبے کی وجہ سے وہ پھر کامیاب ہوئے اور اس کے فضل سے خوش خوش واپس آئے ان کے لئے اللہ نے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا۔ ۲۱

سورۃ نمبر ۴ آیات: ۱۷۶

مقام نزول: مدینہ

سورۃ النساء

تعارف: اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر طبقۂ خواتین سے متعلق احکامات بیان ہوئے ہیں اور چونکہ قرآن نے اس طبقہ کی اہمیت یعنی ایک طرف عورت کی حرمت اور دوسری طرف اس کا فساد' ایک طرف عظمت اور دوسری طرف اس کی کمزوریوں سے متعلق مکمل بحث کی ہے اور کوئی سورۃ ایسی نہیں جس میں صرف مردوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہو کہ تم کوئی اہم چیز ہو بلکہ پورے کلام مجید میں ہر سورۃ میں ہر احکام قرآنی میں انسانوں' مسلمانوں اور اے اہل ایمان کہہ کر عورت مرد کے فرق کو مٹا دیا گیا ہے اسی لئے کوئی سورۃ ایسی نہیں جو صرف مردوں کے نام سے موسوم ہوئی ہو مگر اس ایک سورۃ کو مستقل طور پر عورتوں کی نسبت دے کر اس نام سے موسوم کر دیا گیا اور اس کو عورتوں کی سورۃ کہا جاتا ہے ''یعنی سورۃ النساء''۔

مضامین:

اس سورۃ کے خاص مضامین

(1) تعداد ازواج (2) وراثت' ترکہ' جائیداد کی تقسیم (3) زنا کار مرد و عورت کی سزا (4) عورتوں سے رشتوں کی حرمت (5) عورت اور مرد میں تبادلی حقوق (6) مرد کی فضیلت اور ذمہ داریاں (7) متعہ اور نکاح (8) پاکیزگی اور غسل کی اہمیت (9) نکاح اور متعہ کو عیاشی کا ذریعہ سمجھنے کی ممانعت۔

موضوع:

جنگ احد جس میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے تھے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں اس جنگ کے بعد بہت سے گھروں میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ شہداء کی میراث کس طرح تقسیم کی

جائے اور جو یتیم بچے اور بیوائیں انہوں نے چھوڑی ہیں ان کے مفادات کا تحفظ کیسے ہو؟

اسلامی سوسائٹی کی تنظیم کے لئے سورہ بقرہ میں جو ہدایات دی گئی تھیں' اب اس سوسائٹی کو ان سے زائد ہدایات کی ضرورت تھی' اس لئے سورہ النساء میں زیادہ تر احکامات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خاندان کی تنظیم' معاشرے میں اخلاقی توازن قائم رکھنے کے لئے عورت اور مرد کے تعلقات کی حد بندی اور مرد کے لئے ایک ہی وقت میں ایک سے زائد نکاح کرنے کا جواز اور زائد نکاح یا متعہ کو ذاتی مفاد یا عیاشی سمجھنے' یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور تقسیم وراثت کا ضابطہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ معاشی حالات ابتری کا شکار نہ ہوں' اور ان کی بدحالی کے سبب لوگ حرام حلال کی تمیز نہ کھو بیٹھیں' خانگی جھگڑوں کی اصلاح کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ تعزیری قانون کی بنیاد ڈالی گئی ہے' شراب نوشی پر پابندی عائد کی گئی ہے' طہارت اور پاکیزگی کے احکام دیئے گئے ہیں۔ جنگ احد کی شکست نے مشرک قبائل' یہودی ہمسایوں اور منافق مسلمانوں کی ہمتیں بہت بڑھا دی تھیں اور سب سے خطرناک عنصر جس نے بے چینی' بدامنی اور غیر یقینی کی کیفیت پیدا کی تھی وہ عنصر تھا پروپیگنڈہ لفظ انگریزی کا ضرور ہے مگر دراصل یہ صحیح معنوں میں اس کیفیت کا احاطہ کرتا ہے جب دشمن افواہ کو اس یقین اور موثر طریقے سے پھیلاتا ہے کہ اس پر سچ کا گمان ہوتا ہے۔ اس سورہ میں مسلمانوں کو جنگی حکمت عملی میں پروپیگنڈے کو بے اثر کرنے کا راست طریقہ بتایا گیا کہ ذمہ دار لوگوں تک ہر خبر تحقیق کے بعد پہنچائی جائے اور جب تک اس خبر پر شک ہو' تب تک اس کی تبلیغ یا اشاعت کو روکا جائے۔ بیوہ عورت' مطلقہ اور کنیزوں یا جنگ کے بعد مال غنیمت میں آنے والی عورتوں سے حسن سلوک کی کیا صورت ہونی چاہئے اس موضوع پر اس سورہ میں بہت تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔

سورہ نمبر ۵ آیات: ۱۲۰

مقام نزول: مدینہ

سورۃ المائدہ

تعارف: اس سورہ کو آسمان سے اترنے والے دستر خوان کی سورۃ کہا جاتا ہے اور اس کا یہ نام حضرت عیسیٰؑ پر مائدہ آسمانی اترنے کی بنیاد پر ہوا ہے جس کا ذکر صرف اس سورۃ میں ہے اور کسی میں نہیں۔

اس سورۃ میں جو اہم مضامین ہیں ان میں ان معاہدوں کی پابندی جو دو قوموں یا دو انسانوں کے درمیان اس کی اہمیت، دشمنوں یعنی دشمن قوموں کے ساتھ بھی انصاف کی تاکید، داخلہ فلسطین کی مہم میں قوم کا مامور کیا جانا، واقعہ ہابیل و قابیل قتلِ ناحق اور اس کا انجام، وسیلہ کا حکم، نکاح دائمی میں اسلام کی شرط اور اہل کتاب عورتوں سے نکاح اور متعہ کی اجازت اور حضرت عیسیٰؑ کا نصاریٰ کے غلط عقائد سے علیحدگی اختیار کرنا وغیرہ ہیں اور وضو، تیمم، سور کے گوشت کو حرام قرار دیا جانا، قسم توڑنے کا کفارہ، شراب اور جوئے کو قطعی حرام کر دیا اور قانونِ شہادت کو بھی تفصیل سے یعنی گواہ اور گواہی کا قانون بھی بہت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

سورۃ آلِ عمران اور سورۃ النساء کے زمانۂ نزول میں اس سورۃ کے نزول تک پہنچتے پہنچتے حالات میں بہت نمایاں تبدیلیاں واقع ہو چکی تھیں یا تو وہ وقت تھا کہ جنگ احد تک مسلمانوں کو ہر طرف خطرات ہی خطرات نظر آتے تھے اور یا یہ وقت آ گیا کہ عرب میں اسلام ایک ناقابل شکست طاقت نظر آنے لگی۔ اسلامی ریاستیں پھیلتی جا رہی تھیں اور مدینے کے چاروں طرف ڈیڑھ سو میل تک تمام مخالف قبائل کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ مدینہ پر جو یہودی خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا، اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور حجاز میں جہاں جہاں دوسرے مقامات پر بھی یہودی آباد تھے، وہ

سب مدینہ کی حکومت کے ماتحت آ گئے۔ اب اسلام محض ایک عقیدہ یا مذہب نہیں تھا جس کی حکمرانی صرف دلوں اور دماغوں پر ہو بلکہ وہ ایک ریاست State بن چکا تھا اور اب مسلمان اس طاقت کے مالک بن چکے تھے کہ جس مسلک پر وہ ایمان لائے تھے۔ بلا روک ٹوک اس کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور اس کے سوا کسی دوسرے عقیدہ و مسلک کو اپنے معاملات میں داخل نہ ہونے دیں۔

اس ریاستی طاقت State Power کے حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں کی اپنی ایک امتیازی شان بھی اس صورت سے قائم ہوگئی کہ ہر اسلامی ریاست میں مساجد اور نماز باجماعت کا نظم قائم ہوگیا تھا۔ ہر بستی اور ہر قبیلے میں مساجد کے امام مقرر ہو گئے تھے اور اسلامی قوانین کے مطابق عدالتیں قائم ہوگئی تھیں جن میں قاضی مقرر کر دیے گئے تھے۔ لین دین، خرید و فروخت کے پرانے معاملات ختم کر کے نئے اصلاح شدہ طریقے رائج کیے جا چکے تھے۔ وراثت، نکاح، طلاق، پردہ شرعی، زنا و قذف کی سزائیں جاری ہونے سے مسلمانوں کی سماجی، اخلاقی اور معاشی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل گئی تھی۔ مسلمانوں کی تہذیب، اٹھنے بیٹھنے کے آداب، رہن سہن کے طریقے تک اپنی ایک ٹھوس اور مستقل شکل اختیار کر چکے تھے جس کے باعث غیر مسلم دنیا اب اس طرف سے قطعی مایوس ہو چکی تھی کہ یہ لوگ جن کا اپنا ایک الگ تمدن بن چکا ہے، وہ پھر کبھی ان سے آ ملیں گے۔

تاریخی پس منظر:

صلح حدیبیہ سے پہلے تک مسلمانوں کے راستے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ یہ تھی کہ وہ کفار قریش کے ساتھ ایک مسلسل جنگ میں الجھے ہوئے تھے اور انہیں اسلام کی دعوت کا دائرہ وسیع کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اس رکاوٹ کو صلح حدیبیہ کی مسلمانوں کی ظاہری شکست اور حقیقی فتح نے کافی حد تک دور کر دیا اور اس سے نہ صرف یہ کہ انہیں اپنی ریاست کی حدود میں امن میسر آ گیا بلکہ اتنی مہلت بھی مل گئی کہ گرد و پیش کے علاقوں میں اسلام کی دعوت کو لے کر پھیل جائیں اور اس کام کا آغاز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران، روم، مصر اور عرب کے بادشاہوں اور رئیسوں کو

خطوط لکھ کر کیا اور اس کے ساتھ ہی قبیلوں اور قوموں میں مسلمانوں کے مُبلغ خدا کے بندوں کو اس کے دین کی طرف بلانے کے لئے پھیل گئے اور انہی حالات میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی۔ المائدہ دراصل ''معاہدے'' سے ماخوذ ہے۔

مسلمانوں کو نصیحت:

اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ کی شکل اختیار کر چکے تھے ان کے ہاتھ میں طاقت تھی اور طاقت کا نشہ ہی دراصل گمراہی کا سبب بنتا ہے اب یہاں طاقت بھی علامت کے طور پر دیکھی جائے تو طاقت کی معنی میں استعمال ہوتی ہے یعنی دولت کی طاقت' زمین جائیداد کی طاقت' اللہ کی دی ہوئی جسمانی خوبصورتی' ظاہری حسن کی طاقت اور غرور۔ ان سب کے مقابلے میں اسلام ''علم کی طاقت'' حاصل کرنے پر زور دے رہا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے کہ ''اِقرا بسم ربک الذی'' یعنی ''علم حاصل کرو'' وہ تمہیں اصلی طاقت کا راز بتائے گا۔ سورۃ المائدہ انہی امور کے بارے میں نصیحت ہے کہ اب مظلومی کا دور خاتمے پر ہے مگر اس سے زیادہ سخت آزمائش کے دور میں وہ قدم رکھ رہے ہیں یعنی ''حکمرانی کی طاقت'' یہاں اسلام عیش و عشرت کا نہیں بلکہ امتحان اور آزمائش کا دور کہہ رہا ہے اسی لئے انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ ''عدل و امامت'' کو قائم کریں اپنے پچھلے پیش روؤں اور اہلِ کتاب کی روش سے بچیں اور اپنے حاکم اپنے امیر منتخب کرتے وقت ان کے کردار کو معیارِ انتخاب بنائیں۔ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے احکام کی پیروی کا جو عہد انہوں نے کیا ہے' اس پر ثابت قدم رہیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح اس عہد کو توڑ کر اس انجام سے دوچار نہ ہوں جس سے یہود و نصاریٰ گزرے ہیں اپنے فیصلوں میں کتابِ الٰہی کے پابند رہیں اور سب سے بڑے فساد یعنی منافقت سے بچیں۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو تنبیہ:

اب چونکہ یہودیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا اور شمالی عرب کی تقریباً تمام یہودی بستیاں

مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئی تھیں اس موقع پر ان کو ایک بار پھر ان کے غلط رویے پر تنبیہ کی گئی ہے اور انہیں راہ راست پر آنے کی دعوت دی گئی ہے اور چونکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے عرب اور اس سے متصل ممالک قوموں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع نکل آیا ہے اس لئے عیسائیوں کو بھی تفصیل سے خطاب کر کے ان کے غلط عقائد کی غلطیاں بتائی گئی ہیں اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے اور انہیں بائبل کی پیشن گوئیاں بتائی گئی ہیں جس میں انہوں نے ترمیم کر دی تھیں۔

معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا معیاد کی تعین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ زیادہ مبنی بر انصاف ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲:۲۸۲)

تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جو اللہ سے فریاد کرتے ہیں مگر ان کی زیادہ سنی نہیں جاتی اُن میں ایک وہ شخص ہے جو کسی کو اپنا قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے۔

(حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۶ آیات: ۱۶۵

مقامِ نزول: مکہ

سورۃ الانعام

مکمل مکی سورۃ...... چوپایوں کے ذکر والی سورۃ

تعارف: یہ مکمل طور پر مکی سورۃ ہے یعنی بالکل تبلیغ اسلام کے شروع کا دور جب یہ بتایا گیا کہ جس دین کی تبلیغ کے لئے اسلام آیا ہے۔ یہ وہی دینِ ابراہیم ہے جس کی پہلے سارے انبیاء تبلیغ کرتے رہے پھر تین انبیاء حضرت داؤدؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے زبانی میں بلکہ کتابوں میں لکھے ہوئے احکامات تم تک پہنچائے مگر تم نے ہر تبلیغ اور ہر لکھے ہوئے لفظوں کو یا مٹا ڈالا یا ان میں تحریف کی۔ مگر یہ قرآن کریم اب قیامت تک کے لئے ہے اس میں جو آ گیا وہ تم مٹا نہ سکو گے اس لئے کہ ہم نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اور یہ دین ابراہیم یعنی اسلام توحید کو منوا کر رہے گا۔

اس سورۃ میں حرام و حلال جانوروں کا نمایاں طور پر ذکر ہے اس لئے یہ سورۃ اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی وحدانیت اور اسلام کی طرف بلاتے ہوئے بارہ برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور اہل مکہ یعنی زیادہ تر قریش کی مزاحمت اور ظلم و ستم اور جفائیں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں اور اسلام قبول کرنے والے ان کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر ملک چھوڑ کر جا چکے ہیں اور ان میں زیادہ تر حبش میں مقیم ہو گئے تھے۔

تاریخی پس منظر

مکہ جہاں سے تبلیغ اسلام کا دورِ اوّل شروع ہوتا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل مکہ جو اسلام آنے سے پہلے تو محمد ﷺ کے اتنے گرویدہ ہیں کہ ان کو صادق اور امین کا لقب دیتے ہیں یعنی اللہ کی حکمت عملی دیکھئے کہ پہلے چالیس برس تک رسولؐ کا کردار عرب کے لوگوں پر واضح کیا ہے تاکہ کل جب وہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے لگیں تو کوئی ایک عربی بھی اٹھ کر یہ نہ کہہ سکے کہ محمدؐ

(نعوذ باللہ) تم جھوٹ بول رہے ہو اور پھر رسولؐ پر اعتبار کا حال یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ شروع ہونے سے پہلے ہی آغاز بعثت سے اعلان نبوت تک پھر دوسرا دور اعلان نبوت سے لے کر ظلم وستم اور فتنہ و فساد کے آغاز تک اور پھر تیسرا دور وہ ہے جب حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تک بھی قریش مکہ کسی پر اعتبار نہیں کرتے تھے اور اپنی امانتیں رسولؐ ہی کے پاس رکھواتے ہیں تو آخر ایسی کون سی بات ہو گئی وہ کون سی آیتیں نازل ہوئیں جن سے قریش مکہ کے ذاتی اور بہت اہم مفادات پر ضرب پڑتی ہے کہ وہ ظلم وستم میں اضافہ کر دیتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں پھر سورۃ الھمزہ کے ان مضامین پر غور کرنا پڑے گا جہاں پروردگار ھمزۃ لمزۃ الذی جمعا مالہ اخلدہ کہہ کر مال جمع کرنے اور اسے چند ہاتھوں میں ہی گردش کرتے رہنے کی ممانعت کرتا ہے۔

وہ مفادات کیا تھے؟

قبل از اسلام مشرکین بت پرستی کی جس لعنت میں مبتلا تھے وہ تو تھے ہی مگر المیہ یہ تھا کہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے انکی توقیر اور عزت ان کے دلوں میں کیا تھی؟ مثلاً وہ سفر پر جاتے وقت حلوے کے بت بنا لیتے تھے اور راستے میں جب بھوک لگتی تھی تو انہی کو توڑ کر کھا لیا کرتے تھے۔ اس لئے جب اسلام آیا اور بت پرستی کے بجائے توحید کی دعوت دی گئی اور جو لوگ اسلام لاتے گئے انہیں محمدؐ کی بات پر اس لئے یقین تھا کہ انہوں نے کبھی ان کو جھوٹ بولتے نہ دیکھا تھا مگر وہ عرب جن کو یہ ڈر تھا کہ اب اگر ہم محمدؐ کی بات پر یقین نہ کریں تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور پھر ہم اپنی امانتیں کس کے پاس رکھوائیں گے؟ اس لئے کہ چوری، دھوکا اور جھوٹ اس قدر عام تھا کہ وہ ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے تھے محمدؐ ان کے واحد امین تھے۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ کیا ہوا ہم کون سا ان بتوں کو نہیں مانیں گے تو ہماری دولت ہم سے چھن جائے گی یعنی وہ اپنے خداؤں یعنی بتوں کی جو عزت دل میں رکھتے تھے وہ تو آپ نے جان ہی لی تو انہوں نے سوچا کہ نہ سہی ایسے سارے خدا (بت) محمدؐ کہہ ہی کیا رہے ہیں صرف یہی نہ کہ ایک خدا کو مان لو تو کیا ہوا ہم جب لمبے

سفر پر جاتے ہیں تو پوجا کے بعد جو حلوے کے بت کھاتے جاتے ہیں تو آخر میں ایک ہی بت رہ جاتا ہے یا کبھی کبھی ایک بھی نہیں رہتا۔ کم از کم محمدؐ تو ایک ایسی ان دیکھی طاقت کی یعنی ایک ایسے خدا کی بات کر رہے ہیں جو ہر وقت ہر حال میں ہمارے قریب رہتا ہے تو مان لو کیا حرج ہے اور کچھ قبائلی سرداروں نے اپنی امانتوں کے محفوظ رہنے کے خیال سے محمدؐ کی بات مان لی مگر اصل تکلیف ان مسلمان ہو جانے والے قبائلی سرداروں کو اور کچھ وہ جو تذبذب میں پڑے ہوئے تھے کہ ''توحید'' کا اقرار کریں یا نہ کریں، وہ سب اس وقت چونکے جب سورۃ ھمزۃ لمزۃ للذی جمعا مالہ و اخلدہ کی آیت آئی اور ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے مال جمع کر کے نہ رکھیں بلکہ اس کو پھیلا دیں، تقسیم کر دیں۔ اب تقسیم کرنے سے مراد یہ نہیں تھی کہ وہ اپنے پیسے لوگوں میں بانٹ دیں بلکہ بات یہ تھی کہ اس پیسے کو صرف چند ہاتھوں میں جمع کر کے وہ اس پیسے کو ضائع کر رہے ہیں اسے تجارت میں لگائیں، صنعتیں اور کارخانے لگائیں، زمین پر اناج اگانے کے لئے استعمال کریں تا کہ عام آدمی تک اس کی رسائی ہو، وہ کام کریں اور بیروزگاری اور غلامی کی زندگی سے نجات حاصل کریں۔

آج پندرہ سو برس بعد بھی قرآن کریم کی یہ آیت اپنی پوری سچائی کے ساتھ ہمارے معاشی نظام کا سب سے بہترین نسخہ ہے یعنی ارتکاز دولت **Circulation of Money** کا قانون روپے کی گردش۔ جس کے نتیجے میں لوگ پرائیویٹ سیکٹر میں کارخانے لگاتے ہیں، صنعتیں لگاتے ہیں یا زمینوں میں کھیتی باڑی ہوتی ہے اور جو خود یہ استطاعت نہیں رکھتے وہ اپنے سرمائے کو حکومت کی بچت اسکیموں میں لگاتے ہیں اور ایک مخصوص رقم حاصل کرتے ہیں اور حکومت ان کے سرمائے سے تجارت کرتی ہے اور اس طرح دولت چند ہاتھوں میں جمع ہونے کے بجائے پھیلتی ہے۔ لوگ اس گردش سے اپنا روزگار حاصل کرتے ہیں تو یہ ہمارا کلام مجید ہی ہے۔ جس نے سب سے پہلے معاشی نظام کی بہتری کی یہ ترکیب بتائی مگر وہ عرب سردار جو چاہتے تھے کہ صرف وہ تو دولت مند رہیں مگر باقی لوگ ان کی غلامی کریں، وہ کھانے، پینے، رہنے، سہنے کے لئے ان کے محتاج ہوں۔ لہٰذا اس سے پہلے آنے والی ''سورۃ ھمزہ'' کی ان آیات نے انہیں ایک خوف میں مبتلا کر دیا کہ اب محمدؐ آہستہ آہستہ ہمیں ایک ایسے نظام کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جس سے ہماری تھانیداری ختم

ہو جائے گی کوئی ہمارا محتاج نہیں رہے گا کوئی ہماری غلامی نہیں کرے گا تو اگر ہم نے آج محمدؐ کی یہ بات بھی مان لی تو پتہ نہیں آگے اور کون سا منشور آ رہا ہے جو ہم سے سب کچھ چھین لے گا لہذا انہوں نے سختی سے اب اسلام اور مسلمانوں کے آئین کو کچلنے کا منصوبہ بنایا اور ابھی چونکہ انہیں بظاہر یہ نظر آ رہا تھا کہ اسلام ایک کمزور سی تحریک ہے جس کی پشت پر کوئی مادی طاقت نہیں۔ جس تحریک کا لیڈر اپنے خاندان کے کچھ افراد یعنی حضرت ابوطالبؑ، بی بی خدیجہؑ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے کم سن کے سوا بہت کم ایسے جاں نثار اصحاب رکھتا ہے۔ لہذا ان مٹھی بھر بے بس انسانوں کو منتشر کرنا اور اکھاڑ کر پھینکنا ابھی تو آسان ہے اگر یہ تحریک زور پکڑ گئی تو پھر انہیں روکنا مشکل ہو گا۔ لہذا اسلامی دعوت کا دوسرا دور اسی کشمکش میں گزر گیا مگر تیسرا دور جب نہ حضرت ابوطالب علیہ السلام زندہ ہیں اور نہ بی بی خدیجہؑ جو آپ کی تحریک کے سب سے دو بڑے اہم ستون ہیں اور اس تیسرے دور میں رسولؐ بہت ملول رہتے ہیں خصوصاً بی بی خدیجہؑ کی وفات کے سال کو ''عام الحزن'' قرار دیتے ہیں تو ان حالات میں یہ خطبہ سورۃ الانعام کی صورت میں نازل ہوتا ہے جس میں رسول کو طویل جدوجہد کے بعد دعوت کے مکمل نتائج نہ آنے پر اور عام مسلمانوں میں جو اضطراب اور دل شکستگی پیدا ہو گئی ہے اس کیفیت پر تسلی دی گئی ہے اس لئے اس سورۃ کے خاص مضامین کی تفصیل یہ ہے۔

موضوع کی تفصیل:

(1) جاہلیت کے ان تمام توہمات کی تردید جن میں لوگ مبتلا تھے۔

(2) شرک سے پرہیز اور عقیدہ توحید کی دعوت۔

(3) حضرت ابراہیمؑ اور ان کے والد تارخ اور پالنے والے باپ آزر کا قصہ جو بت بناتے تھے۔

(4) عقیدہ آخرت کی تبلیغ اور اس غلط خیال کی اصلاح کہ زندگی جو کچھ ہے بس اسی دنیا کی زندگی ہے۔

(5) ان اخلاقی اور سماجی اصولوں کی تلقین جن پر اسلام سوسائٹی کی تعمیر چاہتا تھا۔

(6) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ کی دعوت اسلام کے خلاف لوگوں کے اعتراضات

کے جوابات۔ جو سب سے اہم بات جس کی بنا پر یہ سورۃ چوپایوں کی سورہ کہلاتی ہے وہ یہ ہے۔

اس سورہ کی آیت 105 میں کہا گیا ہے کہ تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہارا وہ ظلم کیا ہے جس پر قائم رہتے ہوئے بھی تم اللہ سے فلاح کی امید رکھتے ہو؟ وہ ظلم یہ ہے کہ اس بات کے تم خود ہی قائل ہو کہ زمین اللہ کی ہے اور کھیتیاں وہی اگاتا ہے نیز ان جانوروں اور ان مویشیوں کو جو تمہارے کھیتوں میں موجود ہیں جن سے تم اپنی زندگی میں خدمت کا کام لیتے ہو لیکن تصور تمہارا یہ ہے کہ اللہ کا یہ فضل تم پر ان دیویوں اور دیوتاؤں اور فرشتوں اور جنات آسمانی کی ارواح کے طفیل و برکت سے ہے۔ اسی لئے تم اپنے کھیتوں کی پیداوار اور اپنے جانوروں میں سے دو حصے نکالتے ہو ایک حصہ اللہ کے نام کا اور اس شکریہ میں کہ اس نے یہ کھیت اور جانور بخشے اور دوسرا حصہ اپنے قبیلے یا خاندان کے سرپرست معبودوں کی نذر و نیاز کا تا کہ ان کی مہربانیاں شامل حال رہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ان کے اسی ظلم پر گرفت فرماتا ہے کہ یہ سب ہمارے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں اور ہمارے ہی عطا کردہ ہیں ان میں یہ دوسروں کی نذر و نیاز کیسی؟ یہ نمک حرامی کیسی کہ تم اپنے محسن کے احسان کو دوسروں کی مداخلت اور ان کے توسط کا نتیجہ قرار دیتے ہو اور اپنے شریکوں کو ہمارا شریک ٹھہراتے ہو۔

آخری اہم بات جس کی سورۃ میں مذمت کی گئی ہے وہ قتلِ اولاد کی تین صورتیں ہیں جو اہلِ عرب میں رائج تھیں جن میں سے پہلے لڑکیوں کا قتل اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے یا قبائلی لڑائیوں میں وہ دشمنوں کے ہاتھ نہ پڑیں یا کسی اور وجہ سے وہ ان کے لئے وجہ بدنامی نہ بنیں۔ حوالہ (آیت نمبر 107 اور آیت نمبر 108)

بچوں کا قتل اس خیال سے کہ ان کی پرورش کا بوجھ نہ اٹھایا جا سکے اور ذرائع معاش کی کمی کے سبب سے وہ ناقابلِ برداشت بوجھ بن جائیں۔

بچوں کو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے بھینٹ چڑھانا۔

سورہ نمبر ۷

آیات: ۲۰۶
بعض کے نزدیک ۲۰۵
مقام نزول: مکہ
صرف ایک آیت مدینہ میں نازل ہوئی

سورۃ الاعراف

اس سورۃ میں اعراف کا ذکر خصوصیت کے ساتھ موجود ہے اس لئے اس سورۃ کا نام اعراف ہے۔

تعارف: اس کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ بھی تقریباً وہی ہے جو سورۃ انعام کا ہے اور مضامین بھی کم و بیش وہی ہیں یعنی اعراف کا ذکر بھی جس طرح سورۃ انعام میں حضرت ابراہیمؑ ان کے والد آذر اور تارخ اور حضرت عیسیٰؑ کے قصے ہیں اسی طرح اس میں حضرت آدمؑ سے ابلیس کی وسوسہ انگیز گفتگو، حضرت آدمؑ وحوا کے جسموں سے لباس بہشت کا جدا ہونا، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا تفصیلی تذکرہ، حضرت موسیٰؑ کے معجزات۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کا مرکزی نکتہ ہے تو وہی سورہ انعام والا ہے یعنی "دعوت رسالت" مگر ساری گفتگو میں اب دعوت دینے کا انداز بدل گیا ہے اور پیار و محبت سے ڈراہٹ کر تنبیہ اور Warning یعنی ڈرانے کا رنگ زیادہ نمایاں ہے یعنی جو لوگ اس سورہ کے مخاطب ہیں وہ اہل مکہ جن میں مشرکین اور اہلِ کتاب دونوں شامل ہیں۔ انہیں سمجھاتے سمجھاتے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اور ان کی ہٹ دھرمی اور مخالفتیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ پیغمبر کو حکم دیا جارہا ہے کہ اب تفہیمی انداز کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی بتادو کہ جو روش تم نے اپنے پیغمبرؐ کے مقابلے میں اختیار کر رکھی ہے تم سے پہلے کی قومیں اپنے پیغمبروںؑ کے ساتھ وہ رویہ اختیار کر کے بہت برے انجام سے دوچار ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اب بھی اگر تم اپنے منافقانہ رویوں پر قائم رہے اور حق و باطل کی تمیز سے واقف ہونے کے بعد بھی تم نے راہِ راست پر آنے کی کوشش نہ کی تو پھر اب نہ تو کوئی اور کتاب آنے والی ہے اور نہ ہی کوئی پیغمبر۔ اس لئے خدا تمہیں Warning دیتا ہے کہ تم اب بھی ضد پر قائم رہے تو عذاب

الٰہی تم سے نزدیک اور اللہ کی رحمت دور ہوتی چلی جائے گی۔

اسی طرح رسولؐ اور آپؐ کے ساتھ دعوت تبلیغ میں شامل اہلِ ایمان سے کہا گیا ہے کہ مخالفین کی اشتعال انگیزیوں کے مقابلے میں صبر وضبط سے کام لیں' قرآن پاک کو چیخ چیخ کر نہیں بلکہ خشوع وخضوع سے دل میں اترنے والے لب ولہجہ سے پڑھو جذبات میں آ کر کوئی ایسا قدم مت اٹھاؤ جو اسلام کے اصلی مقصد کو نقصان پہنچانے والا ہو۔

خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگدست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لئے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ انکی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ (سورۃ البقرہ ۲:۲۷۳)

سورہ نمبر ۸

سورۃ الانفال

آیات: ۷۵
مقامِ نزول: مکہ

تعارف: انفال کے معنی ''اموالِ غنیمت کے ہیں'' یہ سورہ چونکہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کا بیشتر حصہ چونکہ ان مسائل سے متعلق ہے جو غزوہ بدر کی فتح کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کی اس بحث سے ہے جس پر مسلمان باہم باتیں کر رہے تھے کہ جنہوں نے لوٹا تھا' وہ چاہتے تھے کہ وہ اکیلے قابض ہوں' دوسروں نے چاہا کہ برابر تقسیم ہو مگر خداوند عالم نے اس موقع پر اس سورہ کے ذریعے یہ حکم اتارا کہ اموالِ غنیمت پر خدا اور رسولؐ کے سوا کسی کا اختیار نہیں۔

موضوع کی تفصیل:

یہ سورۃ شروع ہوتی ہے اس تمہید سے کہ

یسئلونک عن الانفال ط قل الانفال للہ والرسول ج فاتقوا اللہ و اصلحو ذات بینکم ص و اطیعو اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین ٥

ترجمہ: رسول تم سے لوگ انفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟ کہو'' یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہیں پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات درست کرو اور اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ آیت نمبر 11۔

یعنی کسی جنگ میں فتح حاصل ہونے کے بعد اللہ جل شانہ اس پر تبصرہ کر رہا ہے مگر اس تجزیے اور تبصرے سے قطعاً مختلف ہے جو دنیا کے بادشاہ اپنی فوج کی فتح یابی کے بعد کیا کرتے ہیں۔ اب یہ تبصرہ دیکھیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ان خامیوں کی نشاندہی کر رہا ہے جو اخلاقی حیثیت سے ابھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ آئندہ وہ اپنی اخلاقی حالت کی درستی کے لئے کوششیں کریں اس لئے اس میں جنگ بدر کا پس منظر بھی بتایا گیا ہے۔ ہجرت کے موقع پر حفاظت

رسولؐ کے لئے خداوندی تدابیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر میدان جنگ سے فرار ہونے والوں کے لئے دوزخ کا اشارہ کیا جارہا ہے مسلمانوں کو اس فتح میں تائید الٰہی کا بہت بڑا حصہ اس لئے بتایا گیا ہے تاکہ وہ اپنی جرأت پر غرور وفخر کے بجائے خدا پر توکل اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازمی سمجھیں اور اس جنگ میں جو منافقین، یہود اور مشرکین فتح کے بعد قید ہو کر آئے ہیں یعنی جنگی قیدیوں کے بارے میں بہت سبق آموز انداز میں بتایا گیا ہے کہ جنگ کی اخلاقیات کیا ہیں اور قیدی جو بے بس اور مجبور ہوتا ہے اس سے فاتح فریق کو کیسے پیش آنا چاہئے۔ خصوصاً دشمن کے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں سے کیسا سلوک کرنا چاہئے۔

اب سب سے پہلے انسانی نفسیات کے جس سب سے اہم پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے جنگ میں فتح کے بعد دشمن سے حاصل کئے ہوئے ''مال غنیمت'' پر آپس میں اس کی تقسیم پر اٹھنے والے تنازعات پر جس طرح بحث کی گئی ہے، وہ اہل ایمان کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے اور ان کے لئے بھی جو منافق تھے مگر خود کو اہل ایمان میں شامل سمجھتے تھے۔

چونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کو پہلی مرتبہ پرچم اسلام کے نیچے لڑنے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے ان کو کچھ معلوم نہ تھا کہ جنگ کی اخلاقیات کیا ہوتی ہیں۔ اس جنگ میں انہیں ''تہذیب جنگ'' کی بنیاد بھی رکھنی تھی۔ بہت سے تمدنی معاملات کی طرح مسلمان ابھی تک جنگ کے معاملے میں پرانی جاہلیت کے دور کے تصورات لئے ہوئے تھے اس وجہ سے بدر کی لڑائی میں کفار کی شکست کے بعد جن لوگوں نے جو کچھ مال غنیمت لوٹا تھا، وہ عرب کے پرانے طریقے کے مطابق اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھ بیٹھے تھے لیکن ایک دوسرا فریق جس نے غنیمت کی طرف رخ کرنے کے بجائے کفار کا تعاقب کیا تھا اس بات کا دعویٰ کرنے لگا کہ اس مال میں ہمارا برابر کا حصہ ہے کیونکہ اگر ہم دشمن کا پیچھا کر کے اسے دور تک بھگا نہ دیتے اور تمہاری طرح مال غنیمت پر ٹوٹ پڑتے تو ممکن تھا کہ دشمن پھر پلٹ کر حملہ کر دیتا اور یہ فتح، شکست سے بدل جاتی اور ایک تیسرا فریق بھی رسول کی حفاظت کر رہا تھا اس نے بھی دعویٰ کر دیا کہ سب سے بڑھ کر خدمت تو اس

جنگ میں ہم نے انجام دی ہے اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اپنی جانوں کا حصار نہ بنائے رہتے اور آپ کو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو فتح کب نصیب ہو سکتی تھی اور کب کوئی مال غنیمت ہاتھ آتا اور اس کی تقسیم کا سوال اٹھتا۔ مگر عملاً جس فریق کے قبضے میں مالِ غنیمت تھا اس کی ملکیت کسی ثبوت کی محتاج نہ تھی اور وہ کسی فریق کی کوئی دلیل ماننے کو تیار نہ تھا اس لئے اس صورت حال نے تلخی کی صورت اختیار کر لی اور زبانوں سے دلوں تک رنجشیں پھیلنے لگیں اور یہی وہ موقع تھا جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال نازل کرنے کے لئے منتخب کیا۔ جنگ کے حوالے سے یہ بہت بڑی انتظامی اصلاح تھی۔ اس سے پہلے یہ طریقہ رائج تھا کہ جنگ میں جیتے ہوئے فریق میں جس کے ہاتھ جو لگتا وہی اس کا مالک قرار پاتا یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار اس پر قابض ہو جاتا اور اکثر فتح یاب فوجوں کے درمیان اموالِ غنیمت پر سخت فساد برپا ہوتا اور کئی دفعہ ان کی آپس کی یہ جنگ فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا اور وہ مالِ غنیمت کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ قرآن کریم نے انفال کو اللہ کا مال کہہ کر اور رسولؐ کا مال قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کیا کہ تمام مالِ غنیمت لا کر اس کو امام کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک چھپا کر نہ رکھی جائے۔ پھر آگے چل کر اس مال کی تقسیم کا یہ قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے لئے حکومت کے خزانے میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ اس طرح وہ دونوں برائیاں دور ہو گئیں جو جاہلیت کے دور میں رائج تھیں۔

جنگ کے سلسلے میں یہ ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح تھی کہ مسلمانوں کی جنگ صرف دنیا کے مادی فائدے بٹورنے کے لئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے اخلاقی، تمدنی بگاڑ کو اصولِ حق کے مطابق درست کرنے کے لئے ہے یعنی اللہ نے صرف اس قصے کو اتنی سی بات کہہ کر ختم نہیں کر دیا کہ انفال صرف اللہ اور رسولؐ کے ہیں تقسیم کے مسئلے کو ابھی نہیں چھیڑا گیا' پہلے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروائی گئی پھر چند رکوع کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔

آیت نمبر 9 | آیات: ۱۲۹
مقام نزول: مدینہ

سورۃ التوبہ

اعلان بیزاری کی سورۃ

تعارف: اس سورہ کا نام حدیثوں میں ''سورۃ البراۃ'' ہی ہے جو سورہ کی پہلے لفظ براۃ من اللہ و رسولہ کے مطابق ہے حالانکہ ''توبہ'' کا ذکر اس سلسلے میں تیسری آیت میں بالکل ضمنی طور پر ہے یعنی صرف یہ کہا گیا ہے کہ ''**فان تبتم فھو خیر لکم** اگر توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کے فوراً ہی بعد اس کے مقابل بڑے سخت انداز میں کہا گیا ہے کہ ''**وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ**'' اور اگر روگردانی کرلو تو جان لو کہ تم اللہ کو بے بس نہیں بنا سکتے۔

اس سے ظاہر ہے کہ بنیادی رخ ان آیات میں تنبیہ اور سرزنش ہی کا ہے ایسی صورت میں توبہ کے ذکر کو اتنا اہم بنانا کہ سورہ کا نام بھی یہی ہو سمجھ میں نہیں آتا اور مفسرین کی اکثریت نے جن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی سرفہرست ہیں انہوں نے اپنی تفسیر میں اس بات پر خاص زور دیا کہ براۃ کے لفظ کے ساتھ چونکہ اعلانِ تبرا یعنی لعنت بھیجی گئی ہے مشرکین اور منافقین پر جس سے ایک ناگواری کا احساس اس وقت کے مسلمانوں کے اکثریتی طبقے کے ذہن میں پیدا ہورہا تھا۔ اس احساس کو دور کرنے کے لئے سورہ البراۃ کے نام کے بجائے جو غضب الٰہی کا ترجمان ہے اس کا نام سورہ التوبہ کردیا گیا جس میں مہربانی کی جھلک نمایاں ہے۔

تمام مفسرین نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ یہ سورہ سورۂ عذاب ہے اسی لئے اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے اور بقول مولانا مودودی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کے آغاز میں باقی سورتوں کی طرح بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ قرآن کو نبی ﷺ سے جوں کا توں لینے اور جیسا دیا گیا تھا' ویسا ہی محفوظ رکھنے میں کس درجہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے''۔

اس سورہ کے اہم اور خاص مضامین سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سورہ منافقین و مشرکین سے

اللہ کی اس حد تک بیزاری کا اعلان ہے کہ اللہ نے مشرکین کے لئے اب تک جو رعایتیں دی تھیں انہیں منسوخ کرنے اور اس سے قطعی طور پر علیحدہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کفار کے علاوہ منافقین سے بھی جہاد کا حکم دے رہا ہے۔ اس سورہ کے خاص مضامین مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مشرک جو پناہ طلب کرے اُسے پناہ دینے اور اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہونے کا حکم۔

(2) مساجدِ الٰہی کا احترام اور کافروں کے داخلہ کی ممانعت۔

(3) جہاد کے موقع پر مسلمانوں کی پست ہمتی اور کمزوری کا مظاہرہ اور خصوصاً جنگ میں مسلمانوں کی کثرت کے باوجود ان میں ابتری اور انتشار پیدا ہونے کی کیفیت۔

(4) نجاست مشرکین اور ان کے لئے استغفار کی ممانعت۔

(5) بارہ مہینے اور ان میں چار مہینے یعنی محرم' رجب' شعبان' ذوالحج کی اہمیت۔

(6) شبِ ہجرت کا تذکرہ۔

(7) کھلے ہوئے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے ممانعت۔

(8) ایسے منافقین پر تنبیہہ جن کا نفاق کھل کر سامنے نہیں آ رہا تھا جن سے اسلام کو ہمیشہ خطرات رہیں گے اور ایسے منافقین سے وقتی طور پر بچنے کے لئے سفر کا واجب ہونا۔

(9) مسجدِ ضرار کا ذکر اور اس کا انہدام۔

موضوع کی تفصیل:

تمام عالمِ اسلام کے قرآن اس پر متفق ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورہ کے شروع میں نہیں اتری یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جن سوروں میں بسم اللہ اوپر لکھی گئی ہے ان کے ساتھ بسم اللہ من جانب اللہ نازل ہوئی تھی اور اس سورہ میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اس کا سبب وہی ہے کہ جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بسم اللہ آیت رحمت ہے اور یہ سورہ' سورۂ عذاب ہے اس لئے بسم اللہ اس کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی تھی۔

تاریخی پس منظر کے حوالے سے تفسیر:

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سورہ میں اگر عذاب اس حد تک سنگینی کی صورت لئے ہوئے ہے کہ اللہ صرف اس سورہ کو بسم اللہ کے ساتھ نازل نہیں کرتا تو وہ کون سے عوامل تھے کہ اللہ تعالیٰ اس سورہ کو بسم اللہ کے ساتھ نازل نہیں کرتا' مسلمانوں میں اتنے تھوڑے ہی عرصے میں اسلام پھیلنے کے دوران وہ کون سی برائی دیکھی گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ ناپسند فرمایا اور اس حد تک خدا نے اپنے جلال کا مظاہرہ کیا کہ اس سورہ کی ابتدا آیہ رحم سے نہیں کی تو پوری سورہ کی تفسیر کا خلاصہ صرف دو بدترین برائیوں کی نشاندہی کرتا ہے ایک منافقت اور دوسرے ''تکبر و غرور'' اور ان دو اعمال پر مسلمانوں سے اس حد تک ناراضگی (یاد رہے کہ ابلیس جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ اطاعت گزار فرشتہ تھا جب اس نے تکبر کیا اور خدا کے سامنے اس کی مٹی سے بنی مخلوق پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس حد تک ناپسند کیا کہ اسے اپنے دربار سے نکال کر راندہ درگاہ کر دیا اور کہا کہ بس آج سے تو ہمارا نہیں اور تیرا ٹھکانا صرف اور صرف دوزخ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جو عمل اپنی مخلوق کا خواہ وہ انسان ہوں' جن ہوں یا فرشتے سب سے زیادہ ناپسند ہے وہ ''غرور'' ہے۔ اور دوسرا خطرناک عمل منافقت۔ مگر یہاں پروردگار اس کتاب میں یہ بھی بتانا چاہتا ہے کہ یہ کتاب اس نے اپنے محبوبؐ کو ان کی امت کو راستہ دکھانے کے لئے بھیجی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس کا محبوبؐ ساری دنیا کے لئے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے تو کہا جا رہا ہے کہ رسولؐ تمہاری امت کے لوگوں نے وہ عمل کیا ہے جو خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے اس لئے انہیں اللہ کے عذاب اور دوزخ کی آگ سے ڈراؤ یہ غرور اور تکبر مسلمانوں میں کب پیدا ہوا؟

جنگ حنین میں کثرت کی بناء پر تکبر کرنے پر مسلمانوں کو تنبیہہ

مسلمان اس جنگ میں بارہ ہزار تھے اور کفار صرف چار ہزار تو بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ نکلا کہ اب تو ہم اکثریت میں ہیں اس لئے دشمن پر غالب آنے میں کوئی شک نہیں اور اسی لئے قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ تمہاری کثرت نے تم میں غرور پیدا کر دیا۔

اس جنگ میں بھی جنگ احد کی طرح دوسری مرتبہ مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کا ساتھ چھوڑا اور دوبارہ طمع اور لالچ ان پر غالب آ گیا۔ انہوں نے مال غنیمت کی لوٹ مار شروع کی اور یکا یک جو حملہ ہوا تو گھبرا گئے اور جس کا منہ جدھر تھا بھاگ کھڑا ہوا۔ صرف دس صحابی یعنی حضرت عباسؓ' حضرت علیؑ' حضرت فضل بن عباسؓ نوفل ربیعہ' عبداللہ ابن عمیرؓ عتبہ' ابوسفیان' معتب' پسرانِ ابولہب' ان دس اصحاب میں ابوسفیان اس لئے رک گیا تھا کہ ابوسفیان مسلمانوں کے بھاگنے پر خوش تھا' اسے مسلمانوں کی شکست یقینی نظر آ رہی تھی مسکرا کر کہتا تھا کہ محمد کا جادو (نعوذ باللہ) ختم ہو گیا اب یہ مسلمان سمندر تک بھاگتے چلے جائیں گے۔ یہ منافق اسی برس مسلمان ہوا تھا اس کی دلی خواہش تھی کہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو لیکن ہوا وہی جو اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا۔ حضرت علیؑ لشکر کا علم لئے حضرت محمدؐ رسول خدا کے آگے تھے اور جہاد کر رہے تھے اور فضل و حضرت عباسؓ داہنے بائیں تھے۔ بنی ہوازن کے دو ہزار تیر انداز تیروں کی بارش برسا رہے تھے' رسولؐ خدا نام لے لے کر ایک ایک کو پکار رہے تھے۔ تمام مفسرین قرآن نے یہ بات مشترکہ طور پر کہی ہے کہ ایسا خطرناک وقت رسولؐ پر تھا کہ اندازہ کرنا مشکل ہے' آخر حضرت عباسؓ جو ایک بلند آواز آدمی کہلاتے تھے ایک ٹیلے پر چڑھے اور بلند آواز پکارنا شروع کیا اے خدا کے بندو! اے بیعتِ رضوان کرنے والو اور سورہ بقرۃ کے صحابیو! رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو پلٹو' پھرو' جان نہ چھڑاؤ' بیعت کا کچھ تو خیال کرو۔ یہ آواز سن کر کچھ اصحاب کو غیرت آئی اور وہ پلٹ پڑے اسی وقت رسولؐ خدا نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی اور بددعا کی اور غیب سے اللہ کی مدد فرشتوں کی صورت میں آ گئی۔ خاک اڑنے کے سبب کفار کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ فرشتے حملہ آور ہوئے ہیں وہ سمجھے کہ اس آوازِ عباسؓ سے سارے مسلمان واپس پلٹ آئے ہیں اور حملہ آور ہوئے ہیں۔

بالکل اسی طرح جنگ تبوک میں وہ منافق جو ہمیشہ کفار سے زیادہ اسلام کے لئے پریشان کن ثابت ہوئے اور آج تک ہیں۔ چونکہ یہ دل سے کبھی بھی ایمان نہیں لائے تھے ان کے دل

میں کفر وشرک بسا ہوا تھا یہ لوگ جان بوجھ کر جنگ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے یعنی یہ مدینے میں ہی اس لئے رک گئے کہ جب رسولؐ خدا جنگ سے واپس آئیں گے تو ہم ان کو مدینے سے نکال دیں گے مگر جب حضورؐ وہاں سے کامیاب ہوئے تو ان منافقوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔

سورہ برات یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے آیہ رحم سے شروع کرنے کے بجائے اپنے قہر وعذاب اور بیزاری کا اعلان کیا مگر اس کی صرف ایک آیت کا سہارا لے کر اسے سورہ توبہ کے نام سے معروف کر دیا گیا تا کہ منافقین اور مشرکین اس آیت کا سہارا لے کر بار بار منافقت اور شرک کریں اور یہ کہہ کر خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں کہ جو مرضی کرلو بعد میں توبہ کر لینا وہ معاف کرنے والا ہے معافی دے دے گا۔ اس سورہ میں اس لئے اللہ تعالیٰ بار بار تنبیہ کر رہا ہے کہ اے رسولؐ ان منافقین کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر چال اور ارادے اور دل کے حال سے ہر وقت باخبر ہے اس لئے میری بھیجی ہوئی آیتوں کو اپنی مرضی اور سہولت سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہ کرو اللہ ایسے لوگوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے اور ان سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔

اپنے کام احسن انداز میں کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوبصورت کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲:۱۹۵)

فرائض کی نگہداشت رکھو (اس بات کا خیال رکھو کہ فرائض بہتر سے بہتر شکل میں ادا ہوں) یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔

(حدیث نبویؐ)

آیت نمبر 10

سورۃ یونس

آیات: ۱۰۹
مقام نزول: مکہ

مکی (مگر دو تین آیتوں کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے کہ وہ مدینے میں نازل ہوئیں)

تعارف: اس سورۃ میں جو خاص واقعہ بیان ہوا ہے وہ حضرت یونس علیہ السلام کی امت پر عذاب آنے اور پھر ان کی توبہ سے اس عذاب کے پلٹ جانے سے متعلق ہے۔ یہ واقعہ تاریخ میں ایک نادر حیثیت رکھتا ہے کہ عذاب نازل ہو اور پھر سچے دل سے توبہ ہونے کی وجہ سے وہ پلٹ جائے۔ اس لئے اس واقعے کو یاد دلانے کی خاطر اس سورہ کا نام سورہ یونس ہوا۔ ویسے حضرت یونسؑ کا نام دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے مگر اس خاص واقعہ کا ذکر اور کہیں نہیں۔ اس سورہ کے خاص مضامین یہ ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

(1) لوگ ایک انسان کے پیغام نبوت پیش کرنے پر حیران ہیں اور اسے خوانخواہ ساحری یعنی جادو کا الزام دے رہے ہیں۔ حالانکہ اس شخص کے پیغام کی حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت خود تمہاری اپنی رائے ہے جو اس شخص کے بارے میں یہ ہے کہ تم نے نہ کبھی اس کو جھوٹ بولتے سنا اور نہ امانتوں میں خیانت کرتے دیکھا تو خود ہی "امین" اور "صادق" کا لقب دیا اور جو باتیں وہ تمہیں اب بتا رہا ہے وہ نہ سحر ہے نہ عجیب۔ ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی انبیاء کتاب اللہ کے ذریعے یعنی انجیل، زبور اور توریت کے حوالے سے بتاتے رہے ہیں کہ خدا اس کائنات کا خالق ہے وہ اس کا انتظام عملاً چلا رہا ہے اور وہی تنہا تمہارا آقا اور مالک ہے، یہ صرف اسی کا حق ہے کہ تم اس کی بندگی کرو اور دوسرے یہ کہ یہ دنیاوی زندگی عارضی ہے، اس کے بعد زندگی کا ایک اور دور آنے والا ہے جس میں تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔ اپنی موجودہ زندگی کے پورے کارناموں کا حساب دو گے اور اس بنیادی سوال پر جزا یا سزا پاؤ گے۔

(2) ان شبہات اور اعتراضات کا جواب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کے لائے ہوئے پیغام کے بارے میں پیش کیے جاتے تھے۔

(3) دوسری زندگی میں جو کچھ پیش آنے والا ہے' اس کی پیشگی خبر تاکہ انسان ہوشیار ہو جائے اور اپنے آج کے طرزِ عمل کو درست کرلے تاکہ بعد میں پچھتاوے کی نوبت نہ آئے۔

(4) ان کھلی کھلی جہالتوں اور ذلالتوں کی طرف اشارہ جو لوگوں کی زندگی میں صرف اس لئے پائی جا رہی تھیں کہ وہ خدائی ہدایت کے بغیر جی رہے تھے اور اس حوالے سے حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کا قصہ ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ تم چار باتیں ذہن نشین کرلو۔ اول یہ کہ محمدؐ کے ساتھ جو معاملہ تم کر رہے ہو' وہ اس سے ملتا جلتا ہے جو نوحؑ اور موسیٰؑ کے ساتھ تمہارے پیش رو کر چکے ہیں اور یقین رکھو کہ اس طرزِ عمل کا جو انجام وہ دیکھ چکے ہیں' وہی تمہیں بھی دیکھنا پڑے گا۔

دوئم یہ کہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو آج تم جس بے بسی اور کمزوری کی حالت میں دیکھ رہے ہو' یہ مت سمجھ لینا کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ تمہیں خبر نہیں ہے کہ ان لوگوں کی پشت پناہی پر وہی خدا ہے' جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کی پشت پر تھا اور وہ ایسے طریقے سے حالات کی بساط الٹ دیتا ہے جس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔

سوئم یہ کہ سنبھلنے کے لئے جو مہلت خدا تمہیں دے رہا ہے' اسے اگر تم نے ضائع کردیا اور پھر فرعون کی طرح پکڑ میں آجانے کے بعد آخری لمحوں میں توبہ کی' تو معاف نہیں کیے جاؤ گے۔

چہارم یہ کہ جو لوگ ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں' وہ مخالف ماحول کی انتہائی شدت اور اس مقابلے میں اپنی بیچارگی دیکھ کر مایوس نہ ہوں اور انہیں معلوم ہو کہ ان حالات میں ان کو کیسے صبر اور ہمت سے کام لینا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اس حالت سے باہر نکال دے تو کہیں وہ اس روش پر نہ چل پڑیں جو بنی اسرائیل نے مصر سے نجات حاصل کرکے اختیار کی اور آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ عقیدہ اسلام وہ مسلک ہے جس پر چلنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی ہے' اس میں قطعاً کوئی ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ یہ آخری

کتاب اور آخری پیغامبر ہیں' جو اس کو قبول کرے گا' وہ اپنا بھلا کرے گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا' وہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا۔

فرعون اور اس کے ارکانِ سلطنت اپنی دولت اور قوت کے نشے میں اتنے مست تھے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ انبیاء اور مرسلین کرام سے عزت و احترام سے پیش آنا بھی وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ حضرت نوحؑ کے زمانے سے برابر یہی ہوتا چلا آ رہا تھا کہ قومیں انبیاءؑ کو جادوگر کہتی تھیں اور ان کی ہدایت کا غلط مفہوم نکالتی تھیں۔ ان کے ذہن میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ یہ جادو کے زور سے ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ملک پر قبضہ کر کے ہم پر دھونس جمائیں گے کہ یا تو ہماری بات مانو ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے۔ حضرت نوحؑ اپنی قوم کو سالہا سال تک سمجھاتے رہے کہ تم میرے خلاف جو منصوبے بناتے ہو' مجھے دیوانہ سمجھ کر مجھ پر پتھر برساتے ہو' تم ساری قوت بھی جمع کر کے میرے مقابل آ ؤ تو بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آ ؤں گا۔ اس لئے کہ میرا بھروسا خدا پر ہے۔ ساری قوم کا ایک شخص کے خلاف ہو کر اسے طرح طرح کی اذیتیں پہنچانا' کوئی معمولی بات نہیں مگر انبیاء و مرسلین خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور وہ ارادوں کے قوی ہوتے ہیں۔ اس لئے جو بات قوم نوحؑ میں نسل در نسل چلی آ رہی تھی' وہ یہی تھی کہ نوحؑ جو کچھ کر رہے ہیں' وہ جادوگری کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ جادوگری اور معجزنمائی کا فرق اس سے ظاہر ہے کہ جادوگر کو دولت کی ہوس ہوتی ہے یا وہ کسی ذاتی خواہش کی تکمیل کے لئے جادو کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہم کو کیا انعام ملے گا' مگر معجزہ یا کرامت دکھانے والے کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی' وہ جو کچھ کرتا ہے' خدا کی مرضی اور خوشنودی کے لئے کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی پروا نہیں کی فرعون ایک سلطنت کا مالک ہے۔ جبر و تشدد کی پوری قوت رکھتا ہے' وہ ان کو ہر طرح کا نقصان پہنچا سکتا تھا کہ پورا ملک مصر اس کے اختیار میں تھا' حضرت موسیٰ قطعاً اس سے نہیں ڈرے۔ ایک طرف ہزاروں تماشائی تھے اور دوسری طرف

موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کمبل کے کرتے پہنے ہوئے تھے نہ ان کے دل میں کوئی شکست کا خوف تھا' نہ فرعون کے جبر کا دھڑکا۔ وہ انتہائی استقلال سے جادوگروں کا مقابلہ کر رہے تھے اور یہ شان ایک معجز نما ہی کی ہو سکتی ہے اور ان سب کمالات کو دیکھ کر ہی تو جادوگر ایمان لائے تھے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ موسیٰ" کے پاس وہ قوت ہے جو ہم میں نہیں ہے لہٰذا ضرور جادو سے بالاتر کوئی چیز ہے' جو ان کے پاس ہے۔ تو وہ کیا چیز تھی جو موسیٰ اور ہارونؑ کے پاس تھی جس نے جادو کو ملیا میٹ کر دیا۔ وہ چیز تھی انبیائے اللہ کا اپنے رب پر یقین اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا اور دعا کرنا کہ ''اے پروردگارؑ اے ہمارے پالنے والے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں کیا اس لئے دولت اور ہر آرائش دے رکھی ہے کہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے بہکائیں۔ پروردگار! تو ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سختی سے بند کر کیونکہ جب یہ دردناک عذاب دیکھ لیں گے' اس وقت تجھ پر ایمان لائیں گے'' خدا نے حضرت موسیٰؑ کو بشارت دی کہ تم دونوں بھائیوں کی دعا قبول کر لی گئی' تم دونوں ثابت قدم رہو۔ ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے اس پار کر دیا' فرعون کا وہ لشکر جو حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا پیچھا کر رہا تھا' جو مٹھی بھر تھی' جب کہ فرعون کا لشکر سوا لاکھ تھا اور سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ اس دعا کے قبول ہوتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے پانی پر چھڑی ماری اور دریا پھٹا۔ فرعون دریا کے کنارے پہنچا تو دریا میں کھلا ہوا راستہ دیکھ کر جانا چاہا مگر اس کے گھوڑے نے ساتھ نہ دیا' اس لئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وہاں موجودگی اللہ کی مدد کی صورت میں اس کا راستہ روک کر کھڑی تھی۔ اس طرح جب فرعون کا سارا لشکر دریا کے اندر آ گیا تو دریا میں جوار بھاٹے کی ایک صورت پیدا ہو گئی اور فرعون اپنے تمام لشکر سمیت ڈوب گیا اور ڈوبتے وقت چلانے لگا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' وہ وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں مگر خدا نے فرمایا: ''اب مرتے وقت ایمان لاتا ہے حالانکہ تو تو فسادیوں میں سے تھا آج اگر ہم تجھے ڈوبنے سے بچائیں گے تو پھر تیرے بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان کون بنے گا جو لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں اور ہماری

آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ان کا آخر کار انجام یہی ہونا ہے۔

اس سورۃ میں حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کی اس ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے اللہ سے اس قوم پر عذاب کی دعا کرنا' عذاب کا آنا مگر قوم کا ہلاک نہ ہونا اور حضرت یونس علیہ السلام کا یہ سمجھنا کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوئی' بہت تفصیل سے درج ہے۔ مختصراً بات وہی ہے کہ ان کی قوم بھی اللہ پر ایمان لانے کو تیار نہ تھی۔ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھ سو برس قبل کا ہے' وہ جس شہر میں تھے اس کا نام اس وقت نینوا تھا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعزا کی قربانی کے بعد اس شہر کو کرب و بلا کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اور آج تک یہ شہر کربلا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے زمانے میں اس شہر کی آبادی ایک لاکھ سے زائد تھی۔ آپؑ نے 37 برس تک اس قوم کو ہدایت کی مگر کوئی ایمان نہ لایا' صرف دو آدمی ایسے تھے جو آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے جن میں ایک کا نام روبیل تھا جو حکیم تھا دوسرا شخص جس کا نام تنوخا تھا وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر گزر بسر کرتا تھا۔ جب ان کی قوم پر حضرت یونسؑ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو تنوخا نے آپؑ سے کہا کہ آپؑ اللہ کے نبی ہیں' آپؑ بددعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرے اور یہ ہلاک ہو جائیں۔ چونکہ اللہ نے آپ سے ایسی قوم پر عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ روبیل جو عالم حکیم تھا اس نے حضرت یونسؑ سے کہا کہ آپ طلب عذاب میں جلدی نہ کریں مگر آپ نے تنوخا کے کہنے سے بددعا کی تو حکم ہوا کہ ابھی صبر کرو مگر جب حضرت یونس علیہ السلام عذاب کے نزول پر مصر ہوئے تو حکم ہوا کہ شوال کی 15 تاریخ کو عذاب نازل ہوگا۔ آپ نے روبیل کے ذریعے سارے شہر میں منادی کروادی کہ فلاں روز عذاب نازل ہوگا اور خود حضرت یونسؑ تنوخا کے ساتھ جا کر ایک پہاڑ کے گوشے میں چھپ کر عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر روبیل نے پہاڑ پر چڑھ کر لوگوں سے کہا کہ تم غافل ہو مگر تم پر عذاب ہو کر رہے گا' تم ہلاک ہو جاؤ گے اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ اور اس سے گریہ وزاری کر کے توبہ کرو' اپنی ہٹ دھرمی کی معافی مانگو میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں ورنہ سب برباد ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ روبیل کے سمجھانے

سے ایمان لے آئے اور شہر سے باہر آ کر اپنی عورتوں' بوڑھوں اور بچوں کے ساتھ دعا اور گریہ میں مشغول ہو گئے۔ وقت معین پر عذاب آیا مگر ان لوگوں کے دعا کرنے سے ٹل گیا اور وہ ہلاکت سے بچ گئے۔ ادھر دوسرے دن حضرت یونس علیہ السلام یہ خیال کر کے کہ وہ لوگ تباہ ہو چکے ہوں گے شہر کی طرف چلے جب لوگوں کو آمد ورفت کرتے دیکھا تو سمجھے عذاب نہیں آیا اور یہ سوچ کر کہ قوم مجھے جھوٹا سمجھے گی' شہر کا راستہ چھوڑ کر دریا کی طرف چلے گئے۔ روبیل نے تنوخا سے شہر واپس آنے پر پوچھا کہ بتاؤ تمہاری رائے صحیح تھی یا میری۔ تنوخا نے کہا تمہاری رائے ٹھیک تھی اس لئے کہ تم عالم حکیم تھے اور میں ان پڑھ اور جلد باز تھا۔ حضرت یونسؑ جب دریا پر آئے' کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی طوفان میں گھر گئی۔ لوگوں نے ان کو منحوس سمجھ کر کشتی سے باہر پھینک دیا۔ دریا میں ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا۔ آپ چالیس دن تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہے اور اپنی بددعا کی جلدی پر اللہ سے توبہ کرتے رہے کہ اے اللہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ لاالہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین۔ آپ کی توبہ قبول ہوئی اور بحکم خدا' مچھلی نے ان کو دریا کے کنارے اگل دیا۔ آپ اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو سب نے آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ اللہ کا وعدہ سچا تھا' اس نے عذاب کا وعدہ کیا تھا' ہلاکت کا نہیں۔ اس لئے جب عذاب آیا تو اس قوم نے توبہ کی' دعا کی' گریہ وزاری کی اور عذاب ٹل گیا یعنی اللہ تعالیٰ یہ جانتا تھا کہ یہ وہ قوم ہے' جو عذاب سے ڈر کر ایمان لائے گی اس لئے حضرت یونسؑ کو عذاب کی دعا کرنی چاہئے تھی ہلاکت کی نہیں' اور اللہ کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت یونسؑ کے اس عمل کے ذریعے یہ بتانا چاہتا تھا کہ کسی کا ایمان لانا' بغیر اذنِ الٰہی کے نہیں ہوتا جس طرح تمام نعمتیں اللہ کے اختیار میں ہیں' اسی طرح کسی کا صاحب ایمان ہونا بھی اللہ کے اذن یعنی مرضی پر منحصر ہے یعنی اگر نبی بھی چاہے کہ کسی کو مومن بنا دے تو بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے نہیں بنا سکتا یعنی جو لوگ عقل سے کام لے کر سچے دل سے ایمان کی جستجو کرتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اس کے حق میں ہو جاتی ہے۔

سورہ نمبر ۱۱

سورہ ھود

آیات: ۱۲۳
مقام نزول: مکہ

تعارف: یہ سورہ کم و بیش اسی زمانے میں نازل ہوئی ہے جب سورۃ یونس نازل ہوئی۔ بلکہ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ سورۃ یونس کے تسلسل میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس لئے کہ اس کا مضمون بالکل وہی ہے جو سورہ یونس کا ہے مگر اس میں تنبیہ **Warning** کا انداز بہت سخت ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کا موضوع وہی ہے جو سورۃ یونس کا ہے یعنی دعوت حق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے انبیاءؑ اور کتابوں کی نافرمانی پر ان قوموں پر عذاب الٰہی کی یاد دہانی کروائی گئی ہے اور سب سے بڑی بات اس میں یہ ہے کہ دعوت مختصراً ہے، وعظ و نصیحت زیادہ ہے اور تنبیہ **Warning** پر مفصل زور دیا گیا ہے۔

دعوت:

اس سورۃ میں دعوت یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی بات مانو، شرک سے باز آ جاؤ، سب کی بندگی چھوڑ کر اللہ کے بندے بنو اور اپنی دنیاوی زندگی کا سارا نظام ''آخرت کی جواب دہی'' کی بنیاد پر قائم کرو۔

تنبیہ......Warning:

تنبیہ یہ ہے کہ عذاب کے آنے میں جو تاخیر ہو رہی ہے، یہ دراصل ایک مہلت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے اس لئے عطا کر رہا ہے کہ تم اس کے سب سے محبوب اور آخری نبیؐ کے زمانے میں پیدا کئے گئے ہو جسے اس نے تمام دنیا کیلئے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اس مہلت کے اندر تم نہ سنبھلے تو وہ عذاب آئے گا جو کسی کے ٹالے نہ ٹل سکے گا اور اہل ایمان کی قلیل سی تعداد کو چھوڑ کر تمہاری ساری قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔

اس سورہ میں براہ راست اللہ اپنے رسولؐ سے مخاطب نہیں ہے بلکہ بیشتر آیات قوم نوحؑ عاد وثمود لوط اور قوم فرعون کے قصوں پر مشتمل ہیں اس لیے جو قومیں آنحضرتؐ کی نبوت پر شک کر رہی تھیں ان کے لیے حضورؐ کا دعوت دینا ایک نئی بات تھی، مگر یہود و نصاریٰ کے کچھ صاحب ایمان عالم دین اس بات کی تصدیق کر رہے تھے کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود ہے اس لئے قرآن کا نزول معجزہ ہے اور معجزہ صرف معصوم دکھا سکتا ہے نبی چونکہ معصوم ہوتا ہے اس لئے معجزہ اسی کے ذریعے دیکھایا جا سکتا ہے، پھر اسی سورہ میں معجزے اور جادو کا فرق نمایاں کیا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات نے جادوگروں کو کس طرح ذلت اور شکست سے دوچار کیا۔

چونکہ معجزہ پاک و طاہر روح و جسم کے حوالے سے ممکن ہے ناپاک شیطان صرف جادو کا کرتب دکھا سکتا ہے۔ جس کا اثر عارضی ہوتا ہے اس لئے پچھلی قوموں کے عذاب اور قصوں میں جو خاص بات نمایاں کی گئی۔ ہے وہ یہ ہے کہ خدا جب فیصلہ کرنے پر آتا ہے تو بالکل بے لاگ طریقے سے غیر جانبدار ہو کر کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ ذرا برابر رعایت نہیں کی جاتی اور خدا یہ نہیں دیکھتا کہ کون کس کا بیٹا اور کس کا عزیز ہے۔ رحمت صرف اس کے حصے میں آتی ہے۔ جو راہ راست پر آ گیا، ورنہ خدا کے غضب سے نہ کسی پیغمبر کا بیٹا بچتا ہے اور نہ کسی پیغمبر کی بیوی اور یہی نہیں بلکہ جب ایمان اور کفر کے درمیان دوٹوک فیصلہ ہو رہا ہو تو خدا یہ چاہتا ہے کہ خود مومن بھی باپ اور بیٹے، شوہر اور بیوی کے رشتے کو بھول جائے اور خدا کی شمشیر عدل کی طرح ایک رشتۂ حق کے سوا ہر رشتے کو کاٹ پھینکے۔ ایسے موقع پر خون، حسب نسب اور رشتہ داریوں کا ذرہ برابر بھی لحاظ کرنا اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسی لئے اس زمانے میں جب سورہ یونس اور سورہ ہود نازل ہو رہی تھیں تو کچھ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ”آپ بہت بوڑھے دکھائی دینے لگے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟“ جواب میں رسولؐ خدا نے کہا ”شیبتنی ھود واخواتہا“ مجھ کو سورہ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے“۔

اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ زمانہ رسولؐ خدا پر کتنا سخت ہوگا جب ایک طرف کفار قریش اپنے تمام ہتھیاروں اور طاقت سے اس دعوت حق کو کچل دینے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں ان حالات میں ہر وقت آپ کو یہ اندیشہ گھلائے دے رہا تھا کہ کہیں اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم نہ ہو جائے اور وہ آخری ساعت نہ آ جائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب میں پکڑنے کا فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ اس سورہ کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے ایک سیلاب سے حفاظت کے لئے بنایا گیا بند ٹوٹنے کو ہے اور اس کی جگہ آباد لوگوں کی غفلت اپنے عروج پر ہو اور اسے آخری Warning دی جا رہی ہو۔

سورۃ ھود کا آغاز جن آیات سے ہوتا ہے وہ غور طلب ہیں جن میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جب خدا نے یہ وعدہ کر لیا کہ زمین پر ہر چلنے والے کا رزق میرے ذمہ ہے تو پھر انسان غذا کی کمی کا شکوہ کیوں کرتا رہتا ہے؟ یا تو اس کو خدا کے اس وعدے پر اعتماد نہیں یا پھر لوگ اتنے خود غرض ہو چکے ہیں کہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے مہنگائی بڑھا کر غریب انسانوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر بھوک اور بیروزگاری میں اضافہ کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں' دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہر مخلوق کے رہنے اور مرنے کی جگہ کو جانتا ہے' وہ وہیں اس کو رزق پہنچاتا ہے جب وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کو بھوکا نہیں رہنے دیتا تو بھلا اپنی اس مخلوق کو جو اشرف المخلوقات کہلاتی ہے' اُسے وہ کیسے بھوکا رکھ سکتا ہے۔

سورۂ نمبر ۱۲ آیات: ۱۱۲

سورۃ یوسف

مقام نزول: مکہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی سورۃ

تعارف: جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ سورہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے متعلق ہے جسے قرآن کریم میں تمام قصوں میں سے بہترین قصہ کہا گیا ہے۔ ویسے حضرت یوسفؑ کا نام بسلسلہ انبیاء انفرادی طور پر قرآن پاک کے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے مگر اس خاص واقعہ کا ذکر جسے "قصہ یوسف" کہا جاتا ہے' اس لئے کہ اس قصے میں حضرت یوسفؑ کے نبی ہونے کی گواہی ایک گہوارے میں پڑے ہوئے بچے نے دی۔ جھولے میں لیٹا ہوا شیر خوار بچہ جو بول بھی نہیں سکتا' اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی۔

موضوع کی تفصیل:

وجہ نزول:

نزول قرآن پاک سے دو ہزار برس پرانا قصہ جسے قرآن میں "نحنُ نقص علیکَ احسن القصص" کہہ کر تعارف کرایا گیا یعنی بہترین قصہ' تمام قصوں میں سب سے خوبصورت' زندہ حقیقی کہانی۔

اس کے نزول کی وجہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق خود قوم یہود کے بڑے بڑے راہبوں کے منہ سے کرانا تھی۔ قیام مکہ کے آخری دور میں جب قریش اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں یا جلاوطن کریں یا قید کر دیں۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار مکہ نے یہودیوں کے اشارے پر قریش کو مشورہ دیا کہ محمدؐ کا امتحان لیا جائے ان سے پوچھا جائے کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا کیا سبب تھا۔ چونکہ اہلِ عرب اس قصے سے ناواقف تھے' اس کا نام ونشان تک ان کے یہاں روایات تک میں نہ پایا جاتا تھا اور خود نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بھی کبھی اس کا ذکر نہیں سنا گیا تھا' اس لئے انہیں پوری توقع تھی کہ آپ یا تو اس کا مفصل جواب نہ دے سکیں گے یا اس وقت ٹال مٹول سے کام لے کر کسی یہودی سے پوچھنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح آپ کا بھرم کھل جائے گا۔ لیکن اس امتحان میں انہیں الٹی منہ کی کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ فوراً اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ آپ کی زبان پر جاری کر دیا بلکہ برادران یوسفؑ کی طرح اس قصے کو اس معاملے سے تشبیہ دے دی جو سلوک حضورؐ کے چچازاد بھائی ابولہب اور دوسرے عزیز واقارب جلن اور حسد کی بنیاد پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہے تھے۔

مقاصدِ نزول:

اس سورہ کے نزول کے دو اہم مقاصد ہیں۔ ایک یہ کہ حضورؐ کی نبوت کا ثبوت اور وہ بھی خود کفار مکہ، یہودیوں اور قریش کے اپنے تجویز کردہ امتحان میں ثابت کر دیا جائے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے بلکہ فی الواقع آپ کو وحی کے ذریعے سے علم حاصل ہوتا ہے' اس مقصد کو آیات نمبر 102,7,3 اور 103 میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ سردارانِ قریش اور محمدؐ کے درمیان جو معاملہ چل رہا تھا' اس پر برادرانِ یوسفؑ کے کردار اور اعمال سے مثال دے کر بتایا جائے کہ آج تم اپنے بھائی کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہو' جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا تھا مگر جس طرح وہ خدا کی مشیت سے لڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے اور آخر کار اسی بھائی کے قدموں میں آ کر گرے جس کو انہوں نے انتہائی بے رحمی کے ساتھ کنویں میں پھینکا تھا۔ اس طرح تمہاری کوئی بھی چال اور تدبیر خدا کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے گی اور آخر کار ایک دن تمہیں اپنے اسی بھائی سے رحم وکرم کی بھیک مانگنی پڑے گی جسے آج تم مٹا دینے پر تلے ہو اور یہ مقصد بھی اس سورہ کے آغاز ہی میں صاف صاف بیان کر دیا گیا کہ قصے میں ان پوچھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

درحقیقت اس سورہ کے نزول کے دس سال بعد ہونے والے واقعات کی پیشن گوئی اس سورہ میں حرف بہ حرف موجود تھی اس کے نزول کو ڈیڑھ سال ہی گزرا تھا کہ قریش مکہ نے برادرانِ یوسف کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور مکہ سے نکلنا پڑا۔ پھر ان کی توقعات کے برعکس آپ کو بھی جلاوطنی میں ویسا ہی عروج واقتدار نصیب ہوا' جیسا یوسف علیہ السلام کو ہوا تھا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر ٹھیک وہی کچھ پیش آیا جو مصر کے پایہ تخت میں حضرت یوسفؑ کے سامنے ان کے بھائیوں کی آخری حضوری کے موقع پر پیش آیا تھا اور حضرت یوسفؑ سے وہ انتہائی عاجزی سے کہہ رہے تھے کہ "ہم پر صدقہ کیجئے۔ اللہ صدقہ کرنے کو نیک جزا قرار دیتا ہے" تو یوسفؑ نے انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں معاف کر دیا تھا اور فرمایا آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے' وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر جب محمد ﷺ کے سامنے سارے قریش جس میں کچھ منافقین نے اس وقت بھی جان بچانے کے لئے اور حکومت میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے اسلام زبانی طور پر قبول کیا تھا' دل سے نہیں اور حضور اکرم ﷺ ان سے اچھی طرح واقف تھے' پھر بھی آپ نے انہیں وہی جواب دیا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ "جاؤ تمہیں معاف کیا"۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس قصے کو محض تاریخ نگاری یا قصہ گوئی کے لئے استعمال نہیں کیا' بلکہ اپنے قاعدے کے مطابق اسے دعوت تبلیغ کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ اس پورے قصے میں یہ بات نمایاں کر کے دکھاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا دین وہی تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اسی حق کی طرف آنے کی وہ بھی دعوت دیتے تھے جس کی طرف آج محمد ﷺ دے رہے ہیں۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بتاتے ہوئے دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

قصہ یوسف علیہ السلام:

حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے' حضرت اسحاق علیہ السلام

کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ بائبل کے مطابق جس کی تائید کے اشارے قرآن کریم میں بھی ملتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے چار بیویوں سے تھے جن میں حضرت یوسفؑ اور ان کے چھوٹے بھائی بن یامین ایک بیوی سے تھے اور باقی دس دوسری بیویوں سے۔ اس طرح حضرت یوسفؑ کے دس سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت یوسفؑ جن کی والدہ کا نام راحیل تھا جن کے انتقال کے بعد حضرت یوسفؑ کی خالہ نے ان کی پرورش کی جن کا نام راحیل تھا۔ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے بہت محبت تھی جس کی وجہ دو تھیں۔ ایک تو یہ کہ ان کی ماں نہیں تھی اور دوسرے ان کے چہرے سے آثار نبوت منکشف ہوتے تھے۔ حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کی ساری اولاد میں سب سے حسین انسان ہی نہیں تھے بلکہ وہ اتنے خوبصورت انسان تھے کہ تاریخ میں حسن و وجاہت کی مثال یہ کہہ کر دی جاتی ہے کہ فلاں فلاں انسان حُسنِ یوسف رکھتا ہے۔ مگر یہاں حضرت یعقوبؑ جو خود بھی نبی تھے وہ اپنے اس بیٹے سے صورت کی وجہ سے نہیں' بلکہ حُسنِ سیرت کی وجہ سے محبت کرتے تھے چونکہ نبوت ظاہری حسن پر نہیں' بلکہ کردار کے باطنی حسن سے متاثر ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت یوسفؑ کے تمام بھائی ان سے شدید حسد اور جلن رکھتے تھے۔ اولادِ انبیاء میں تین نبی ایسے تھے جن کی اولاد میں حسد کی بیماری اس حد تک زور پکڑ گئی تھی کہ بھائی نے بھائی کو قتل کیا۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں میں حسد پیدا ہوا اور ہابیل نے قابیل کو قتل کیا' پھر حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں حضرت یعقوبؑ سے ان کے بھائی عیص کو حسد ہوا اور حضرت یعقوب علیہ السلام وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے بعد میں بھائی بھائی مل گئے اور تیسرے اولادِ یعقوبؑ میں یہ بیماری پھیلی اور وہ حضرت یوسفؑ کی جان کے دشمن ہو گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا تھا اور یہ بات حضرت یعقوب علیہ السلام علم نبوت کی وجہ سے جان چکے تھے کہ بارگاہِ ایزدی سے یوسف علیہ السلام کو کیا کیا ملنے والا ہے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ میری اولاد میں صرف حضرت یوسفؑ ہی درجۂ نبوت پر فائز ہونے والے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کا خواب اور تعبیر:

حضرت یوسفؑ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ایک ایسا نور ہے جس سے سارا جہاں روشن ہوگیا ہے اور وہ ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہیں۔ انہیں ایک نورانی پوشاک پہنائی گئی ہے جس سے سب چیزیں روشن ہوگئیں۔ پھر زمین کے خزانوں کی کنجیاں ان کے سامنے رکھ دی گئیں اور گیارہ ستارے ایک طرف ہیں اور چاند اور سورج ایک طرف' سب ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے صبح آنکھ کھلتے ہی یہ خواب اپنے والد سے بیان کر دیا۔ حضرت یعقوبؑ نے تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ اے فرزند ایسا ہی ہوگا تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خواب کی تعبیر سکھائے گا اور اپنی نعمت تم پر اس طرح پوری کرے گا' جیسے اس سے پہلے تمہارے دادا پڑدادا ابراہیمؑ واسحاقؑ پر پوری کر چکا ہے اور یہ گیارہ ستارے جو سورج اور چاند کے ساتھ تمہیں سجدہ کر رہے ہیں یہ گیارہ تمہارے بھائی ہیں جو ابھی نہیں بلکہ اس وقت تمہیں سجدہ کریں گے جب ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ یہ تم سے اتنا حسد رکھتے ہیں کہ موقع ملتے ہی تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کریں گے اس لئے میرے بیٹے اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا' کہیں وہ کوئی چال نہ چل جائیں۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ یہ خواب حضرت یوسفؑ نے صرف اپنے والد سے بیان کیا تھا مگر کسی بھائی کی بیوی اس وقت جاگ رہی تھی' اس نے سن لیا اور اپنے شوہر سے بیان کیا جس کے بعد سب بھائیوں کو معلوم ہوگیا اور انہوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کیا کہ اگر یوسف علیہ السلام کو مار دیا جائے تو باپ کی توجہ ہماری طرف ہو جائے گی۔ چونکہ یوسفؑ اور اس کے بھائی اکیلے ہیں اور تعداد میں ہم زیادہ ہیں' جو مدد ہم سے انہیں مل سکتی ہے' وہ یوسفؑ سے نہیں مل سکتی۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ یوسفؑ کو بہانے سے ایک دور دراز مقام پر لے گئے اور انہیں ایک اندھیرے کنویں میں دھکا دے دیا' آپ کی عمر اس وقت کچھ روایتوں میں تیرہ اور کچھ میں سترہ برس بتائی جاتی ہے۔ جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کو

کنویں میں پھینک چلے تو انہیں یقین تھا کہ یا تو یوسف کنویں میں مرجائیں گے یا کوئی راہ گیر انہیں نکال لے جائے گا تو انہوں نے ایک جانور ذبح کیا اور اس کا خون حضرت یوسفؑ کے کرتے پر لگا کر گھر کی طرف چلے اور حضرت یعقوبؑ سے جا کر کہا کہ ہم نے کچھ دیر کے لئے یوسف کو سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا کہ بھیڑیا آیا اور اس کو کھا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے اور رونے لگے۔ کرتے کو آنکھوں سے لگایا اور سونگھ کر کہا کہ یہ میرے یوسفؑ کا خون نہیں ہے۔ انبیاء کے حواسِ خمسہ عام لوگوں سے جدا ہوتے ہیں اور علمِ نبوت کے باعث وہ یہ بھی جانتے تھے کہ درندوں پر انبیاء اور اولادِ انبیاء کا خون حرام ہے۔ اس لئے حضرت یعقوبؑ سمجھ گئے کہ مجھ پر اور میرے بیٹے پر آزمائشوں اور تکلیفوں کا دور شروع ہو گیا ہے لہٰذا صبر وشکر کرتے ہوئے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو میں اس کی حقیقت سے واقف ہوں۔ اس لئے اب اللہ ہی سے مدد مانگ سکتا ہوں۔ ادھر کنویں کے قریب سے ایک راہ گیر نے پانی نکالنے کے لئے ڈول ڈالا تو حضرت یوسفؑ اس ڈول کے ذریعے باہر آ گئے۔ چونکہ تھوڑی ہی دیر قبل اس اندھے کنویں میں حضرت جبریلؑ حضرت یوسفؑ کے پاس آئے تھے اور ان سے کہا کہ تم گھبراؤ مت اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اس کے نبی ہو تمہیں وہ بچائے گا۔ اس کے بعد ہی راہ گیر وہاں سے گزرا اور اس نے ڈول کے ذریعے جب آپ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا کہ اتنا حسین لڑکا ہے۔ اس کو بیچ دوں گا۔ اس زمانے میں انسانوں کو غلام بنا کر بیچ دیا جاتا تھا۔ اس شخص نے بازار میں جا کر یوسفؑ کو بہت اچھے داموں میں بیچ ڈالنے کی نیت سے انہیں لے جانا چاہا تو یوسف علیہ السلام کے بھائی جو کنویں کے اردگرد ہی گھوم رہے تھے انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا غلام ہے تم بغیر دام دیئے اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ اپنے بھائیوں کی یہ سفاکی دیکھ کر حضرت یوسفؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جب راہ گیر نے آپؑ کے دام ان کے بھائیوں کو دے دیئے اور آپ کو لے کر چلنے لگے تو حضرت یوسفؑ نے کہا مجھے اجازت دو کہ میں ان لوگوں سے رخصت ہو لوں۔ خریدار نے کہا جب ان لوگوں کو تم سے کوئی انس ومحبت نہیں تو تم ان پر کیوں جان دے رہے ہو۔ یوسف علیہ السلام نے

کہا کہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق برتاؤ کرتا ہے اس کے بعد آپ اپنے بھائیوں سے مل کر روئے اور رخصت ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن میں نور نبوت کی دھوم اس شخص کے رویے سے شروع ہوئی جب وہ آپ کو بیچنے کے لئے بازار کی طرف چلا آپ کے حسن و جمال کے چرچے مصر کی ہر گلی کوچے میں پہنچ چکے تھے۔ جب اس شخص نے اعلان کروایا کہ ہم اس غلام عظیم کو فروخت کرنے کے لئے دسویں محرم کو بازار مصر میں لائیں گے جو بھی اس کو خریدنے کا خواہش مند ہو وہ زر و جواہر کی تھیلیاں لے کر بازار میں پہنچ جائے۔ اس اعلان کا بلند ہونا تھا کہ مصر کے امراء اور روسا پہنچنے کی تیاریاں کرنے لگے جو خریدنے کے ارادے سے جا رہے تھے ان میں بادشاہ مصر ریان بن ولید اور اس کا وزیر عزیز مصر بھی شامل تھے۔ وزیر کی بیوی زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام پر دل و جان سے فدا ہو چکی تھی۔ اس کے عشق نے وہ گل کھلائے کہ حضرت یوسفؑ کے قصہ کو داستان یوسفؑ و زلیخا کے نام سے یاد کیا جانے لگا مگر قرآن نے اسے تمام قصوں میں بہترین قصہ اس لئے قرار دیا کہ حضرت یوسفؑ اللہ کے نبی تھے اور نبی معصوم ہوتا ہے۔ ان کی معصومیت کی گواہی ایک جھولے میں پڑے ہوئے چھ ماہ کے بچے نے اس وقت دی' جب اسی زلیخا نے اپنے عشق سے مجبور ہو کر انہیں دعوت گناہ دی اور جب حضرت یوسفؑ نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو اس نے خود کو بدنامی سے بچانے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگا دی مگر اللہ یہاں ان کی پاکدامنی کی گواہی ایک شیر خوار بچے سے دلوا کر ان کی نبوت کی تصدیق کرانا چاہتا تھا۔

نوٹ: اس قصے کی مکمل تفصیل جو طالب علم جاننا چاہیں وہ قصص الانبیاء میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے حالات میں سب کچھ پڑھ سکتے ہیں۔

انبیاء کے مکمل قصے تاریخی اور مذہبی حقائق جاننے کے لئے جو کتابیں پڑھی جا سکتی ہیں ان میں تاریخ اسلام' قصص الانبیاء وغیرہ ہیں۔

سورۃ نمبر ۱۳ | آیات: ۴۳

سورۃ الرعد

مقام نزول: مکہ

گرج والی سورۃ

تعارف: اس سورۃ کا نام ''رعد'' اس لئے نہیں ہے کہ اس کے معنی کے حساب سے اس میں بادل کی گرج کا تذکرہ ہے بلکہ یہ صرف علامت کے طور پر ظاہر کرنا ہے کہ جس میں لفظ ''رعد'' آیا ہے اور وہ مسلمان جو کسی معجزے یا عذاب کا انتظار کر رہے تھے ان کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کے دین میں معجزے دکھانے کا یہ طریقہ رائج نہیں ہے اور اگر دشمنانِ دین کی رسی دراز کی جارہی ہے تو یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے تم گھبرا اٹھو اور پھر آیت نمبر 31 سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کفار کی ہٹ دھرمی کا ایسا مظاہرہ ہو چکا ہے جس کے بعد یہ کہنا بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبروں سے مردے بھی اٹھ کر آ جائیں تو یہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ اس واقعے کی کوئی بھی تاویل کر ڈالیں گے۔ چونکہ ان کے دل کفر سے بھرے ہوئے ہیں اور اسلام صرف ان کے دماغوں میں بٹھانے ہی کے واسطے نہیں ہے بلکہ ان کے دلوں کو بھی ایمان کی طرف کھینچتا ہے اس لئے بار بار مختلف طریقوں سے توحید، ایمان اور رسالت کی حقانیت ثابت کی گئی ہے اور اس پر ایمان لانے کے اخلاقی اور روحانی فوائد سمجھائے گئے ہیں۔

موضوع کی تفصیل :

اس سورۃ میں لفظ ''رعد'' اگرچہ پہلے پارہ میں منافقین کی ایک تشبیہ کے سلسلے میں استعمال ہوا ہے مگر خاص طور پر اس سورہ میں ایک خاص کیفیت کے لئے بار بار مستقل طور پر استعمال ہوا ہے اور یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے رہو بدی کی قوتوں کے مقابلے میں بھلائی کی قوت پیش کرو یہاں تک کہ ان کے اپنے دل اپنی ہی برائیوں سے تنگ نہ آ جائیں اور پھر انہیں پناہ ملے تو صرف یادِ الٰہی میں؛ ان کو اطمینان نصیب ہو تو صرف اللہ کے سامنے سربسجود ہونے

میں چونکہ کائنات کی ہر شے بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہے۔

یہ قرآن پاک کی واحد سورہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو محض منطقی دلائل سے کام لینے کے بجائے "دلوں کے سکون اور اطمینان" کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اس سورہ کے نزول کا زمانہ مکہ کے آخری ایام سے ہے جب آنحضرتؐ کو دعوت اسلام دیتے ہوئے ایک مدت گزر چکی ہے اور مخالفین جن میں منافقین و مشرکین سب شامل ہیں آپؐ کو طرح طرح سے ایذا پہنچا رہے ہیں، آپؐ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں تو مومنین تنگ آ کر بار بار یہ تمنا کر رہے ہیں کہ کاش کوئی معجزہ یا عذاب دکھا کر اللہ تعالیٰ ان کو راہِ راست پر لے آئے۔ مگر اس سورہ میں انہیں یہی نصیحت کی جا رہی ہے کہ کسی گھن گرج یعنی عذاب سے نہیں بلکہ دلوں کا اطمینان دلانے کے لئے اپنے کردار کا ہتھیار استعمال کرو۔ یہاں تک کہ انہیں خود اپنے کردار کو بدلنے کا خیال آئے۔ اس سورہ کی صرف ایک شعر میں تفسیر یہ ہے کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خود جس کو اپنی حالت کے بدلنے کا خیال

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۱۴ آیات: ۵۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ ابراہیم

ابراہیمؑ کی سورہ

تعارف: جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے اور پچھلی تین سورتوں میں ہم نے دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خاص امور کے حوالے سے جو سورتیں تھیں، وہ ان انبیاء کے ناموں سے ہی موسوم کر دی گئیں۔ اسی طرح ویسے تو حضرت ابراہیمؑ کے واقعات پورے قرآن کریم میں پھیلے ہوئے ہیں اور چونکہ دینِ اسلام کی موجودہ شکل جو ہمیں نظر آتی ہے اس کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ کی قربانی سے ہوتی ہے، یعنی اسلام بنیادی طور پر وہ مذہب ہے، جس کی ابتدا ہی حضرت ابراہیمؑ کی قربانی سے ہوتی ہے، مگر صحیح معنوں میں اس قربانی کو جو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے کے حوالے سے پیش کی اور اللہ کو وہ قربانی اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ ایک جانور دنبہ یا بکرا بھیج دیا اور کہا کہ ابراہیمؑ ہم تو تمہاری محبت کو آزما رہے تھے کہ تمہارے اللہ کے دین کو جب بھی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو تم اپنے عزیز ترین بیٹے یعنی اولاد سے زیادہ انسان کو اور کوئی پیارا نہیں ہوتا۔ اگر اولاد کو قربان کرنا پڑا تو تم پیچھے نہیں ہٹو گے۔ اسی لئے اس دینِ ابراہیمؑ یعنی اسلام کے پیغامبر حضرت محمد ﷺ نے اس دین کی بقا کے لئے اپنے عزیز ترین بیٹوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو وصیت کی کہ جب بھی دین کو قربانی کی ضرورت پیش آئے تو جان کو دین سے زیادہ عزیز نہ سمجھنا اور دینِ محمدؐ کو جب منافقین نے رسولؐ کے بعد وہاں پہنچا دیا، جہاں وہ مٹنے والا تھا تو امام حسینؑ نے اپنے گھر سمیت 72 اعزا و اقربا کی قربانی دے کر کربلا میں اس کو بچا لیا اور اس صورت حال کو علامہ اقبال نے اس طرح واضح کیا کہ۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہیں اسمٰعیلؑ (اقبال)

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(جوش)

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ ابراہیمؑ میں جو خاص مضامین ہیں ان میں سے سب سے اہم دو موضوع یہ ہیں۔ پہلا یہ کہ ذُریت ابراہیمی کے اندر ہر دور میں قیامت تک سچے مسلمان کی پہچان فراہم کی گئی ہے جو دین ابراہیمؑ یعنی اسلام کو اپنی قربانیوں اور کردار سے بچائیں گے اور یہ اللہ کے خاص بندے ہوں گے۔ دوسرے اس سورہ میں جو وضاحت کی گئی ہے وہ آسمانی پیغام کی زبان سے متعلق ہے' جو آیت نمبر 4 میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی جس قوم پر بھیجا' اس پر اسی قوم کی زبان میں اپنا کلام نازل کیا تا کہ وہ قوم اسے اچھی طرح سمجھے اور اسے یہ بہانہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ آپ کی بھیجی ہوئی کتاب کی تعلیم تو ہماری سمجھ میں نہ آتی تھی پھر ہم ایمان کیسے لاتے۔ دوسرے یہ کہ رسول تو بھیجے عرب میں اور وہ کلام سنائے چینی یا جاپانی یا لاطینی یا انگریزی میں۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تعلیم وتلقین کی اہمیت زیادہ رہی ہے' جس کے لئے ضروری تھا کہ ایک قوم کو اسی زبان میں پیغام پہنچایا جائے' جسے وہ اچھی طرح سمجھتی ہو مگر ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جو ہدایت حاصل نہ کرنے کے لئے زبان کو بہانہ بنا سکتے ہیں' ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اپنی زبان میں پیغام کو عملاً قبول کر لیں اور ضروری نہیں کہ کسی کلام کے عام فہم ہونے کی وجہ سے سب اسے مان بھی لیں۔ خدا کی وحدانیت اور رسالت کو تسلیم بھی کر لیں' ہدایت کی طاقت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' وہی جسے چاہتا ہے اپنے کلام کے ذریعے ہدایت عطا کرتا ہے اور جو شیطان کے شکنجے میں جکڑا رہے اس کے لئے یہ کلام الٹی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

باقی مضامین اس سورہ کے کم وبیش وہی ہیں جو سورہ ''رعد'' اور سورہ ''ھودؑ'' کے ہیں کہ

مسلمانوں کو تنبیہ اور ایمان نہ لانے والوں کیلئے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے ان کو پچھلے انبیاء اور کتابوں اور ان کا کہنا نہ ماننے والوں پر آنے والے عذاب کے حوالے سے ڈرایا گیا ہے۔ ظالموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنے بت پرست والدین کے لئے دعائے مغفرت کی گئی ہے وہ والدین جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کی۔ جنہیں آذر بت تراش کہا جاتا تھا جنہوں نے آخر تک وحدانیت کو تسلیم نہیں کیا جبکہ آپ کے حقیقی والدین کے لئے اس سے پہلے کی کتابوں میں ''اہل ایمان والوں میں سے'' کا لفظ ملتا ہے۔

جو لوگ خدا کی خوشنودی کے طالب ہوں اور اس سلسلے میں لوگوں کی ناراضی کی پروانہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پوری مدد فرماتا ہے اور انسانوں کی ناراضی سے ان کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا' اور جو لوگ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اللہ اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور ان کو انسانوں کے حوالے کر دیتا ہے (جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نصرت سے بھی محروم رہتے ہیں اور جن کی خوشی کے لئے اللہ کو ناراض کیا تھا ان کی مدد بھی نہیں ملتی۔ (حدیث نبوی)

سورہ نمبر ۱۵ | سورۃ الحجر | آیات: ۹۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ الحجر

حجر والی سورہ

تعارف: اس سورۃ کا نام "اصحاب حجر" کے تذکرہ کی وجہ سے ہوا ہے۔

آیت نمبر 10 یعنی "ولقد کذب اصحب الحجر المرسلین"

ترجمہ: اور حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں نشانیاں عطا کیں تو وہ ان سے روگرانی کرنے والے ثابت ہوئے وہ پہاڑوں کو تراش کر اطمینان کے ساتھ گھر بناتے تھے تو ان کو صبح ہوتے ہوتے ایک دھماکے نے گرفت میں لے لیا تو نہیں فائدہ دیا ان کو اس نے جو وہ حاصل کرتے تھے یعنی دنیا۔

موضوع کی تفصیل:

حجر والوں سے مراد یہاں قوم ثمود مراد ہے۔ حجر اس جگہ کا نام ہے جہاں وہ آباد تھے دوسرے مقامات پر قوم ثمود کی جانب سے صرف حضرت صالحؑ کے مبعوث ہونے کا ذکر ہے مگر یہاں کہا جارہا ہے کہ "پیغمبروں کو جھٹلایا" یعنی اس سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کے پاس برابر پیغمبر آتے رہے جن کی وہ تکذیب کرتے رہے اور آخری پیغمبر جن کی تکذیب کے بعد عذاب نازل ہوا وہ جناب صالحؑ ہیں۔ اس اعتبار سے کہ پیغام تمام پیغمبروں کا ایک ہی ہے اور وہ تمام پیغامات کو جھٹلاتے رہے جسے پیغمبروں کی تکذیب کہا گیا ہے۔

اس سورہ میں خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) قرآن کی حفاظت کا وعدہ۔

(2) فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم اور ابلیس کی نافرمانی کی بنا پر اسے راندۂ درگاہ کرنے کا تفصیلی تذکرہ۔

(3) دوزخ کے سات دروازے اور اہل بہشت سے کینہ وعداوت کا دور ہونا۔

(4) فرشتوں کا جناب ابراہیمؑ کے پاس آنا اور ولادت اسحاقؑ کی بشارت دینا۔

(5) قوم حضرت لوطؑ پر عذاب نازل کرنے کے لئے انہی فرشتوں کا جانا۔

(6) رسولِ خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرنے اور آپؐ پر (نعوذ باللہ) جادوگر ہونے کا الزام لگانے اور آپؐ کو نعوذ باللہ دیوانہ کہنے اور آپؐ کی تکذیب کرنے والوں کا انجام۔

سب سے بڑی بات جو اس سورۃ میں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے محبوبؐ کو تسلی و تشفی دے کر ہمت بندھاتا ہے کہ تم سے پہلے انبیاء اور ان کی قوم کا سلوک دیکھو اور انجام دیکھو۔

اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں...

اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

(سورۃ النساء ۳۸-۳۷:۴)

سورہ نمبر ۱۶

سورۃ النحل

آیات: ۱۲۸

مقام نزول: مکہ

شہد کی مکھی والی سورہ

تعارف: چونکہ اس سورۃ میں شہد کی مکھی کا خاص طور پر ذکر ہے اور اللہ کی ان تمام نعمتوں اور مخلوقات کا ذکر جن سے ہم نعمت حاصل کرتے ہیں۔ جن میں بھیڑ، بکریاں جن سے دودھ گوشت وغیرہ حاصل ہوتا ہے اور وہ جانور جو بار برداری کے کام آتے ہیں اس لئے اس سورۃ کو شہد کی مکھی کے حوالے سے "النحل" کہا گیا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کے خاص مضامین یہ ہیں:

(1) لڑکیوں کی ولادت پر لوگوں کا رنجیدہ ہونا اور اس جاہلانہ طرز عمل کی اسلام میں ممانعت۔

(2) انسان اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے عذاب میں بھی شریک ہوگا جنہیں اس نے گمراہ کیا ہوگا۔

(3) تلاوت کلام پاک کے موقع پر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنے کا حکم۔

(4) ہر امت کے گواہ ان کے نبی اور تمام انبیاء کے گواہ ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(5) حضرت ابراہیمؑ ایک عبادت گزار نبی ہی نہیں بلکہ امت ہیں یعنی ایک فرد نہیں بلکہ ادارہ ہیں۔

(6) ضبط وتحمل اور رواداری سے کام لینے کی خصوصی تاکید۔

(7) دل میں ایمان مستحکم ہو اور انتہائی شدید مظالم کفار کے موقع پر مصلحتاً تقیہ کا صریح حکم۔

(8) ہر قوم میں پیغمبروں کا بھیجا جانا۔

(9) نیک اعمال دنیا اور آخرت میں بہتری کے ذمہ دار ہیں۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر انسان کے علاوہ اپنی تمام مخلوقات کو نعمت الٰہی قرار

دیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ میری کسی مخلوق کو حقارت سے نہ دیکھو۔ چونکہ وہ سب تمہارے فائدے کے لئے ہے اگر تم غور اور فکر کرو تو تمہیں ان سے صرف فائدہ ہی فائدہ ہے۔ خواہ وہ سمندر کی مخلوق مثلاً مچھلی جسے تم کھاتے ہو دوسرے جانور اور چوپائے جن سے تم دودھ اور دوسری غذائیں حاصل کرتے ہو ان کی کھال سے چمڑہ جس کا تم لباس اور جوتے استعمال کرتے ہو اور پھر گدھا یا گھوڑا جسے تم سواری اور بار برداری کے لئے استعمال کرتے ہو۔ یہاں تک کہ معمولی سی شہد کی مکھی تک تمہیں وہ غذا فراہم کرتی ہے جس میں ہم نے شفا رکھی ہے یعنی شہد۔

لڑکیوں کی پیدائش پر زمانہ جاہلیت میں جو حقارت اور نفرت کا اظہار پایا جاتا تھا اور آج بھی مسلمانوں میں جہاں جہالت ہے وہاں یہ رویہ ابھی تک باقی ہے۔ اس سورۃ میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی سب سے خوبصورت تخلیق کے ساتھ جو سلوک کرتے ہو اسے مٹی میں پیدا ہوتے ہی دبا دیتے ہو تمہارا یہ عمل سیدھا سیدھا دوزخ کا راستہ ہے۔

ایک اور اہم بات اس سورۃ میں کفار کے شدید مظالم کے وقت جب کوئی صاحب ایمان تنہا ہو تو جب کوئی بھی ایسا کلمہ جو کفار اس سے کہلوانا چاہیں تو دل میں ایمان پختہ رکھتے ہوئے تقیہ کا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے چونکہ اگر صاحبان ایمان کو اسی طرح ختم کیا جاتا رہا تو کافروں کو تقویت ملے گی اور وہ تشدد کا راستہ اختیار کر کے تمام مسلمانوں کو ختم کرتے جائیں گے اس لئے بہت دانشمندی سے ایسا راستہ اختیار کرنے کا حکم ہے جس سے جان بھی بچ جائے اور ایمان میں بھی خلل واقع نہ ہو۔

اور ابراہیمؑ ایک امت ہیں' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ کا ایک ایسا مجموعہ تھے کہ ایک پوری قوم میں جتنے الگ الگ اوصاف ہوتے ہیں وہ ان میں اکٹھے تھے یعنی وہ پوری امت کے لئے مثالی نمونہ تھے۔ یعنی فرد نہیں بلکہ ادارہ تھے۔

سورۃ نمبر ۱۷ آیات: ۱۱۱

مقام نزول: مکہ

سورۃ بنی اسرائیل

تعارف: اس سورۃ کے نام سے بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ اس سورۃ میں بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا مگر بنی اسرائیل کا ذکر دوسری سورتوں میں زیادہ تفصیل سے موجود ہے' حقیقتاً اس سورۃ میں جس مسجد حرام کا ذکر کیا گیا ہے' بنی امیہ کے دور میں اس مسجد الاقصیٰ کا نام یہودیوں نے بیت المقدس تجویز کیا اور پھر آج تک اسے اسی نام سے پکارا جاتا ہے اور اس مسجد پر یہودیوں یعنی بنی اسرائیل کا قبضہ ہے مگر رسولؐ کے دور تبلیغ میں اسے مسجد اقصیٰ کہا جاتا تھا۔ اس کی پہلی ہی آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ سورہ معراج کے موقع پر نازل ہوئی۔ سورہ شروع ہوتی ہے اس پیغام سے کہ

"سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بر کنا حوله لنریه من ایتنا ط انه هو السمیع البصیر o

ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات جو لے گیا' اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام سے انتہائی اونچے سجدے کے مقام تک جس کے گرد و پیش ہم نے برکت ہی برکت قرار دی تا کہ ہم انہیں دکھائیں اپنی کچھ نشانیاں۔ یقیناً وہ سننے والا' بڑا دیکھنے والا ہے۔"

یہ پہلی ہی آیت اس "اسراء" یعنی معراج نبوی کا ذکر کرتی ہے اس لئے اصولاً تو اس کا نام "سورۃ الاسریٰ" ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ اس کے فوراً بعد بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور ان سے مخاطب ہو کر قرآن کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے بھی بنی اسرائیل کی روش اختیار کی تو جو دردناک انجام ان کا ہوا تم بھی اس کے لئے تیار رہو اور دوسری وجہ اس سورہ کا نام بنی اسرائیل رکھنے کی وہی ہے جو مسجد اقصیٰ کا نام بیت المقدس رکھنے اور سورہ "برأت" کا نام سورہ "توبہ" رکھنے کی ہے۔ قرآن کی ترتیب بدقسمتی سے ایسے سیاسی دور میں ہوئی جب منافقین خلافت کو بادشاہت میں بدلنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے چونکہ اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے' اس لئے منافقین اس کے زیر' زبر' پیش تک کو

تبدیل نہیں کرسکتے تھے اور تمام تر کوششوں کے باوجود وہ اس کی Order of Compilatin میں بس اتنی ہی تبدیلی کرسکے جس سے ان کے مطلب کو تو تقویت مل گئی مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر لفظ زیر زبر پیش اپنی جگہ موجود رہا۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے طالب علموں کو اپنے مطالعے کو وسیع کرنا چاہیے اور دنیا کے تمام مسلم مکاتب فکر کی تفسیروں سے استفادہ کرنا ہوگا۔ اس سورہ کے خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کی دو مرتبہ بدکاریاں اور ان کی سزا۔

(2) وہ قومیں اور امتیں جو اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے ہلاک ہوئیں۔

(3) حقوق والدین۔

(4) فضول خرچی کی مذمت' خرچ میں میانہ روی کی ضرورت' قانون قصاص۔

(5) اوقات نماز کا بیان۔

(6) جناب موسیٰؑ کے معجزات' پیغمبروں کی بشریت اور گریہ کرتے ہوئے اللہ کی یاد میں بہائے گئے آنسوؤں کی اللہ کے نزدیک حرمت۔ (آیت 101,100)

موضوع کی تفصیل :

معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا تھا اس لئے یہ سورہ بھی اسی دور میں نازل ہوئی ہے' جب مکہ میں تبلیغ اسلام اپنے عروج پر ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مکی زندگی کا آخری دور ہے' جب کفار اور مشرکین منافق مسلمانوں کو اپنے مذموم منصوبوں کے تحت استعمال کر رہے ہیں اور یہ منافقین جو زبان سے ایمان لے آئے ہیں مگر دل ان کے مشرکوں اور کافروں کے ساتھ ہیں۔ یہ صاحبان ایمان کی صفوں میں گھسے ہوئے ہیں اور حضور اکرمؐ کو توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے 12 سال گزر چکے ہیں۔ منافقین کی چالاکیوں اور مخالفین کی ہزاروں چالوں کے باوجود ہر راستہ روکنے کے باوجود آپؐ کی آواز عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی تھی۔ عرب کا

کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا تھا' جس کے دو چار آدمی آپ ؐ کی دعوت سے متاثر نہ ہو گئے ہوں۔ خود مکے میں ایسے مخلص جانثاروں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا' جو دعوت حق کی کامیابی کے لئے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار تھا۔ مدینے میں اوس اور خزرج کے طاقتور قبیلوں کی بڑی تعداد آپ کی حامی بن چکی تھی۔ اب وہ وقت قریب آچکا تھا جب آپ مکے سے مدینے کی طرف منتقل ہو جانے اور منتشر مسلمانوں کو سمیٹ کر اسلام کے اصولوں پر ایک ریاست قائم کر دینے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے اور آپ کے جانثار ساتھی مکے سے مدینے کی طرف منتقل ہو جانے اور منتشر مسلمانوں کو سمیٹ کر اسلام کے اصولوں پر ایک ریاست قائم کر دینے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے اور آپ کے جانثار ساتھی مکے سے مدینے تک آپ کی حفاظت میں کسی بھی مصیبت اور ابتلا کو برداشت کرنے کیلئے تیار تھے۔ اسی لئے ہجرت کی رات آپ اپنے سب سے قریبی عزیز اور پہلے مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر سلا کر ہجرت کر گئے اور کفار یہی سمجھتے رہے کہ رسول علیہ سو رہے ہیں۔ اسی دور میں معراج کا واقعہ پیش آیا ہے اور معراج سے واپسی پر اسلامی ریاست قائم کرنے کی خوشخبری آپ نے اپنے جانثار ساتھیوں کو سنائی اور باقی لوگوں کو سورہ بنی اسرائیل سنائی جو دراصل سورۃ اسریٰ کہلائی جا سکتی تھی۔ اس میں تنبیہ' تفہیم اور تعلیم تینوں طرز تخاطب ہمیں یکجا نظر آتے ہیں۔

تنبیہ کفار مکہ کو کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے انجام سے سبق لو اور خدا کی دی ہوئی مہلت کے اندر جس کے ختم ہونے کا زمانہ قریب آنے لگا ہے' اب سنبھل جاؤ اس دعوت کو قبول کر لو جسے قرآن کریم کے ذریعے رسول علیہ اپنے کردار اور عمل سے پیش کر رہے ہیں ورنہ مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ اس زمین پر بسا دیئے جائیں گے اور بنی اسرائیل کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تم تو کافر نہیں ہو' تم پر تو کتاب پہلے ایک نبی کے ذریعے آچکی ہے جس میں ہم نے اس آخری نبی کا تذکرہ اس آخری کتاب کا تذکرہ کیا تھا مگر تم نے اس میں ترمیم کر دی پہلے تمہیں اس کی سزا میں جو عذاب بھگتنے پڑے ان سے عبرت حاصل کرو۔ اسی حوالے سے حضرت موسیٰ کے معجزات اور فرعون کے تکبر کا تذکرہ اس سورۃ میں کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ ہماری وہ

آخری کتاب ہے کہ تم اس کے برابر کا ایک لفظ بھی لاکر دکھادو اور اس میں ترمیم کرنا چاہو تو تم ایسا نہیں کرسکو گے۔ چونکہ اس کی حفاظت کا وعدہ ہم نے کیا ہے۔ اس لئے اس آخری موقع سے فائدہ اٹھاؤ جو تمہیں حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے مل رہا ہے۔ تنبیہ کے بعد تفہیم کے پہلو کو بھی بڑے دلنشیں انداز سے سمجھایا گیا ہے۔ انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے توحید نبوت اور قرآن کے محافظوں کے برحق ہونے کی دلیل پیش کی گئی ہے۔ ان شبہات کو دور کیا گیا ہے جو کفار مکہ اور منافقین کی طرف سے ڈالے جارہے تھے۔

تعلیم کے پہلو میں اخلاق اور تمدن کے وہ بڑے بڑے اصول بیان کئے گئے ہیں جن پر زندگی کے نظام کو قائم کرنا' دعوت محمدیؐ کے پیش نظر تھا۔ یہ گویا اسلام کا منشور اور اسلامی ریاست کے قیام سے صرف ایک برس پہلے آنحضرت ﷺ نے اہل عرب کے سامنے پیش کیا ہے کہ جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ آپ کیسی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اس کے انتظامی امور کیسے ہوں گے' اس کا عدالتی نظام کیسا ہوگا' اس کی معیشت کیسی ہوگی اور وہ کیسے پوری انسانیت کے لئے ایک نمونے کا کام انجام دے گی۔

اس سورہ میں پہلی بار پانچ نمازوں کو تین اوقات میں ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے یعنی نمازوں کے اوقات مقرر کئے گئے ہیں۔ آیت نمبر 78 میں کہ

اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل و قرآن الفجر ط
ان قرآن الفجر کان مشھودا o

ترجمہ: نماز پڑھا کرو زوال آفتاب سے رات کے ڈھلنے تک اور صبح کو یعنی فجر کو پڑھیے یقینا صبح کا پڑھنا وہ موقع ہے کہ جب مشاہدہ کرنے والوں کی حضوری ہوتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ نے نماز فریضہ کے اوقات مقرر کئے ہیں کہ نمازیں تم پر پانچ فرض کی گئی ہیں مگر ایک نماز کو الگ کر کے ذکر کیا گیا ہے یعنی فجر کے وقت طلوع سورج یعنی شمس سے پہلے اور پھر نمازیں زوال آفتاب سے رات ڈھلنے تک یعنی اللہ آسانی چاہتا ہے کہ تم صرف

دین کے ہو کے نہ رہ جاؤ اور دنیا کے ضروری کام چھوڑ کر نماز کا بہانہ کرو کہ میں نے فلاں وقت کام اس لئے نہیں کیا کہ مجھے فلاں وقت کی نماز پڑھنی تھی اور نہ ہی دین کو بھلا کر دنیا کے ہو کے رہ جاؤ کہ میں نے فلاں نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ یہاں پھر یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام دین فطرت تھا اس میں اللہ نے انسانی فطرت کو دیکھتے ہوئے احکام جاری کئے تھے مگر دشمنان اسلام نے رسولؐ کے بعد اس سلسلے میں بھی ایسے ایسے کام مذہب اسلام اور قرآن کا حوالہ دے کر کئے کہ لوگ اس دین کو مشکل اور وقت طلب سمجھنے لگیں اور اس سے جان چھڑانے کی کوشش کریں اسی لئے اسلام نے ایک ایسا Balanced (متوازن) سسٹم دیا کہ انسان دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔ دنیا چھوڑنے کی روایت ہمیں رہبانیت عیسائیت میں ملتی ہے یعنی دنیا کی تکلیفوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے مقابلے سے بھاگ جانا یا پھر دنیا کی ہوس میں اس حد تک گرفتار ہو جانا کہ دین سے ہٹ جائیں ان دونوں انتہائی کیفیتوں سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

مسکین وہ نہیں جو ایک دو لقموں اور ایک دو کھجوروں کیلئے لوگوں کے دروازوں کے چکر لگاتا پھرے بلکہ مسکین تو درحقیقت وہ ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو جو اس سے بے نیاز کر دے اور ظاہراً اس کے مستحق ہونے کا پتا نہ چلے کہ اس سے صدقہ دیا جائے اور خود لوگوں سے سوال کرنے پر تیار نہ ہو۔ (حدیث نبویؐ)

سورۃ نمبر ۱۸ آیات: ۱۱۰

سورۃ الکھف

مقام نزول: مکہ

تعارف : پہاڑ کے غاروالی سورہ نویں آیت میں اذا اوی الفیۃ الی الکھف چونکہ اس سورہ میں الکھف یعنی پہاڑی کے ایک خاص غار اور ''اصحاب کہف'' یعنی اس غار میں پناہ لینے والوں کا تذکرہ ہے جو انتہائی دیندار تھے اس لئے اس سورہ کا یہ نام ہوا اس کے علاوہ اس سورہ میں جو مضامین ہیں وہ یہ ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

(1) آئندہ کے کسی کام کا وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنے کا حکم

(2) دو آدمیوں کی گفتگو جن میں ایک مالدار تھا مگر خدا فراموش تھا اللہ کو بھولا ہوا تھا اور دوسرا غریب تھا مگر اللہ پر توکل رکھنے والا جن کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو بھول کر اسباب ظاہری پر تکیہ کرنا غلط ہے۔

(3) شیطان کا جنات میں سے ہونا اور اس کے لئے نسل کی دلیل اور وجود۔

(4) حضرت موسیٰ اور جناب خضرؑ کی ملاقات' ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے تین قصے۔

(5) یاجوج وماجوج' کلماتِ الٰہی کی وسعت الانبیاء۔

(6) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقامِ بشریت۔

پس منظر اور وجہ نزول:

اس سورہ کے نزول کو سامنے رکھ کر اگر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کریں تو اس کے موضوع اور وجہ نزول کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس تقسیم کے لحاظ سے تیسرا دور تقریباً سن 5ء نبوی کے آغاز سے شروع ہو کر قریب قریب 10ء نبوی تک جاری رہتا ہے۔ اس

دور کو جو چیز دوسرے دور سے ممتاز کرتی ہے وہ بدترین ظلم پر صبر و استقامت کا مظاہرہ یہاں تک کہ کسی محفوظ مقام پر پناہ لے کر دنیا سے کٹ کر اور ہجرت جیسے تکلیف دہ مراحل سے گزرنا شامل ہے۔ اسی دور میں ہجرت حبشہ اور آنحضورؐ کو اپنے خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور کر دینے کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

جس طرح دوسرے دور میں تو قریش مکہ نے نبیؐ اور آپؐ کی تحریک کو دبانے کے لئے زیادہ تر تضحیک، توہین، اعتراضات، تہمتیں، الزامات اور انتہائی گرے ہوئے انداز سے مخالفانہ پروپیگنڈے پر اعتماد رکھا مگر تیسرے دور میں وہ اس حد تک بوکھلا گئے، اتنے **Frustrated** ہو گئے تھے کہ انہوں نے ظلم وستم، مار پیٹ (یاد رہے کہ یہ انسانی نفسیات ہے کہ جب دماغ کام کرنا بند کر دے تو ہاتھ استعمال کیا جاتا ہے، چاہے وہ خالی ہو یا ہتھیار کے ساتھ ہو) اور پھر سب سے ذلیل حرکت معاشی دباؤ کی اختیار کی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ملک چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی اور باقی ماندہ مسلمانوں کو اور ان کے ساتھ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور کر کے ان کا مکمل معاشی اور معاشرتی رابطہ منقطع کر دیا گیا، تاہم اس دور میں دو شخصیتیں ایسی تھیں جن کا تعلق مکہ کے معزز ترین خاندانوں سے تھا یعنی ایک حضرت ابو طالب اور دوسری بی بی خدیجۃ الکبریٰ اُم المومنین۔ چونکہ سارا عرب جانتا تھا کہ اسلام اگر پھیلا ہے تو رسول ﷺ کے کردار کی پاکیزگی، حضرت ابو طالبؑ کی ہر ہر قدم پر اپنے بھتیجے محمدؐ کی مدد اور تحفظ اور بی بی خدیجہؑ کی دولت جو ملکیۃ العرب کہلاتی تھیں۔ عرب کی سب سے امیر خاتون، مگر ان کی ساری دولت اسلام کی تبلیغ پر خرچ ہو چکی ہے، اس صورت حال میں جبکہ ان دونوں ہستیوں کا ذاتی اثر و رسوخ ایسا تھا کہ قریش کے دو بڑے خاندان نبیؐ کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ ان دونوں ہستیوں کو رسولؐ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا اور تین برس ان ہستیوں نے عرب کی امیر ترین خاتون بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے اس مفلوک الحالی میں بسر کیے جس کا تصور نا ممکن ہے۔ صرف رسولؐ کے کردار نے انہیں اتنا متاثر کیا تھا کہ آپ نے خود اپنی

شادی کا پیغام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھجوایا۔ جبکہ صرف عرب کے بڑے بڑے سردار ہی نہیں آس پاس کے قبیلوں کے سردار آپ سے شادی کے خواہشمند تھے مگر آپ انتظار کر رہی تھیں ایک ایسے شخص کا جو آسمان پر آپ کے لئے منتخب کیا جا چکا تھا۔ آپ نے نہ صرف سب سے پہلے رسولؐ کی وحی اور رسالت کا یقین کیا بلکہ گواہی دی کہ آپ ہی بے شک اللہ کے رسولؐ ہو سکتے ہیں اور اس طرح وہ دنیا کی پہلی مسلمان خاتون ہیں جنہوں نے نہ صرف اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہا بلکہ اپنی ساری دولت اس مذہب کی تبلیغ پر خرچ کر دی۔ مگر افسوس کہ شعب ابی طالب کی سختیاں اتنی شدید تھیں کہ 10 ہجری میں ان دونوں ہستیوں یعنی حضرت ابو طالبؓ اور بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کی آنکھ بند ہوتے ہی مکی زندگی کا یہ تیسرا دور بھی ختم ہو گیا اور چوتھے دور میں مسلمانوں پر مکے کی زندگی آخر کار اتنی تنگ کر دی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مسلمانوں سمیت مکہ سے نکلنا پڑا صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر سلایا اور مدینے ہجرت کی حضرت ابو طالب علیہ السلام بعد میں جا کر آپ سے ملے۔ اسی دور میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا ہو رہی تھی تو قرآن انہیں ''اصحاب کہف'' کا قصہ سناتا ہے تاکہ ان کی ہمت بندھے اور انہیں معلوم ہو کہ اہلِ ایمان اپنا ایمان بچانے کے لئے اس سے پہلے کیا کچھ کر چکے ہیں۔

اصل موضوع:

اس پس منظر کو جان لینے کے بعد جس میں یہ سورہ نازل ہوئی اب یہ بھی جان لیں کہ یہ سورہ مشرکین مکہ کے تین سوالات کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کی غرض سے اہلِ کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کے مشورے سے آپؐ کے سامنے پیش کیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سورہ یوسف میں آپ نے دیکھا کہ یہودیوں نے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان لینے کی غرض سے اہل مصر کی ہجرت والا سوال کیا تاکہ وہ جواب نہ دے سکیں اور وہ حضورؐ کی نبوت کو جھٹلا سکیں مگر اللہ نے آپؐ کی زبان پر قصہ یوسفؑ وزلیخا

جاری کردیا۔ اسی طرح آپؐ سے پوچھا گیا کہ اصحاب کہف کون تھے؟ قصہ خضرؑ کی کیا تفصیل ہے؟ اور ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ یہ تینوں قصے یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ سے متعلق تھے۔ حجاز میں ان کا کوئی چرچا نہ تھا' اسی لئے اہل کتاب نے امتحان کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا تھا تاکہ یہ بات کھل جائے کہ واقعی محمدؐ کے پاس کوئی غیبی ذریعہ علم ہے یا نہیں' مگر اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ تینوں قصے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری کردیئے بلکہ مشرکین کے پوچھے ہوئے تینوں قصوں کو اس صورت حال سے منسلک کردیا جو اس وقت مکہ میں کفر اور اسلام کے درمیان درپیش تھی۔ آپؐ نے پہلے اصحاب کہف کے بارے میں بتایا کہ وہ اسی توحید کے قائل تھے جس کی دعوت یہ قرآن پیش کررہا ہے اور ان کا حال بھی مکے کے مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں کے حال سے اور ان کی قوم کا رویہ کفار قریش کے رویے سے کچھ مختلف نہ تھا پھر اسی قصے سے اہل ایمان کو یہ سبق دیا گیا کہ اگر کفار کا غلبہ بے پناہ ہو اور ایک مومن کو ظالم معاشرے میں سانس تک لینے کی مہلت نہ دی جارہی ہو' تب بھی اس کو باطل کے سامنے سر نہ جھکانا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر تن تنہا ہی مقابلہ کرنا چاہئے۔ اصحاب کہف کا واقعہ عقیدہ آخرت پر کامل یقین کا کھلا ثبوت ہے' جس طرح خدا نے اصحابِ کہف کو ایک مدت دراز تک موت کی نیند سلانے کے بعد پھر اٹھایا' اسی طرح اس کی قدرت سے ہر چیز بعید ہے اور یہ کہ یہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے کوئی بڑی انوکھی چیز نہیں تھے۔ قدرت کی کارگزاریاں تو اس سے بہت بڑی انوکھی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

''ام حسبت ان اصحب الکھف و الرقیم کانو من ایتنا عجبا ط

کہف اور رقیم کی معنیٰ:

کہف کی معنی پہاڑ کے غار' اور رقیم کے معنی لوح یعنی تختی کے ہیں۔ ان اہلِ ایمان نے جس غار میں جا کر پناہ لی تھی' جہاں خالق مطلق نے ان پر ایک طویل نیند طاری کردی تھی جس کا سلسلہ کئی

سو برس تک جاری رہا اور تختی پر ان لوگوں کے نام لکھ کر بعد میں اسے غار کے دہانے پر آویزاں کر دیا گیا' دیوار پر نام لکھ دیئے گئے اس لئے ان کا پتہ دینے میں قرآن مجید نے کہف کے ساتھ رقیم بھی لکھا ہے۔

اصحاب کہف کا قصہ سناتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ظلم وستم اور تحقیر و تذلیل پر گفتگو شروع کر دی جو مکے کے سردار کھاتے پیتے لوگ اپنی بستی کی چھوٹی سی نومسلم جماعت کے ساتھ برت رہے تھے۔ مگر قرآن کریم مسلسل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت دے رہا تھا کہ ان ظالموں سے کوئی مصالحت کرو اور نہ اپنے غریب ساتھیوں کے مقابلے میں ان بڑے بڑے لوگوں کو کوئی اہمیت دو اور دوسری طرف ان رئیسوں کو نصیحت کی جا رہی تھی کہ اپنی چند روزہ عیش زندگی پر مت اتراؤ بلکہ ان بھلائیوں پر نظر رکھو جو ابدی اور پائیدار ہیں۔

اسی سلسلۂ گفتگو میں دوسرا قصہ بھی آپؐ کی زبان پر جاری ہو گیا جو خضرؑ اور موسیٰؑ کے حوالے سے تھا۔ اس قصے میں بھی یہی سبق دیا گیا تھا کہ اللہ کی مشیت کا کارخانہ جن مصلحتوں پر چل رہا ہے وہ تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں' اس لئے تم بات بات پر حیران ہوتے ہو' اس کے بعد قصہ ذوالقرنین آپؐ کی زبان پر جاری ہوا۔ نزول قرآن سے پہلے جتنے فاتحین عالم گزرے ہیں' ذوالقرنین ان میں سے ایک تھے جن کا ذکر قرآن پاک میں اس لئے آیا کہ وہ صرف ایک حاکم بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک توحید پرست اہلِ ایمان تھا جو اتنا بڑا فاتح اور فرمانروا ہونے کے باوجود یہ کہتا تھا کہ میری فتوحات اور میرے بنائے ہوئے منصوبے سب اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں' اگر وہ مجھ سے ناراض ہو جائے تو میری ساری فتوحات اور میری بنائی ہوئی مضبوط سے مضبوط دیواروں اور قلعوں کو پل بھر میں گرا دے۔ مفتوح قوم اس کے بس میں تھی' اللہ نے اس صورت حال میں اس کے ضمیر کے سامنے یہ سوال رکھ دیا کہ یہ تیرے امتحان کا وقت ہے یہ قوم تیرے آگے بے بس ہے تو شرافت کا سلوک کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی تیرے اختیار میں ہے اور اگر ظلم کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے۔

ذوالقرنین ممالک فتح کرتا ہوا مشرق کی جانب ایسے علاقے تک پہنچ گیا جہاں مہذب دنیا کی

سرحد ختم ہو جاتی تھی۔ آگے ایسی وحشی قوموں کا علاقہ تھا جو عمارتیں بنانا تو در کنار اپنے لئے خیمے تک نہ بناتے تھے' نہ کپڑے پہنتے تھے نہ ان میں آدمیت کی کوئی تہذیب پائی جاتی تھی۔ اب اس قصے میں ذوالقرنین کے حوالے سے ''یاجوج ماجوج'' کا ذکر ہو رہا ہے یہ اصطلاح ان وحشی قوموں کے لئے استعمال ہوئی ہے جو بحیرہ کیسپئن اور بحرہ اسود کے درمیان پہاڑی سلسلہ ہے یہ قوم ان پہاڑوں میں رہتی تھی اور قدیم زمانے میں یعنی عیسائیوں کی کتاب بائبل میں اس قوم کو حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث کی نسل میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ قوم تہذیب اور تمدن سے عاری تھی اور وقتاً فوقتاً ایشیا اور یورپ کے مہذب ممالک پر غارت گرانہ حملے کیا کرتی تھی۔ ذوالقرنین نے کہا کہ فرمانروا ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں اپنی قوم کو اپنی رعایا کو اس غارت گری سے بچاؤں' لوگوں نے اس سے کہا کہ اے ذوالقرنین اگر تو یاجوج ماجوج کے فساد سے ہمیں نجات دلادے ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند یا ایسی مضبوط دیوار تعمیر کرادے کہ یہ ہم تک نہ پہنچ سکیں تو ہم تجھے اس کیلئے ٹیکس دینے کو تیار ہیں' مگر ذوالقرنین نے کہا کہ تم پر الگ سے ٹیکس لگانا جائز نہیں ہے بلکہ جو خزانہ اللہ تعالیٰ نے میرے حوالے کیا ہے' وہ اس خدمت کے لئے کافی ہے' البتہ ہاتھ پاؤں کی محنت سے تم کو میری مدد کرنی ہوگی اور پھر اس نے اپنی حد تک ایک انتہائی مضبوط و مستحکم دیوار بنائی مگر اس نے اس پر تکبر کرنے کے بجائے یہ کہا کہ اگرچہ میں نے بہت مضبوط اور پائیدار دیوار بنادی ہے مگر یہ لازوال نہیں۔ لازوال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جب تک اس کی مرضی ہوگی یہ قائم رہے گی اور جب وقت آئے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کی تباہی کیلئے مقرر کر رکھا ہے تو پھر اس کو پارہ پارہ ہونے سے کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔ چونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اب ''وعدے'' سے مراد یہاں یہ بھی ہے کہ ایک ساعت اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی فنا اور موت کے لئے مقرر فرمادی ہے یعنی قیامت۔ مسلمان کا ایمان قیامت کے دن پر ہی ہے کہ اگر وہ کوئی معمولی آدمی ہے تو بھی اور اگر بادشاہ ہے تو بھی' اگر قیامت اور آخرت پر یقین کرتا ہے تو کبھی تکبر میں مبتلا نہیں ہوگا۔

نوٹ: بعض ادوار میں اس دیوار اور بند کے بارے میں تحقیق ہوتی رہی ہے اور عام خیال

اس تحقیق کے نتیجے میں یہ وجود میں آیا کہ جو دیوار ذوالقرنین نے بنوائی وہ دیوار چین ہے۔ اس خیال کو اس لئے تقویت ملی کہ یاجوج ماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو منگولی، ہن اور سیتھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں اور ان حملوں سے بچنے کے لئے یہ دیوار تعمیر کی گئی تھی اور یاجوج ماجوج سے مراد وہ قومیں ہیں جو اس دیوار کی تعمیر کے بعد متمدن اور مہذب ہو کر چین اور جاپان کہلانے جانے والے ملکوں میں آباد ہیں۔

اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی فحش کام اُن سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ کو معاف کر سکتا ہو۔ اور وہ کبھی دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔

(سورۃ آل عمران ۳:۱۳۵)

99% of failure come from people who have the habit of making excuse.

(George Washington Carver)

سورۃ نمبر ۱۹ | آیات: ۹۸
مقام نزول: مکہ

سورۃ مریم

تعارف: ویسے تو قرآن کریم میں کئی جگہ حضرت مریمؑ جو حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں ان کا تذکرہ ہوا ہے مگر اس سورہ میں تفصیل سے بی بی مریم بنت عمران کا تذکرہ مسلمانوں کی زبان سے ایک عیسائی بادشاہ نجاشی کے دربار میں حضرت علیؑ کے بھائی حضرت جعفر ابی طالب کی زبانی اس طرح ہوا کہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا اور وہ اتنا رویا کہ روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جب حضرت جعفر ابی طالب نے سورہ مریم کی تلاوت ختم کی تو اس نے کہا "یقیناً یہ کلام وہی ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔" اور وہ سرچشمہ ہے خدائے بزرگ و برتر۔

موضوع کی تفصیل:

جس دور میں یہ سورہ نازل ہوئی اس کے حالات کی طرف سورہ کہف میں تفصیل سے تذکرہ ہو چکا ہے کہ قریش کے سردار نے ظلم و جبر کی انتہا کر دی تھی خصوصاً غریب نومسلم غلام مثلاً جیسے حضرت بلال حبشیؓ، عامر بن فہیرہ، عمارؓ بن یاسر اور ان کے والدین۔ ان کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا، مکے کی تپتی ہوئی ریت پر چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔ اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوشش کی جاتی اور جو لوگ معاشرے میں عزت کا مقام رکھتے تھے ان کو ہر طریقے سے ذلیل و رسوا کیا جاتا، یہ حالات جب ناقابل برداشت ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں حبش بھیج دیا جائے، وہ بے شک اہل کتاب عیسائی بادشاہ نجاشی کی ریاست ہے وہ عیسائی ضرور ہے مگر منافق نہیں ہے اور اس کی شہرت یہ ہے کہ اس کی ریاست میں

کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور یہ بہترین موقع ہوگا کہ وہ دعوت اسلام بھی وہاں پیش کی جا سکے' جس کو قبول کرنے کی صلاحیت اس ریاست میں زیادہ نظر آتی ہے۔

اس مشورے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب کی سربراہی میں بیشتر مسلمانوں کو آہستہ آہستہ حبش کی طرف ہجرت کروادی۔ یہ اسلامی تاریخ میں مکے سے کسی اور سرزمین کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت ہے۔ اس ہجرت سے مکے کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا چونکہ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم و چراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہوں۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد' کسی کی بہن گئی تو کسی کا بھائی۔ اس واقعے کے بعد لوگ اسلام دشمنی میں اور زیادہ سخت ہو گئے (مولانا مودودی جو تفسیر قرآن کے حوالے سے بہت بڑے اسکالر کی حیثیت رکھتے ہیں) ان کی تفسیر میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضرت عمر علیہ السلام کی اسلام دشمنی پر چوٹ اس واقعے سے لگی کہ ان کی قریبی عزیز لیلیٰ بنت حشمہ ہجرت کے لئے اپنا سامان باندھ رہی تھی ان کے شوہر کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے' حضرت عمرؓ آئے اور کہنے لگے عبداللہ کی ماں جا رہی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا ہے' اللہ کی زمین کھلی پڑی ہے' اب ہم اس کی راہ میں نکل رہے ہیں تو وہ ہمیں چین دے گا۔

اس گفتگو اور ایمان کی طاقت سے حضرت عمرؓ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب ان کو زور زبردستی سے نہ روکا جا سکے گا اس لئے وہ واپس سرداران مکہ کے پاس آئے اور ایک دوسری ترکیب سوچی گئی کہ ابو جہل کے بھائی عمرو بن العاص کو قیمتی تحائف دے کر حبش بھیجا جائے کہ وہ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کر لیں کہ وہ ان مہاجرین مکہ کو واپس بھیج دیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں انہوں نے بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ دونوں سیاسی ماہرین مکہ ہمارے تعاقب میں حبش پہنچ چلے۔ انہوں نے نجاشی کے درباری وزیروں مشیروں میں خوب تحائف تقسیم کئے اور سب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ نجاشی کو

مشورہ دیں بلکہ دباؤ ڈالیں کہ ان مہاجرین مکہ کو واپس بھیج دیا جائے۔ پھر نجاشی سے ملے اور تحفے تحائف دینے کے بعد کہا کہ ہمارے شہر کے کچھ نادان لڑکے بھاگ کر آپ کے یہاں آ گئے ہیں اور قوم کی اشرافیہ نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ سے ان کی واپسی کی درخواست کی جائے۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہونا چاہتے بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکالا ہے۔ ان کی بات ختم ہوتے ہی وہ وزیر مشیر جنہوں نے قیمتی تحائف لئے ہوئے تھے وہ بول اٹھے کہ ہاں ایسے لوگوں کو واپس کر دینا چاہیے چونکہ ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے مگر نجاشی نے ان کی بات پر بگڑ کر کہا کہ جن لوگوں نے اپنا وطن چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں یہ جانتے ہوئے پناہ لینے آئے کہ میں ان کے دین سے تعلق نہیں رکھتا' یقیناً یہ تکلیف میں ہیں۔ میں ان کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا' پہلے میں انہیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس کے بعد نجاشی نے تمام مہاجرین کو دربار میں طلب کیا اور ان کے نگران حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تم لوگوں نے اپنی قوم کے دین کو بھی چھوڑ دیا اور میرے دین میں بھی داخل ہونا نہیں چاہتے تو آخر تمہارا دین کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں پہلے عرب جاہلیت کی دینی' اخلاقی اور سماجی خرابیوں کو بیان کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپؐ کی تعلیمات کیا ہیں پھر ان بدترین مظالم کا ذکر کیا' جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والوں پر قریش مکہ ڈھا رہے تھے۔ پھر اپنے کلام کو اس بات پر ختم کیا کہ ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس لئے کیا کہ ہمارے نبی کریمؐ نے اس ریاست کی نشاندہی یہ کہہ کر کی کہ یہاں ظلم نہیں ہوتا۔ نجاشی پر حضرت جعفرؓ کی تقریر کا بہت اثر ہوا' تب حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی وہ ابتدائی آیات سنائیں جو حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے متعلق تھیں۔ نجاشی ان کو سنتا رہا اور روتا رہا اور تصدیق کی اور کہا کہ بے شک محمد اللہ کے وہ بندے اور رسولؐ ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریمؑ سے پیدا کیا تھا۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام

قیمتی تحائف واپس کر دیے اور کہا کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان سے رہو اب تم میری پناہ میں ہو۔

مرکزی نکتہ:

اس پس منظر میں جب ہم اس سورہ کو دیکھتے ہیں تو سب سے اہم اور اول بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان اس وقت ایک مظلوم پناہ گزیں گروہ کی حیثیت سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے تھے مگر اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں تنہا نہیں چھوڑا اور اس معاملے میں سامانِ سفر میں سورہ مریم کو ان کا سہارا بنا دیا تاکہ عیسائیوں کے ملک میں عیسیٰ علیہ السلام کی بالکل صحیح حیثیت پیش کر سکیں اور ان کے ابن اللہ ہونے کا صاف صاف انکار کر دیں کہ اللہ کی قدرت سے جب آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ماں سے پیدا کر سکتا ہے اور بی بی مریمؑ کی پاکیزگی کی گواہی قرآن دے رہا ہے۔ لہٰذا یہ کلام خدا کا ہی ہے اور محمدؐ پر یہ کلام نازل کیا گیا ہے۔

پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں

(سورۃ الماعون ۱۰۷:۴)

وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

(اقبال)

سورہ نمبر ۲۰ | آیات: ۱۳۵
مقام نزول: مکہ

سورہ طٰہٰ

تعارف : لفظ طٰہٰ جس سے اس سورہ کا آغاز ہوا ہے وہ ان ہی حروف مقطعات قرآن کی طرح ہے جیسے الم، حٰم، کھٰیعص، ن، حمعسق وغیرہ یہ حروف دراصل وہ راز ہیں قدرت کے جنہیں سمجھنے کا انسان اہل نہیں ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو چونکہ تم اس کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور بس یہ تو صرف میرے اور میرے محبوبؐ کے درمیان ایک سربستہ راز ہیں جو اس وقت کھلیں گے جب قدرت چاہے گی۔ مگر بعض مفسرین نے ان حروف کو خاص طور پر طٰہٰ کو حضورؐ کا ایک نام سمجھ لیا ہے۔ چونکہ اس سورہ کے اترنے سے پہلے ہی آپ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور اس عبادت میں مشقت اٹھاتے تھے اس لئے پہلی ہی آیت میں چونکہ طٰہٰ کے معنی طیب وطاہر یعنی پاک کے ہیں تو پہلی ہی آیت میں اس سورہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے کہ اے طٰہٰ یعنی پاک ذات ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم اس قدر زحمت اور مشقت برداشت کرو اور خدا نخواستہ تمہیں مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ یہ قرآن نہ تم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ پتھر کی چٹانوں سے دودھ کی نہر نکالو نہ ماننے والے ہٹ دھرم لوگوں سے توحید کو منوا کر چھوڑو اور ہٹ دھرم لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر کے دکھاؤ۔ یہ تو بس ایک نصیحت اور یاد دہانی ہے تاکہ جن کے دل میں خدا کا خوف ہو وہ اپنے دل میں اس کو محسوس کرے، عقل کو استعمال کرے اور سمجھ لے کہ خدائی اس کے سوا کسی کی نہیں جس نے تمہیں خلق کیا، تمہارے ماننے نہ ماننے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا وہ بے نیاز ہے۔

(1) اس تمہید کے فوراً بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ چھیڑ دیا گیا ہے کہ کیا تم تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہنچا ہے کہ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے بال بچوں سے کہا کہ تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں تمہارے لئے اس میں سے کچھ آگ لے آؤں یا وہ آگ کچھ راستہ دکھائے اس لئے کہ شدید جاڑا یعنی سردی تھی اور اوس کے باعث راستہ تک دکھائی

نہ دیتا تھا مگر جب حضرت موسیٰ اس آگ کے پاس پہنچے تو صدا آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا پروردگار ہوں تم اپنی جوتیاں اتار دو بلاشبہ تم مقدس و محترم وادی طویٰ میں ہو اور میں نے تمہیں منتخب کیا ہے اور غور سے سنو اس کلام کو جسے وحی کہا جاتا ہے کوئی خدا نہیں' سوائے میرے۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز ادا کرو یقیناً قیامت آئے گی مگر میں چاہتا ہوں کہ اسے پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر نفس اس وقت تک جو کوششیں کرے اسے قیامت کے روز اس کا معاوضہ ادا کروں اور اگر تمہیں کوئی روکے میری عبادت سے جو ایمان نہیں رکھتا میری وحدانیت اور روز قیامت پر تو میں اسے ہلاک کروں' یعنی اردو میں اس پر ایک شعر بھی کہا جاتا ہے کہ

خدا کے فضل کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ جائیں آگ لینے کو پیمبری مل جائے

یعنی یہ قصہ چھیڑتے وقت اس سورہ میں ان حالات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اے اہل مکہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ جان لو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے یہودی اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن کر کھڑے تھے اس لئے کافروں اور مشرکین کے ہاتھ مضبوط کرنے والے یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ یاد دہانی کرائی جا رہی ہے ان کی اپنی کتاب توریت' انجیل اور انبیاء میں سے حضرت موسیٰ کے حوالے سے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت اس طرح عطا نہیں کیا کرتا کہ ڈھول بجا کر ایک دنیا اکٹھی کر لی جائے اور پھر باقاعدہ ایک تقریب کی صورت میں یہ اعلان پڑھ کر سنایا جائے کہ آج سے ہم نے فلاں شخص کو نبی مقرر کر دیا ہے بلکہ نبوت تو جس کو بھی عطا کی گئی ہے اس کو راز میں رکھ کر دی گئی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اب تمہیں کیوں اس بات پر حیرت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکا یک نبی بن کر تمہارے سامنے آ گئے اور نہ اس کا اعلان آسمان سے ہوا' نہ زمین پر فرشتوں نے چل پھر کر اس کا ڈھول پیٹا۔ ایسے اعلان پہلے نبیوں کے تقرر پر کب ہوئے تھے کہ آج ہوتے اور جو بات آج توحید اور نبوت سے متعلق منصب نبوت پر فائز ہو کر محمدؐ کر رہے ہیں' وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سکھائی تھی۔

(3) پھر جس طرح آج حضرت محمدؐ کو بغیر کسی سروسامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلے

میں دعوت حق کا علم بردار بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یکا یک اتنے بڑے کام پر معمور کر دیئے گئے تھے کہ جا کر فرعون جیسے جابر بادشاہ کو سرکشی سے باز آنے کی تلقین کریں کوئی لشکر یا فوج ان کے ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے ایسے ہی عجیب ہوتے ہیں وہ مدین سے مصر جانے والے ایک مسافر کو راہ چلتے پکڑ کر بلا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ جا اور وقت کے سب سے بڑے جابر حکمران سے جا کر ٹکرا جا اور اگر کوئی بہت بڑی مدد دے رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخواست کرنے پر تو بس اتنی کہ ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو مددگار کے طور پر ساتھ دے دیا کوئی فوج، ہتھیار، ہاتھی گھوڑے اس کار عظیم کے لئے نہیں دیئے گئے۔

(4) اور جو ہتھکنڈے، اعتراضات اور الزامات مکر وظلم کی ترکیبیں آج اہل مکہ آنحضرتؐ کے مقابلے میں استعمال کر رہے ہیں ان سے بڑھ چڑھ کر وہی سب ہتھیار فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں استعمال کئے تھے پھر دیکھ لو کہ کس طرح وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہوا اور آخر کار کون غالب آ کر رہا۔ خدا کا بے سرو سامان نبی موسیٰؑ یا جاہ وجلال لاؤ لشکر والا فرعون اور پھر مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ یہاں بھی محمدؐ نے اسلام کی تبلیغ کی دعوت شروع کی تو صرف ایک چھوٹا بچہ جو رسول کا چچازاد بھائی ہے، علی کرم اللہ وجہہ وہ سب سے پہلے اٹھ کر نہ صرف اسلام قبول کرتا ہے بلکہ مددگار کا لفظ اپنے لئے استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یا محمد مصطفیؐ میں آپ کا بھائی علیؑ اس کام میں آپ کا مددگار رہوں گا، اسی لئے آنحضورؐ کی یہ متفقہ حدیث ہے کہ ”علیؑ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰؑ کو ہارونؑ سے تھی“۔

لہٰذا اسی صورت میں مسلمانوں کو یہ تسلی بھی دی جا رہی ہے کہ اپنی بے سرو سامانی اور کفار قریش کے اتنے زیادہ سامانِ حرب پر نہ جاؤ جس کام کے پیچھے اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے، وہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صرف ایک مددگار مگر سچے جانثار مددگار کے ساتھ مل کر بھی جھوٹی قوتوں پر بھاری ہوتا ہے اور غالب آ جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے سامنے جادوگران مصر کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ جب اللہ نے اپنا معجزہ دکھایا موسیٰؑ و ہارونؑ کے حوالے سے تو فرعون کے درباری جادوگر ذلیل و رسوا ہوئے اس مثال کو دیکھ کر مسلمانوں کے دلوں کو ایمان سے منور کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

سورہ نمبر ۲۱ سوۃ الانبیاء آیات: ۱۱۲
مقام نزول: مکہ

نبیوں کی سورہ

تعارف: اس سورۃ کا نام کسی خاص آیت سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ اس میں چونکہ بہت سے انبیاء کرام کا تذکرہ موجود ہے اس لئے اس کا نام سورۃ انبیاء رکھ دیا گیا۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول بھی مکی زندگی کا تیسرا دور ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ میں وہ کشمکش زیر بحث ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ اور سرداران قریش کے درمیان پائی جاتی ہے۔ سرداران مکہ کی یہ کوشش تھی کہ وہ لوگوں پر یہ اثر واضح کریں کہ ایک عام بشر جو ہماری طرح کا انسان ہے وہ کبھی رسول نہیں ہو سکتا اور دوسری سب سے بڑی چال ان کی یہ تھی کہ وہ آپ کو کسی نہ کسی طرح جادوگر Declear کردیں اور لوگوں کو تنبیہ کریں کہ وہ ان کے جادو میں نہ پھنسیں۔ ان کی اس حرکت پر ان کو تنبیہ کرتے ہوئے اس سورہ کا آغاز ہی اس بات سے ہو رہا ہے کہ "اقترب للناس حسابهم وهم في غفلة معرضون ج قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے حساب کتاب کا وقت اور وہ ہیں کہ بے خبری میں مبتلا ہیں اور چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر ٹھہراتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کی طرف سے گمراہ کیا جا سکے۔ حالانکہ وہ تو صاف صاف تم سے کہتا ہے کہ میرا پروردگار جانتا ہے ہر اس بات کو جو زمین میں ہے اور آسمان میں ہے۔

اس سورہ میں یہ یاد دہانی کروائی گئی ہے کہ تم جو اس زندگی کو ایک کھیل تماشا تصور کرتے ہو کہ چند روز میں کھیل کر یونہی وقت ختم ہو جانا ہے اس لئے جتنی عیاشی کرنی ہے بس کر لو اس کے بعد کوئی نتیجہ نہیں نکلنا کسی بھی عمل کا تو تم غفلت اور بے خبری میں ہو تم حساب کتاب جزا اور سزا کے

بارے میں جو غفلت اور بے اعتنائی برت رہے ہو دراصل یہی تمہاری ساری برائیوں کی جڑ ہے اور یہ اس خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی ہے کہ وہ اس نتیجے کے دن کے آنے سے پہلے کئی ہزار مرتبہ اپنے انبیاء اور کچھ انبیاء کے ساتھ صحیفے بھی بھیج کر تمہیں اس دن کے آنے سے پہلے خبردار کرتا رہا اور اب آخر میں اس نے تمام تجربوں کا نچوڑ آخری کتاب اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں تمہارے پاس بھیجا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے اہم واقعات بتاتے ہوئے اس سورہ میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ تمام پیغامبران اجمعین خدا کی طرف سے آئے تھے، وہ انسان ہی تھے اور نبوت کے امتیازی وصف کو چھوڑ کر دوسری صفات میں وہ ویسے ہی انسان تھے، جیسے دنیا کے عام انسان ہوا کرتے ہیں۔ الوہیت اور خدائی کا ان میں شائبہ تک نہ تھا بلکہ اپنی ہر ضرورت کے لئے وہ خدا کے آگے خود ہاتھ پھیلاتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ انہی انبیاء کرام پر ہر طرح کے مصائب آئے اور ان کے مخالفین نے بھی ان کو برباد کرنے کی کوششیں کیں مگر آخرکار اللہ تعالیٰ کی طرف غیر معمولی طریقوں سے ان کی نصرت فرمائی گئی۔ دوسری اہم بات جو کم و بیش ہر سورہ میں دوہرائی گئی ہے کہ تمام انبیائے خدا کا دین ایک تھا اور وہ وہی دین تھا جسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کر رہے تھے، جو دراصل انسانیت کا مذہب ہے اور اصل دین یہی ہے، باقی تمام مذاہب جو دنیا میں ہیں، وہ محض گمراہ انسانوں کے ڈالے ہوئے تفرقے ہیں۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

*(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورہ نمبر ۲۲

سورۃ الحج

آیات: ۷۸

مقام نزول: مدینہ

حج کی سورہ

تعارف: اس سورہ میں مکی اور مدنی سورتوں کی ملی جلی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے مفسرین میں کچھ اختلاف ہوا اس لئے اکثر اس سورہ کی پیشانی پر مدنی لکھا ہوتا ہے جبکہ پوری سورۃ کی تفسیر سے اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں کہ اس کا ایک حصہ مکی دور کے آخر میں اور دوسرا مدینہ میں ہجرت کے فوراً بعد بلکہ شاید پہلے ہی سال ذوالحج میں نازل ہوا ہے۔ دراصل یہی وہ تفرقہ پھیلانے والے گمراہ لوگ ہیں جو ان باتوں پر تفرقہ پھیلاتے ہیں جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے مکہ میں نازل ہوا تب بھی اور مدینے میں نازل ہوا تب بھی۔ ہاں واقعات اور تفسیر کے مضمون اور اندازے سے کوئی بھی صاحب علم وفکر یہ جان سکتا ہے کہ یہ آیت یقیناً مکے کی ہے یا مدینے کی۔ مگر جب دین میں تفرقہ ڈالنا نیت میں شامل ہو فساد پھیلانے کے لئے پہلے نیت ہی کی ضرورت ہوتی ہے بہر حال اللہ تعالیٰ ان منافق مسلمانوں سے کافروں کے مقابلے میں زیادہ غضبناک ہوگا جنہوں نے صرف زبانوں سے اسلام کا اقرار کیا مگر ان کے دل اور نیت کفر ونفاق سے خالی نہ تھی۔

اب اس سورۃ میں خطاب ہو رہا ہے رسولؐ سے مگر ڈرایا جا رہا ہے ان کو جنہوں نے ٹھان لی ہے کہ وہ ہر ہر قدم پر لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ اب پہلی آیت میں ڈرایا جا رہا ہے قیامت کے زلزلے کی ہولناکی سے کہ ''اے لوگو اپنے رب کے غضب سے بچو' حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ قیامت کا زلزلہ آ کر رہے گا اور جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی ماں بھول جائے گی اسے جسے وہ اس وقت دودھ پلا رہی ہوگی'' اب یہاں نفسانفسی کے عالم کی تصویر کشی کی جا رہی ہے کہ لوگ اس قدر خوفزدہ ہوں گے۔ اپنے اعمال کے حساب کے خوف سے کہ سب سے قریبی رشتے

کی شدت یعنی ماں کو بچے کے سوا کوئی عزیز نہیں ہوتا' مگر وہ اپنے بچے تک کو بھول جائے گی۔ یہ صرف ایک مثال دی گئی ہے کہ روزِ محشر انسان کا دل خوف کی کس کیفیت میں ہوگا۔

اس مضمون سے شروع کر کے گفتگو کے اہم موضوع حضرت ابراہیمؑ کی ندائے حج اور قیامت تک اس کا جو اثر ہے' اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اس سورۃ میں دفاعی جنگ یعنی انسان کو دفاع کی اجازت دی گئی ہے صرف اپنے انفرادی معاملات ہی میں نہیں بلکہ اجتماعی' قومی اور پھر بین الاقوامی طور پر اس کی ضرورت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے تاکہ تمہیں کمزور سمجھ کر کوئی تم پر حملے کرتا ہی نہ چلا جائے۔

تیسرا اہم موضوع اس سورۃ میں مکھی کی مثال دے کر قدرت الٰہی کے سامنے انسان کی عاجزی اور اس کی حقیقت بتائی گئی ہے آیت نمبر 73 میں فرمایا گیا ہے کہ یہ جو تم اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو' تو ذرا ان سے کہو کہ یہ صرف ایک مکھی تک کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے پھر کس بات پر یہ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔

چوتھا موضوع اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار برس کا ہے۔

پانچواں نکتہ اس آیت میں مسلمانوں کے لئے مسلم نام کی ابتدا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ کا دین اختیار کرنے پر مسلم کہا جارہا ہے۔

اب چونکہ اس سورۃ کا نام الحج رکھا گیا ہے جو اس سورۃ کی 25 ویں آیت کی مناسبت سے ہے: جس میں کہا گیا ہے کہ ''بلاشبہ وہ جو کافر ہیں اور لوگوں کو اس مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لئے پاک اور محترم قرار دیا ہے کہ وہ اس جگہ پر ہر سال ایک دن اکٹھے ہو کر میدان عرفات میں دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے ایک جگہ جمع ہونے کے مقاصد کو سمجھیں مگر وہ جو اس جگہ کے مجاور ہیں وہ اگر روکتے ہیں ان جمع ہونے والے مسلمانوں کو تو وہ ظلم کرتے ہیں اور ہم انہیں اس حرکت پر دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔'' برابر ہیں اس میں وہاں کے مجاور اور باہر سے آنے والے یعنی ''غیر ملکی یا ملکی کا سوال نہیں ہے' کعبہ پر سب کا حق ہے اور اس کا یہ بھی

واضح مطلب ہے کہ حجاز کا جو بھی فرمانروا ہو اسے وہاں کی عبادت گاہوں کا تمام مسلمانانِ عالم کی طرف سے امین سمجھنا چاہیے وہ صرف امانت دار ہے۔ اسے اپنے کسی خاص مسلک یا فقہ کے مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے وہاں تمام مسلمانانِ عالم کا برابر حق ہے۔

پس منظر:

اس سورۃ میں مکے کے جو تین گروہ مخاطب کیے گئے ہیں ان میں دو وہ ہیں جنہیں عذاب کی خبر دی جارہی ہے یعنی مشرکین اور شک کرنے والے اور دوسرے منافقین جبکہ وہ مومنین جو دل اور عمل دونوں سے اسلام کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اب آیت نمبر 25 سے 41 تک کا مضمون اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت کے پہلے سال ہی نازل ہوئی۔ جب مہاجرین ابھی تازہ تازہ ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آئے تھے اور حج کے زمانے میں ان کو اپنا شہر اور حج کا اجتماع یاد آرہا ہوگا اور یہ بات بری طرح کھل رہی ہوگی کہ مشرکین قریش نے ان پر مسجد حرام کا راستہ تک بند کر دیا ہے۔ اس زمانے میں وہ اس بات کے بھی منتظر ہوں گے کہ جن ظالموں نے ان کو گھروں سے نکالا مسجد حرام کی زیارت سے محروم کیا اور خدا کا راستہ اختیار کرنے پر ان کی زندگی تک دشوار کر دی ان کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت مل جائے۔ یہ ایک نفسیاتی مرحلہ آن پہنچا تھا انسانی فطرت اور شیطانی فطرت کا کھلا مقابلہ یہاں نظر آتا ہے کہ عین اسی وقت ان آیات کا نزول ہوتا ہے جس میں حج کا ذکر کرتے ہوئے بتایا جارہا ہے کہ یہ مسجد حرام اس لیے قائم کی گئی تھی اور حج کا طریقہ اس لیے شروع کیا گیا تھا کہ دنیا میں خدائے واحد کی بندگی کی جائے اور تمام مسلمان خدائے واحد کو گواہ بنا کر اس موقع پر اس ایمان کامل کا مظاہرہ کریں (جن مقاصدِ حج کا ذکر ہم آگے کریں گے) جن پر چل کر ہی مسلمان دنیا پر اسلام کے بتائے ہوئے قائدے قانون کے مطابق حکومت کرسکتے ہیں مگر آج وہاں شرک ہو رہا ہے اور خدائے واحد کی بندگی کرنے والوں کے لیے اس کے راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ ان ظالموں کے

خلاف جنگ کریں اور انہیں بے دخل کر کے ملک میں وہ صالح نظام قائم کریں جس میں برائیاں مٹ جائیں اور نیکیاں فروغ پائیں۔

کچھ مفسرین کی رائے میں یہی پہلی آیت تھی جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کے بعد ہی قریش کے خلاف عملی سرگرمیاں شروع کر دی گئیں۔

اسی طرح اس سورۃ میں ان مسلمانوں کو سرزنش Warning کی جا رہی ہے' جو خدا کی بندگی کو قبول تو کر چکے ہیں مگر اس کی راہ میں کوئی خطرہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کو خطاب کرتے ہوئے سخت لہجہ استعمال کیا جا رہا ہے کہ آخر یہ کیسا ایمان ہے کہ راحت' مسرت اور عیش نصیب ہو تو خدا تمہارا اور تم اس کے بندے ہو' مگر جہاں خدا کی راہ میں مصیبت آئی اور سختیاں جھیلنی پڑیں پھر نہ خدا تمہارا رہا' نہ تم اس کے بندے۔ حالانکہ تم اپنی اس روش سے کسی ایسی مصیبت کو نہیں ٹال سکتے جو اس نے تمہارے نصیب میں لکھ دی۔

اس خطاب سے پہلے مشرکین مکہ کی اس روش پر سخت گرفت کی گئی ہے کہ انہوں نے آخر کس حق یا اتھارٹی کے تحت مسلمانوں کے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کیا ہے چونکہ مسجد حرام ان کی ذاتی جائداد نہیں ہے اور وہ کسی کو حج کرنے سے نہیں روک سکتے۔ یہ اعتراض نہ صرف اللہ کی طرف سے اٹھایا جا رہا ہے بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی یہ قریش مکہ کے خلاف ایک بہت بڑا حربہ تھا جس کی بدولت تمام اہل عرب اور دوسرے تمام قبائل کے ذہن میں یہ سوال پیدا کر دیا گیا کہ قریش حرم کے مجاور ہیں یا مالک؟ یعنی جس سے تم ذاتی دشمنی رکھتے ہو۔ اس گروہ کو حج سے روک دیتے ہو۔ اگر آج تمہاری اس روش کو برداشت کر لیا جاتا ہے تو کیا بعید ہے کہ کل جس سے بھی تمہارے تعلقات خراب ہوں' تم انہیں حدود حرم میں داخل ہونے سے روک دو اور ان کا عمرہ اور حج بند کر دو۔ اس سلسلے میں مسجد حرام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک طرف تو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا کے حکم سے اس کو تعمیر کیا تھا تو سب لوگوں کو حج کی عام اجازت تھی اور اول روز سے مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق یکساں قرار دیئے گئے تھے۔ دوسری طرف

یہ بتایا گیا ہے کہ یہ گھر شرک کے لئے نہیں بلکہ خدائے واحد کی بندگی کے لئے تعمیر ہوا تھا اب یہ کیا ظلم ہے کہ وہاں ایک خدا کی بندگی تو ممنوع ہو اور بتوں کی پرستش کے لئے پوری آزادی ہو۔

نوٹ:۔ جو لوگ حج پر جا چکے ہیں یا عمرہ ادا کر چکے ہیں' وہ کعبہ کے ساتھ ہی مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نماز ادا کر کے دراصل اس سنت ابراہیمیؑ کی یاد تازہ کرتے ہیں کہ یہ خدا کا گھر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا اور آج تک اسی سنت ابراہیمیؑ پر چلتے ہوئے کعبے میں رکھے ہوئے ان سارے بتوں کو پاش پاش کر رہا ہے' جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے اور سورۃ کے وسط میں بھی اور آخر میں بھی اسی مضمون کو تمام کرتے ہوئے مسلمانوں کو قریش کے ظلم کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت عطا کی جا رہی ہے کہ جب تمہیں اقتدار حاصل ہو تو تمہاری روش کیا ہونی چاہیے اور اپنی حکومت میں تم کس مقصد کے لئے کام کرو گے پھر گروہ اہل ایمان کے لئے ''مسلم'' کے نام کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ ابراہیمؑ کے اصل جانشین تم لوگ ہو۔ تمہیں اس خدمت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے۔

اس صورت حال کو علامہ اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب جب مسلمانانِ عالم میں منافقین کی تعداد بڑھے گی تو وہ زوال کا شکار ہوں گے اور اس کے لئے انہیں متحد ہو کر دونوں گروہوں یعنی مشرکین کافرین اور ان کی مدد سے اسلام کو نقصان پہنچانے والے منافقین کو مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

سورۃ نمبر ۲۳ آیات: ۱۱۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ المومنون

ایمان لانے والوں کی سورہ

تعارف: چونکہ اس سورۃ میں اہلِ ایمان کا ذکر شروع میں ہی کر دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں جماعت مومنین کے بلند اوصاف کا اتنا جامع اور مکمل تذکرہ اتنے تسلسل کے ساتھ ہے کہ کسی اور سورہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں۔

(1) مراتب تخلیق انسان یعنی انسان کی تخلیق اور اس کا رتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔

(2) خلقتِ انسان پر اللہ تعالیٰ کے ایک خاص انداز سے اپنی تعریف کرنے کا مقصد جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے انسان کو اپنی قدرت کا شاہکار یعنی اشرف المخلوقات کہا ہے۔

(3) طوفانِ نوح اور کشتی کا تذکرہ ان کی تفصیلات کے ساتھ جو پہلے کسی سورہ میں نہیں ہے۔

(4) حق انسانی رائے اور اس کی خواہشوں کا تابع نہیں ہوتا۔

(5) برائی کے مقابلے میں اچھائی کی تعلیم جو مناسب موقع پر اپنے آپ کو منوا کر رہتی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

جیسا کہ پہلی آیت سے ہی ظاہر ہے کہ "قد افلح المومنون۔ یقیناً فلاح پائی انہوں نے جو ایمان لے آئے" اب اس فلاح پانے کے مکمل معنی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے' جب تک وہ ماحول نگاہ میں نہ رکھا جائے جس میں یہ تقریر کی جارہی تھی۔ اس وقت ایک طرف دعوت اسلامی کے مخالف سرداران مکہ تھے جن کی تجارت چمک رہی تھی' جن کے پاس دولت کی ریل پیل تھی اور وہ اس خوشحالی کو ہی فلاح سمجھتے تھے اور دوسری طرف دعوت اسلامی کو قبول کرنے والے اور رسولؐ پر ایمان لانے والے زیادہ تر تو غریب اور خستہ حال لوگ تھے اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اس دعوت کو قبول کرنے کے جرم میں عرب سرداروں کی سازشوں کے

باعث بدحال ہوتے جارہے تھے۔ تو اب جب اس سورہ میں آغاز ہی اس جملے سے ہو رہا ہے کہ ''یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے'' تو اس کا مطلب خود بخود یہ ہو جاتا ہے کہ تمہارا معیار خوشحالی اور فلاح غلط ہے تمہاری نگاہیں دوررس نہیں ہیں۔ تم جس عارضی اور محدود خوشحالی کو فلاح سمجھ رہے ہو' وہ فلاح نہیں ہے اور محمدؐ کے ماننے والوں کو جو تم ناکام اور نامراد سمجھ رہے ہو' وہ ہی دراصل بامراد اور کامیاب ہیں اور اس دعوت حق کو مان کر انہوں نے خسارے کا سودا نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے دنیا اور آخرت میں پائیدار خوشحالی اور فلاح کو پالیا ہے اور اس دعوت کو رد کر کے دراصل تم نے خسارے کا سودا کیا ہے جس کے برے نتائج تم یہاں بھی دیکھو گے اور آخرت میں بھی تم عذاب الٰہی سے نہ بچ سکو گے۔

یہی اس سورہ کا مرکزی مضمون ہے اور پھر ایمان لانے والوں کی صفات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایمان صرف زبان سے قبول کرنا نہیں' بلکہ ان کے عمل بتائیں گے کہ وہ کون کون سی خوبیاں ہیں' جو ایمان کامل کی دلیل ہیں۔

(1) پہلی صفت تو مومن کی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ لغویات سے دور رہتے ہیں یعنی اپنی زندگی کو ایسی باتوں میں ضائع نہیں کرتے جو بے مقصد ہوں یعنی امور کے انجام دینے سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو اور ایسی جگہوں پر جانے سے پرہیز کرتے ہیں' جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں یا جہاں لغو کام ہو رہے ہوں' وہاں سے مہذب طریقے سے گزر جاتے ہیں۔

(2) دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ مومن زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ وہ مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں بلکہ اپنے اعمال' اپنے نفس کی بھی زکوٰۃ دیتے ہیں یعنی صرف اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر مال کو ہی پاک نہیں کرتے بلکہ اپنے نفس کی زکوٰۃ دے کر اپنے تن اور من کو بھی پاک کرتے ہیں یعنی خود کو بے حیائی کے کاموں سے روکتے ہیں۔

(3) تیسری صفت مومن کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں یعنی ان تمام امانتوں کی حفاظت جو خداوندِ عالم نے یا معاشرے نے یا افراد نے کسی

شخص کے سپرد کی ہوں۔ اس میں وہ افراد جو حکومت کرتے ہیں اور قومی خزانے کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوتی ہے اس سے لے کر زندگی کے ہر چھوٹے سے میدان میں وہ تمام ذمہ داریاں شامل ہیں جو کسی ایک فرد پر اکثریت کی طرف سے عائد ہوں یعنی ایک ٹیچر پر تدریس کا فریضہ ایک امانت ہے اگر وہ تدریس کے وقت میں کوئی دوسرا کام کرتا ہے اور تنخواہ خزانے سے تدریسی فرائض کی انجام دہی کی وصول کر رہا ہے تو اس وقت کو ضائع کر کے یا کوئی اور کام کر کے وہ اللہ کی دی ہوئی امانت میں سے خیانت کر رہا ہے یا اپنے طالب علموں کو جان بوجھ کر غلط باتوں کی ترغیب دے رہا ہے تو وہ امانت میں خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اسی لئے عالم دین پر سب سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے' دین کے علم کو لوگوں تک پہنچانے میں' اگر وہ ذاتی مفاد اور اپنے ذاتی تعصب یا تفرقہ پسند طبیعت کے باعث جان بوجھ کر غلط علم لوگوں تک پھیلائے تو وہ اللہ کے نزدیک اس شخص سے بڑا خائن ہے جس نے دولت کی خیانت کی ہے اس لئے کہ دنیاوی دولت تو عارضی چیز ہے مگر دین کا علم اس کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اس امانت کو یا تو اپنے پاس رکھنا' دوسروں تک نہ پھیلانا یا صحیح علم کو جانتے ہوئے بھی منافقت سے کام لے کر اسے گمراہ کن علم میں تبدیل کر کے پھیلانا' وہ جرم ہے جس کا مرتکب ایمان کے دائرے سے باہر سمجھا جائے گا۔ خواہ دنیا میں اس کا مرتبہ کتنے ہی بڑے عالم دین یا اسکالر کا کیوں نہ ہو۔ اللہ کے نزدیک وہ مومن نہیں بلکہ خائن کی حیثیت سے یوم حشر اللہ کے دربار میں حاضر ہوگا۔

(4) چوتھی اہم ترین صفت مومن کی یہ بیان کی گئی ہے کہ مومن وہ ہوتا ہے جسے ہر وقت اپنی ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا دراصل ایک امتحان گاہ ہے اور جس چیز کو زندگی اور عمر کا نام دیا جاتا ہے' وہ درحقیقت ایک یہی عارضی مدت ہے جو اسے امتحان کے لئے دی گئی ہے۔ یہ احساس اسے ساری زندگی اس طالب علم کی طرح سنجیدہ اور مشغول بنا دیتا ہے' جو امتحان کے کمرے میں بیٹھا اپنا پرچہ حل کر رہا ہو جس طرح پرچہ دیتے وقت ایک طالب علم کو یہ احساس ہوتا ہے کہ امتحان کے یہ چند گھنٹے اس کی آئندہ زندگی کے لیے فیصلہ کن ہیں اور اس

احساس کی بدولت وہ ان دیئے گئے چند گھنٹوں کا ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے پرچے کو صحیح طریقے سے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مومن بھی دنیا کی اس زندگی کو امتحان کا کمرہ سمجھتا ہے' نتیجہ نہیں۔ نتیجتاً اس کے لئے آخرت کا یقین ہے' قیامت کا یقین ہے' موت کا یقین ہے۔ اس سورۃ میں حضرت نوحؑ اور ان کی کشتی کا حوالہ دے کر بتایا گیا ہے کہ جس طرح حضرت نوحؑ کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم کشتی بناؤ۔ چونکہ اب وقت آ گیا ہے کہ صرف انہیں بچالیا جائے' جو ایمان لا چکے ہیں اور باقی تمام قوم کو طوفان میں غرق کر دیا جائے۔ یعنی اس حوالے سے بھی سورۃ المومنون میں یہ نشاندہی کر دی گئی ہے کہ صرف ایمان لانے والے ہی فلاح پائیں گے۔ دین میں بھی اور اس چھوٹی سی زندگی میں بھی' جو عارضی ہے۔ یعنی عبرت آموز سبق یہ بتاتے ہیں کہ توحید کی دعوت دینے والے انبیاء حق پر تھے اور شرک پر اصرار کرنے والے کفار باطل قوتوں کے علمبردار ہیں یعنی آج وہی صورت مکہ میں درپیش ہے جو کسی وقت حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے درمیان تھی اور ان کی قوم کی طرح اس قوم قریش کا انجام بھی کچھ اس سے مختلف ہونے والا نہیں ہے اور خدا کے فیصلے میں چاہے کتنی ہی دیر لگے' مگر فیصلہ آخرکار ہو کر رہے گا جو اہل حق کے حق میں اور باطل کے خلاف ہوگا اور آزمائش تو اللہ نے ہر صورت کرنی ہے یعنی اللہ کسی قوم کو بھی اپنی زمین اور اس کی بے شمار چیزوں پر اقتدار عطا کر کے بس یونہی اس کے حال پر نہیں چھوڑ دیتا بلکہ اس کی آزمائش کرتا رہتا ہے کہ وہ انسان یا وہ گروہ یا وہ قوم جسے یہ نعمتیں عطا کی گئی ہیں' وہ اس طاقت کو کیسے استعمال کر رہی ہے۔ لہٰذا قوم نوحؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ قدرت کے اسی قانون کے عین مطابق ہوا اور دوسری کوئی بھی قوم اللہ کی ایسی پسندیدہ نہیں کہ وہ بس اسے تمام نعمتوں پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دے۔ اس جزا اور سزا کے قانون سے سب کو سابقہ پڑتا ہے۔

سورۂ نمبر ۲۴ آیات: ۶۴

سورۃ نور

مقام نزول: مکہ

تعارف: چونکہ بعض متفقہ احادیث میں خواتین کو سورہ نور کی خاص تعلیم دینے کا حکم ہے اگر چہ وہ آیت جسے آیہ نور کہتے ہیں "اللہ نور السموات والارض" ترتیب کے لحاظ سے درمیان میں ہے مگر مرکزی حیثیت اس سورہ میں اسی آیت کو دی گئی ہے جس کی بنا پر اس سورہ کا نام سورۂ نور ہو گیا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کی وجہ نزول ازدواج رسولؐ میں سے ایک خاتون حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والے منافقین کے رویے سے متعلق ہے جنہوں نے ایک خاص منصوبے کے تحت اس عمل کا باقاعدہ پروپیگنڈہ کر کے دراصل رسولؐ خدا سے اپنی دشمنی کی بدترین مثال پیش کر کے اللہ کے رسولؐ کو انتہائی تکلیف پہنچائی ہے جس کی حد یہ تھی کہ رسولؐ نے اپنے آپ کو ایک ماہ تک ایک حجرے میں بند کر لیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار میری بیوی پر تہمت لگانے والوں کو بے نقاب کر اور میری بیوی کو عقل دے کہ وہ اپنے دوست اور دشمن کو پہچانے۔ تب اس آیت کا نزول ہوا۔ آیت نمبر 11 میں

ان الذین جاء و بالافک عصبۃ منکم.

ترجمہ: جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں اور اے رسولؐ اس معاملے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے خیر ہی ہے اور اس میں جس نے جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا۔

تاریخی پس منظر:

جنگ بدر کی فتح سے عرب میں تحریک اسلامی کا جو عروج شروع ہوا وہ جنگ خندق تک پہنچتے

پہنچے اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مشرکین یہود و منافقین اور تبصرہ و طعنہ تشنیع کرنے والے یہ سمجھنے لگے کہ اس نوخیز طاقت کو محض ہتھیاروں کی بنیاد پر شکست نہیں دی جا سکتی اور ادھر رسولؐ نے اعلان کر دیا تھا کہ اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر حملہ آور ہو گے۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ مخالف اسلام طاقتوں کی قوت اقدام ختم ہو چکی ہے اب اسلام دفاع کی نہیں بلکہ اقدام کی لڑائی لڑے گا اور کفر کو دفاع کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔ حالات کے اس رخ کو دوسرا فریق بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اسلام کے عروج کی بڑھتی ہوئی صورت حال کی اصل وجہ مسلمانوں کی تعداد نہ تھی نہ ہی اسلحہ کی برتری اور معاشی طاقت کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کا ان سے کوئی مقابلہ نہ تھا ان کے پاس تمام عرب کے معاشی وسائل تھے اور مسلمان بھوکوں مر رہے تھے۔ ان حالات میں جو چیز مسلمانوں کو برابر آگے بڑھائے لئے جا رہی تھی وہ در اصل مسلمانوں کی اخلاقی برتری تھی جسے شکست دینا اب مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آ رہا تھا۔

کمینے اور گھٹیا خصلت لوگوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسرے کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں صاف طور پر دیکھ لیتے ہیں اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اسے بڑھا رہی ہیں اور ان کی اپنی کمزوریاں انہیں گرا رہی ہیں تو انہیں یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ وہ اپنی کمزوریاں دور کریں اور اس کی خوبیاں اپنے لئے رہنما سمجھیں بلکہ وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کے اندر بھی اپنے ہی جیسی برائیاں پیدا کر دیں اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے اوپر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں۔ یہی گندی ذہنیت ہے جس نے اس مرحلے پر دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کا رخ جنگی کارروائیوں سے ہٹا کر ذلالت کی انتہائی سطح تک موڑ دیا اور انہوں نے رکیک اور گرے ہوئے الزامات کے ذریعے رسولؐ کو اخلاقی طور پر گھٹنے ٹیکنے کی ترکیب پر عمل کرنا شروع کر دیا اور چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی نسبت خود مسلمانوں کے اندر کے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے اس لئے انہوں نے ایسے منافقین مدینہ کا انتخاب کیا' جن کا شمار صحابہ کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ وہ لوگ

ہیں جن پر رسولؐ ایک خاندان کے فرد کی طرح اعتبار کرتے ہیں اور یہ لوگ حضورؐ کی ازدواج سے بھی قریب ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اخلاقی گراوٹ کی وہ بدترین ترکیب سوچی جس کا کوئی شریف النفس انسان یا قبیلہ یا قوم تصور تک نہیں کر سکتی چونکہ یہ 5 ہجری کے آخری زمانے کا واقعہ ہے جب تک اسلام میں پردے کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے کہ غزوہ بنی المطلق کے سفر کے دوران حضرت عائشہؓ پر ایک تہمت لگائی گئی جس کے بظاہر شواہد ایسے نظر آتے تھے جیسے یہ واقعہ حقیقتاً ظہور پذیر ہوا ہو۔ چونکہ اس کا چرچا کرنے والے منافقین مسلمان تھے اور مقصد رسولؐ کو ایک ایسی ذہنی اذیت دینا تھا کہ آپ کی نظریں کفار اور مشرکین کے سامنے جھک جائیں اور دوسری طرف یہ اسلامی تحریک کے بلند ترین اخلاقی وقار کو گرانے کی کوشش تھی۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں پہلے حملے کے موقع پر سورۂ احزاب کے آخری 6 رکوع نازل ہوئے اور دوسرے حملے کے موقع پر یہ سورہ نور اتری جس میں تمام تر توجہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے پر صرف کی گئی کہ تمہارے اخلاقی محاذ میں جہاں جہاں رخنے ہیں ان پر غور کرو اور اپنی کمزوریوں کو دشمن کا ہتھیار نہ بننے دو اس سورہ میں مندرجہ ذیل احکامات صادر کیے گئے۔

(1) سب سے اہم حکم خواتین کے پردے اور اس کی اہمیت کے متعلق ہے۔

(2) ازواجِ مطہرات کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو اور غیر مردوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہو تو اس گفتگو میں ایسی کشش نہ ہو کہ وہ شخص غلط توقعات وابستہ کر لے یا اس کا دل اور ذہن بھٹکے۔

(3) حضورؐ کے گھروں میں غیر مردوں کو بلا اجازت داخل ہونے سے روک دیا گیا اور ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگنے کی ہدایت کی گئی۔

(4) غیر محرم اور محرم رشتہ داروں کے درمیان فرق قائم کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ازواجِ مطہرات کے صرف محرم رشتے دار یعنی صرف سگے باپ اور بھائی ہی آپ کے گھر میں آ جا سکتے ہیں۔

(5) نبیؐ کو بتایا گیا کہ نبیؐ کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں اور ٹھیک اسی طرح ایک مسلمان کے لئے

ہمیشہ کے لئے حرام ہیں جس طرح اس کی حقیقی ماں ہوتی ہے اس لئے ان کے بارے میں ہر مسلمان اپنی نیت کو بالکل پاک رکھے۔ اب یہ لفظ ہمیشہ کے لئے حرام کہہ کر یہ بتادیا گیا کہ رسولؐ کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ ان کے انتقال کے بعد بھی رسولؐ کی بیوہ خواتین تمام مسلمانوں کی ماں ہیں۔ مگر منافقین میں ایک ٹولہ وہ بھی تھا جو بی بی عائشہؓ پر تہمت لگانے اور اس کا چرچا کرنے میں پیش پیش تھا ان میں سے ایک صحابی کہلانے والے صاحب ایسے بھی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد یہ چرچا کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اب رسولؐ کی بیوہ سے شادی کروں گا تو اس درجے گری ہوئی اخلاقی حالات کا اندازہ لگا کر یہ جاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیم کی شکل بگاڑنے کی کوشش رسولؐ کے انتقال کے فوراً بعد ہی شروع کردی گئی تھی۔

(6) مسلمانوں کو اسی لیے سورہ نور میں متنبہ کیا گیا کہ نبیؐ کو اذیت دینے والا دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت اور سخت رُسواکن عذاب کا موجب ہے اور اسی طرح کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا اور اس پر ناحق الزام لگانا بھی سخت گناہ ہے۔

(7) جنسی گناہ زنا کی حد شرعی۔

(8) تہمت زنا عائد کرنے والے کی حد شرعی (یعنی تہمت لگانے والے کی سزا کا تعین)

(9) شوہر کی طرف سے اپنی بیوی پر الزام لگانے کی صورت میں شرعی قانون۔

(10) ازواجِ رسولؐ میں سے کسی ایک پر بھی اس قسم کی تہمت لگانے کی مذمت۔

(11) نکاح کی ترغیب۔

اس واقعۂ افک سے جو سفر کے دوران پیش آیا اس سے مدینے کے معاشرے میں ایک ہلچل برپا ہوئی تو یہ سورہ نور اخلاقی حدود معاشرت اور قانون کے ایسے احکام وہدایات کے ساتھ نازل فرمائی گئی جن کا مقصد یہ تھا کہ اول تو مسلم معاشرے کو برائیوں کی پیداوار اور ان کے پھیلاؤ سے محفوظ رکھا جائے اور اگر وہ پیدا ہو ہی جائیں تو پھر ان کا پورا پورا تدارک کیسے کیا جائے یعنی قرآن کریم ٹھیک نفسیاتی موقع پر انسانی زندگی کی اصلاح و تعمیر کے لئے کس طرح کی قانونی، اخلاقی اور معاشرتی تدابیر بیک وقت تجویز کرتا ہے۔

سورہ نمبر ۲۵ آیات: ۷۷

مقام نزول: مکہ

سورۃ الفرقان

تعارف: اس سورۃ کی پہلی ہی آیت تبرک الذی نزل الفرقان سے ماخوذ ہے یعنی قرآن کی اکثر سورتوں کے ناموں کی طرح علامت کے طور پر ہے۔

اس سورۃ کا انداز بیان اور مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا زمانہ ''نزول وہی ہے جو سورۃ مومن وغیرہ کا ہے یعنی قیامِ مکہ کا متوسط زمانہ۔

اس سورۃ کی سب سے اہم باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) تمام پیغمبروں کا بشر ہونا اور بشری ضروریات کا پابند ہونا۔

(2) بداعمال انسانوں کا جانوروں سے بدتر ہونا۔

(3) پانی کے ذریعے طہارت ہونے کا بیان۔

(4) میٹھے اور کھارے پانی کے سنگم میں قدرت الٰہی کا ظہور۔

(5) قرآن مجید کے بتدریج اتارے جانے کی حکمت۔

(6) آتش دوزخ کی کیفیات کا تفصیلی بیان۔

(7) قرآن مجید کی تعلیمات کے حوالے سے مشرکین کی پریشان خیالیاں۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ میں ان شبہات و اعتراضات پر کلام کیا گیا ہے جو قرآن اور محمدؐ کی نبوت اور آپؐ کی پیش کردہ تعلیم پر کفار مکہ کیا کرتے تھے۔ ان تمام اعتراضات کا نپا تلا جواب دیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ دعوت حق سے منہ موڑنے والوں کو بھی برے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔

اب پہلا اعتراض یہ کہ تمام پیغمبروں کا بشر ہونا کیسے ثابت ہے یعنی اول تو انسان کا رسول

ہونا ہی عجیب بات ہے' خدا کا پیغام لے کر آتا تو کوئی فرشتہ آتا' نہ کہ ایک گوشت پوست کا آدمی جو زندہ رہنے کے لئے غذا کا محتاج ہو۔ تاہم اگر آدمی رسول بنا ہی دیا گیا ہے تو کم از کم وہ بادشاہ ہوں اور دنیا کے بڑے لوگوں کی طرح ایک بلند پایہ ہستی ہونی چاہیے تھا جسے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی ہوں اور جس کے حضور باریابی کا شرف بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہو اور یہاں یہ حال ہے کہ ایک ایسا آدمی خدا کا پیغمبر بنا دیا گیا ہے جو عام بازاروں میں گھومتا پھرتا ہو۔ بھلا اس آدمی کو کون خاطر میں لائے گا جسے ہر راہ چلتا ہر روز دیکھتا ہو اور کسی بھی پہلو سے وہ کوئی غیر معمولی خاصیتیں نہ رکھتا ہو گویا ان کی رائے میں رسول کی ضرورت اگر تھی تو عوام الناس کو ہدایت دینے کے لئے نہیں بلکہ عجوبہ دکھانے یا ٹھاٹ باٹ سے دھونس جمانے کے لئے تھی یعنی اگر آدمی کو پیغمبر بھی بنایا گیا تھا تو اللہ ایک فرشتہ بھی ساتھ کر دیتا کہ جو ہر وقت ایک ہنٹر ہاتھ میں رکھتا اور لوگوں سے کہتا کہ مانو اس نبی کی بات کو ورنہ ابھی اللہ کا عذاب برسا دیتا ہوں۔ انہیں یہ بات عجیب لگتی تھی کہ کائنات کا مالک ایک ایسے شخص کو نبوت کا جلیل القدر منصب عطا کر کے بس یونہی اکیلا چھوڑ دے اور وہ لوگوں سے گالیاں پتھر کھاتا پھرے اور آخر میں ان جاہل عربوں کا مطالبہ یہ تھا کہ اللہ میاں کم از کم اتنا تو کر دیتے کہ اپنے رسول کے لئے معاش کا انتظام کر دیتے۔ کم از کم وہ مفلسی کی زندگی تو نہ گزارتے' انہیں نہ کوئی بہترین رہائش میسر ہے نہ باغ باغیچے اور ایسی صورت حال میں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خود کو اللہ کا پیغمبر کہتے ہیں تو ایسے شخص کو (نعوذ باللہ) دیوانہ ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

اہل عرب کے نزدیک دیوانگی کی دو ہی وجوہات تھیں یا تو وہ کسی جن کے اثر میں آ جاتا ہو یا کسی دشمن نے جادو کر کے پاگل بنا دیا ہو اور ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ اگر کسی نے کسی دیوی یا دیوتا کی شان میں گستاخی کر دی ہو اور اس کی مار پڑ گئی ہو۔

کفار مکہ وقتاً فوقتاً یہ تینوں وجوہات حضورؐ کے سامنے پیش کرتے تھے اور لوگوں کو بھی کہتے کہ ان پر کسی جن کا اثر ہو گیا ہے یا بیچارے پر کسی نے جادو کر دیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ ایک دارالترجمہ یا خفیہ لائبریری اس شخص نے قائم کر رکھی ہے اور پرانی کتابوں سے اقتباس نکلوا نکلوا

کر یاد کرتا ہے پہلے اس نے کچھ سیکھا نہ تھا چالیس برس کی عمر تک وہ ایسی کوئی بات نہ جانتے تھے جو آج اُن کی زبان پر ہیں اب آخر یہ معلومات کہاں سے آ گئی ہیں یہ بظاہر بڑا وزنی اعتراض تھا وحی کے دعوے کو رد کرنے کے لئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو ساحر یعنی جادوگر بھی کہنا شروع کر دیا تھا۔

یہ اعتراضات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ مخالفین بغض وعناد میں کس قدر اندھے اور معقول دلائل سے کس قدر خالی تھے یعنی وہ شخص جو خدا کے کلام کی گواہی اپنی سیرت اور کردار سے دے رہا تھا اور اخلاق انقلاب پیدا کر کے وحدانیت کی گواہی دی جا رہی تھی محمدؐ کے ذریعے تو مخالفین کا رویہ خود بتا رہا ہے کہ فریقین میں سے کون حق پر تھا اور کون بے تکی باتیں کر رہا تھا۔

اب سب سے اہم بات اس سورۃ میں انسان کو چوپایوں سے مقابلہ کر کے یہ بتایا جا رہا ہے آیت نمبر 44 میں کہ وہ بداعمال لوگ جو صرف اپنی خواہشات کے غلام ہوں اور جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے' وہ ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں چونکہ جانور تو عقل شعور رکھتے ہی نہیں اور یہ کم بخت عقل وشعور رکھتے ہیں' اسی بنا پر ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات کہا ہے مگر یہ اس عقل اور شعور کو جب کام میں ہی نہیں لاتے تو یہ ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں جنہیں ہم نے عقل جیسی نعمت عطا ہی نہیں کی۔

یعنی جس طرح بھیڑ بکریوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہانکنے والا انہیں چراگاہ کی طرف لے جا رہا ہے یا ذبیحہ خانے کی طرف۔ وہ بس آنکھیں بند کئے' ہانکنے والوں کے اشاروں پر چلتی رہتی ہیں۔ اسی طرح یہ عوام الناس بھی اپنے شیطان نفس اور اپنے گمراہ کن لیڈروں کے اشاروں پر آنکھیں بند کر کے چلے جا رہے ہیں۔ کچھ نہیں جانتے کہ وہ انہیں فلاح کی طرف ہانک رہے ہیں یا تباہی و بربادی کی طرف۔ اس حد تک تو بھیڑ بکریوں سے انسان مشابہ ہے لیکن بھیڑ بکریوں کو خدا نے عقل وشعور سے نہیں نوازا ہے۔ وہ اگر چرواہے اور قصائی میں تمیز نہیں کرتیں تو کچھ عجب نہیں مگر انسان اگر اس فرق کو نہ پہچانے تو وہ ان بھیڑ بکریوں سے بھی بدتر ہے۔

سورۃ نمبر ۲۶ آیات: ۲۲۷

مقام نزول: مکہ

سورۃ الشعراء

شاعروں کے ذکر والی سورۃ

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (آیت نمبر ۲۲۴)

تعارف: اس سورۃ کی اختتامی آیات میں شاعروں کا تذکرہ ہے ان کی عادات اور فطرت کے منفی پہلو بھی زیر بحث آئے ہیں اور مثبت بھی مگر خصوصاً تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ کفار مکہ جس طرح آپ کو جادوگر کہہ کر آپ کی تبلیغ کو ماننے سے انکار کرتے تھے اسی طرح وہ آپ کو شاعر کہہ کر شاعروں کے منفی رجحان زندگی کا حوالہ دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ آنحضرتؐ پر شیاطین نازل ہوتے ہیں انہی کے سکھانے پڑھانے کا نام محمدؐ نے وحی رکھ لیا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ شیاطین کے نزول کا انبیاء سے کیا تعلق ہے؟ شیاطین تو ہر جھوٹے گنہگار کے پاس آیا کرتے ہیں خواہ وہ جنگل جنگل مارے مارے پھرنے والے گمراہ شاعر ہی کیوں نہ ہوں جو اپنے فعل اور قول میں تضاد رکھتے ہوں جو کہتے ہوں اس پر کبھی عمل نہ کرتے ہوں۔

ان آیات میں جن شاعروں کی مذمت کی گئی ہے وہ عرب کے گمراہ شاعر تھے جن کے کلام میں یا تو عشقیہ مضامین ہوتے تھے یا کسی فاسق و فاجر بادشاہ کی تعریف میں قصیدے ہوتے تھے۔ غلط بیانیاں اور مبالغہ آمیز تعریفیں یا ان کی شجاعت کے جھوٹے افسانے جسے سن کر بادشاہ خوش ہو کر انہیں انعام و اکرام سے نواز دیا کرتے تھے اور آج تک ایسا ہی ہو رہا ہے۔ بادشاہ اور صاحبان اقتدار جھوٹے قصیدے کہنے والے شاعروں کو کسی نہ کسی صورت انعام سے نوازتے ہیں۔

ان آیات میں ایسے شاعروں کی مذمت کی گئی ہے جن کی بداخلاقیوں اور عشقیہ مضامین سے ہوس، عیش پسندی کا رواج فروغ پائے اور معاشرے میں فتنہ و فساد کو راہ ملے۔ یہ آیات ان پاکیزہ خیال حق گو شاعروں کے متعلق نہیں۔ جو معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں۔ خدا اور رسولؐ کی تعریف

کرتے ہیں اخلاق حسنہ کا ذکر کرتے ہیں' پاکیزگی نفس کی تعلیم دیتے ہیں' گمراہوں کو راہ راست پر لانے میں اپنا زور صرف کرتے ہیں جبکہ حضورؐ کی صحبت میں ایسے شاعروں کو جگہ ملتی تھی جو حق گو ہوتے تھے جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ۔ آنحضرتؐ نے کبھی شاعری نہیں کی اس لئے کہ اگر حضورؐ شعر کہا کرتے تو مشرکین' قرآن کو آپؐ کا شاعرانہ کلام تصور کرتے اور مشہور کر دیتے اور بجائے نبی و رسول کے آپؐ کو شاعروں کے زمرے میں شمار کرتے۔ ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ تم ان کے پیچھے اپنی جان کیوں گھلاتے ہو؟ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے کوئی نشانی نہیں دیکھی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہٹ دھرم ہیں' سمجھانے سے نہیں مانتے' کسی ایسی نشانی کے طالب ہیں جو زبردستی ان کی گردنیں جھکا دے اور وہ نشانی اپنے وقت پر جب آ جائے گی تو انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ جو بات ان کو سمجھائی جا رہی تھی وہ کیسی برحق تھی۔

قرآن کریم چونکہ آیات کی صورت میں نازل ہوا اور 23 سال تک اس کا نزول ہوا اور آنحضرتؐ نے جس طرح اسے حالات و واقعات کے تسلسل سے جمع کرنے کا حکم دیا تھا' افسوس کہ اسے اس ترتیب سے یعنی Order of compilation میں بدنیتی کے باعث بالکل شروع میں یعنی آغاز وحی جن آیتوں سے ہوا ان کو بالکل بیچ کے پاروں میں اور اختتام جن آیات پر ہوا انہیں بھی بیچ میں ڈال کر منافقین نے آخر وقت تک یہ کوشش کہ ایمان لانے والے بھی اور وہ جو بظاہر تو ایمان لا چکے ہیں مگر شک کی حالت میں ہیں' انہیں اسلام اور دین کے صحیح حقائق سے بے خبر رکھا جائے۔ اس لئے شروع کے واقعات اور آخری آیات کو بیچ میں رکھ کر انکی اہمیت اور حقانیت کو یا تو کم کر دیا جائے یا بالکل ختم کر دیا جائے۔ جس کی مثال اس سورہ الشعراء کی یہ آیت 214 ہے۔

وانذر عشیرتک الاقربین پھر 215 واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین پھر وتقلبک فی السجدین.

یعنی اے رسول تم اپنے قریبی عزیزوں رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ اور وہ جو مومنین تمہاری نافرمانی کریں تو تم کہہ دو میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں۔

یہ آیات دعوت ذوالعشیرہ کے متعلق ہیں یعنی خدا کا حکم ہوا کہ اے رسولؐ اپنی رسالت کا اعلان سب سے پہلے کنبے والوں میں کرو۔ چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی علیہ السلام جن کی عمر اس وقت صرف 10 برس اور بعض روایتوں میں گیارہ برس بتائی جاتی ہے' ان کو حکم دیا کہ تم اس دعوت کا سامان کرو۔ دعوت میں جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو فرمایا کہ میں آپ کے پاس آخرت کی ایسی خبر لایا ہوں جو میرے بعد اب کوئی نہ لائے گا۔ خدا نے مجھے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تم نے میری ہدایت پر عمل کیا تو ایک بڑی سلطنت کے مالک بن جاؤ گے۔ بہت بڑا اجر خدا کے یہاں سے تم کو ملے گا' کون ہے تم میں کہ میرا وصی و وزیر میرا خلیفہ اور جانشین ہو۔ یہ سن کر سب ہنسنے لگے اور آنحضرتؐ کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے سبحان اللہ آپ ہیں کس سلطنت کے مالک جس کے لئے وزیر اور خلیفہ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ کے چچا ابولہب نے از راہ دل لگی ابوطالب سے کہا' لو مبارک ہو آپ کا بھتیجا بادشاہ بن گیا۔ جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو حضرت علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا' یارسول اللہؐ میں آپ کا وصی و خلیفہ بنوں گا۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر آپ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال لوں گا' ان کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ آپ نے فرمایا علیؑ بیٹھ جاؤ' چنانچہ تین بار آپ نے اہل خاندان سے یہی فرمایا مگر کسی نے جواب نہ دیا بلکہ ہنستے اور مذاق اڑاتے رہے ہر بار حضرت علیؑ اٹھے اور کہا یارسول اللہؐ میں آپ کا وصی و وزیر بنوں گا۔ تب حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تم میرے وصی' وزیر اور خلیفہ و جانشین ہو۔ یہ سن کر لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے' ابولہب نے ابوطالب سے کہا مبارک ہو صاحبزادے وزیر ہو گئے اب ان کا حکم تم کو ماننا پڑے گا۔

یہ اعلان رسالت کا سب سے پہلا موقع تھا یہیں سے اعلان وزارت کا آغاز ہوتا ہے اور یقیناً یہ اعلان حکم خدا سے ہوا ہوگا۔ اس لئے یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ حضورؐ بغیر کسی کو

جانشین بنائے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو نبوت ملتے ہی ان کے وزیر کا تعین ہوا تھا اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو اللہ تعالیٰ نے وزیر مقرر کیا تھا۔ اسی طرح آنحضرت کو بھی آغاز رسالت ہی میں اپنے وصی کا تعین کرنا ضروری ہوا۔ اسی طرح تقلبلک فی الساجدین کے معنی یہ ہیں کہ تم کو ہم نے رکوع وسجود وقیام کرنے والوں میں چلتے پھرتے دیکھا اور آغاز رسالت میں حضور جن مسلمانوں کے ساتھ جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے باجماعت نماز پڑھتے دیکھا اور اس وقت کی جماعت میں بجز حضرت علیؑ اور بی بی خدیجۃ الکبریٰؑ کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔ لہٰذا اس آیت میں یہی لوگ مراد ہیں اپنے عبادت گزاروں میں خدا نے اپنے رسولؐ کو چلتے پھرتے دیکھا۔

لہٰذا کہا جا رہا ہے کہ طالب حق لوگوں کے لئے تو خدا کی زمین میں ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ نشانیاں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک قسم کی نشانیاں وہ ہیں جو خدا کی زمین پر ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں لہٰذا کوئی بھی صاحب عقل آدمی تحقیق کر سکتا ہے کہ نبی جس چیز کی طرف بلا رہا ہے وہ حق ہے یا نہیں۔ دوسری قسم کی نشانیاں وہ ہیں جو فرعون اور اس کی قوم نے دیکھیں۔ عاد وثمود قوم لوط اسی طرح سات قوموں کے حالات اس سورہ میں پیش کیے گئے جنہوں نے ان نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا جس سے کفار مکہ لے رہے تھے اور ہٹ دھرمی میں آپؐ کے عزیز رشتہ دار خصوصاً ابولہب سب سے آگے آگے تھا۔

دوئم یہ کہ ہر زمانے میں کفار کی ذہنیت ایک سی رہی ہے ان کی حجتیں اور اعتراضات ایک طرح کے تھے۔ ایمان نہ لانے کے لئے ان کے حیلے بہانے بھی ایک ہی طرح کے تھے اور آخر کار ان کا انجام بھی یکساں ہوا۔ اس کے برعکس ہر زمانے میں انبیاء کی تعلیم ایک تھی ان کی سیرت و اخلاق کا رنگ ایک تھا اس لئے کفار خود دیکھ سکتے تھے کہ ان کی اپنی تصویر کس نمونے سے ملتی ہے اور محمدؐ کی ذات میں کس نمونے کی علامت پائی جاتی ہے۔

تیسری بات جو دہرائی گئی ہے وہ ہے کہ خدا زبردست قادر و توانا بھی ہے اور رحیم بھی۔ تاریخ

میں اس کے قہر کی مثالیں بھی موجود ہیں اور رحمت کی بھی۔ اب یہ بات لوگوں کو خود ہی طے کرنی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے رحم کا مستحق بناتے ہیں یا قہر کا۔

اور آخری رکوع میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم لوگ اگر نشانیاں ہی دیکھنا چاہتے ہو تو آخر وہ خوفناک نشانیاں دیکھنے پر کیوں اصرار کرتے ہو جو تباہ شدہ قوموں نے دیکھی ہیں۔ اس قرآن کو دیکھو جو تمہاری اپنی زبان میں ہے اس شخص محمدؐ کو دیکھو جن کو تم نے خود ہی امین اور صادق کا لقب دیا۔ تم اپنے سگے بھائی پر اعتبار نہیں کرتے مگر محمدؐ کو سچا اور امین سمجھتے ہو۔ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھواتے ہو کیا اس کلام کو پیش کرنے والا تمہیں کاہن شاعر یا شیطان نظر آتا ہے۔ ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھو اپنے دل سے گواہی لو کہ تم محمدؐ کی سیرت سے واقف ہو پھر بھی تم ضد اور ہٹ دھرمی پر اترے ہو تو پھر یہ جان لو کہ تم ظلم کر رہے ہو اور تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو ظالموں کا انجام ہوتا رہا ہے۔

بے شک خدا اترانے والے اور بڑائی کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا۔

(سورۃ النساء ۴:۳۶)

جو کوئی عزت چاہتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔

(سورۃ فاطر ۳۵:۱۰)

سورۃ نمبر ۲۷ — آیات: ۸۳

مقام نزول: مکہ

سورۃ النمل

چیونٹیوں کے ذکر کی سورہ

تعارف: نمل عربی میں چیونٹی کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں جناب سلیمانؑ اور چیونٹیوں کے لشکر اور پھر ان کی سردار جو چیونٹی تھی اس کی اپنی بولی یعنی زبان میں جو گفتگو تھی اس کا ذکر ہے اس لئے اس سورۃ کا یہ نام ہوا۔ حضرت سلمانؑ اللہ کے وہ نبی تھے' جن کو اللہ نے نہ صرف دنیا کی بادشاہت بھی عطا کی تھی بلکہ ان کی دو خصوصیات ہیں پہلی یہ کہ وہ جانوروں کی زبان سمجھتے تھے اور دوسری یہ کہ جن ان کے قبضے میں تھے' جن میں سے (ایک جن ایک ہدہد کی شکل میں بھی تھا مگر بظاہر ہدہد ایک چھوٹی سی چڑیا نظر آتی تھی)۔ تیسری سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے ہی مگر اس کے درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس خط کے آغاز میں دے کر جو حضرت سلمانؑ نے ملک سبا کی ملکہ بلقیس کو لکھا ہے اس تعداد کو پورا کر دیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو سورۃ برآت یعنی سورہ توبہ کے آغاز میں نہیں ہے' اس طرح اللہ نے اگر وہاں اپنے قہر کا اعلان اس حد تک کر دیا ہے تو یہاں دو دفعہ یہ آیت دے کر اپنے بے انتہا رحیم ہونے کی بھی تصدیق کر دی اور وہ حالات بھی بتا دیئے جو اس کے قہر کا سبب ہیں اور وہ لوگ اور حالات بھی جن پر وہ مہربان ہوگا' اور اب جتنی سورہ ہیں قرآن کے گنتی کے لحاظ سے' اتنی دفعہ قرآن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت سے اللہ نے یہ بتا دیا کہ وہ اپنی گنتی پوری کرنے میں رحم کے حوالے سے بخیل نہیں بلکہ سخی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ میں تین بہت اہم خطبے ہیں اور انسان کی تین قسم کی سیرتوں کے نمونے پیش کئے گئے ہیں ایک نمونہ فرعون اور سرداران قوم ثمود اور قوم لوط کی سرکشی سے متعلق ہے۔ جس میں سورۃ طہٰ

کی طرح حضرت موسیٰ کا آگ لینے جانا اور پیغمبری کا ملنا اور اس وقت ان کے عصا کا اژدھا بننے سے ان پر خوف و دہشت کا طاری ہونا اور پھر خداوند تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کہ موسیٰ ڈرو نہیں ہمارے پاس آنے والے رسول ڈرا نہیں کرتے۔ اس سورۃ میں حضرت موسیٰ کو جو نو معجزات عطا کئے گئے تھے ان میں سے دو معجزوں کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں جب تم وہاں جاؤ گے تو دو معجزے ہم تمہیں اسی وقت عطا کریں گے۔ مگر چونکہ فرعون کے زمانے میں مصر میں جادو کا بڑا زور تھا لہٰذا باوجود سب کچھ سمجھنے کے ان کی عقلوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ جادو ہے جس کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑا۔ اب دوسری سیرتوں کے نمونے پیش کرتے ہوئے یہاں سے حضرت داؤد علیہ اور حضرت سلیمانؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے (آیت نمبر 10 سے لے کر آیت نمبر 44 تک) قصہ سلیمانؑ ہے ہم نے داؤدؑ کو زرہیں بنانے کا اور سلیمان کو پرندوں کی بولی کا علم عطا کیا تھا تو ان دونوں باپ اور بیٹے یعنی حضرت داؤدؑ اور ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ "اے پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اپنے مومن بندوں پر فضیلت دی۔"

یوں تو تمام انبیاء و مرسلین کو خدا کی طرف سے علم عطا ہوتا ہے کوئی نبی ان پڑھ یا جاہل نہیں ہوتا مگر بعض انبیاء کو کچھ خصوصی علم بھی دیے جاتے ہیں جیسے حضرت داؤدؑ کو زرہ بنانے کا علم دیا گیا اور حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا، حضرت خضر کو باطنی علم اور حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر خواب عطا کیا گیا۔

اب آیت نمبر 14 سے 15 تک وراثت انبیاء اور وراثت علم پر بحث کی گئی ہے کہ یوں تو ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے لیکن وراثتیں کتنی قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی وراثت جائداد، روپیہ پیسہ، باغات، مکانات وغیرہ یہ تو مادی وراثت ہے جس کا تعلق دنیا سے ہے دوسری وراثت علم و حکمت کی ہے اور روحانی وراثت ہے۔

ایک ہی شخص کی اولادوں میں کچھ بچے ذہین ہوتے ہیں کچھ کند ذہن کچھ نیک اور کچھ بد کچھ

معذور بھی ہوتے ہیں مگر ماں باپ کو ساری اولاد پیاری ہوتی ہے اس لئے وہ جب اپنے مالی ورثہ کو تقسیم کرتے ہیں تو سب کو برابر کا حق دے دیتے ہیں۔

اب علم و حکمت کا جہاں تک معاملہ ہے تو علم میراث میں چلنے کی چیز نہیں' ورنہ ہر عالم کا بیٹا عالم ہوتا' ہر ڈاکٹر کا بیٹا یا بیٹی ڈاکٹر ہوتے' ہر شاعر کی اولاد شاعر ہوتی مگر ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی عالم کا بیٹا عالم بننا چاہے تو اس کے لئے اس کو علم حاصل کرنا پڑتا ہے نہ کہ بطور میراث اس کو علم ملتا ہے۔ اگر مراد علم بالمیراث لیا جائے تو پھر تو حضرت داؤدؑ کے جتنے بیٹے تھے' سب میں یہ میراث چلی جاتی۔ خدا نے صرف حضرت سلمانؑ ہی کو کیوں اس کے لئے مخصوص کیا؟ پھر کردار بھی ورثہ نہیں ہوتا جیسا کہ کچھ اولادیں نیک اور قابل ہوتی ہیں' کچھ بد اور نافرمان کچھ نااہل اور کچھ ہر طرح کی ذمہ داری نبھانے کی اہلیت رکھتی ہیں۔

اب مادی وراثت یعنی روپیہ پیسہ' باغات' جائداد میں ساری اولاد کو حضرت داؤدؑ کی طرف سے برابر حصہ ملا اور حضرت سلمانؑ کو بھی اس مادی وراثت میں حصہ ملا مگر یہ طے ہو گیا اس آیت نمبر 15 سے کہ انبیا کا مادی ورثہ بھی ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ اس آیت کو نہ اتارتا۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ نبی لوگوں کے لئے ہی نمونہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے گھر میں بھی ایک باپ' ایک شوہر' ایک بیٹا اور ایک بھائی ہوتا ہے۔ جب وہ رشتوں کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے پر نبھانے میں اپنا صحیح کردار ادا کرے گا تبھی وہ اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی اس کی تعلیم دے سکے گا۔

اب آیئے سلطنت کے ورثے کی طرف' سلطنت چونکہ اپنی نہیں ہوتی' وہ ایک ذمہ داری ہے عوام کے مفادات کے تحفظ کی۔ اس لئے اس کو چاہے کوئی شخص نبی یا ولی ہو یا وہ عام آدمی ہو' وہ سلطنت کو ورثے کے طور پر بہت سارے لوگوں میں نہیں بانٹ سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایک سربراہ مملکت کے اگر چار بیٹے ہیں یا چھ بیٹے بیٹیاں ہیں تو وہ سب کو تو اپنی جگہ بادشاہ نہیں بنا سکتا۔ اسے یقیناً کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ اب اگر وہ بادشاہ نیک' با کردار اور علم کی فضیلت رکھتا ہے تو یقیناً اس کی کوشش ہوگی کہ وہ اپنے سب سے نیک' با کردار' ذہین اور عالم بیٹے کو اس منصب کا حقدار

سمجھے گا چونکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور وہ چاہے گا کہ اس کے بعد جو شخص سلطنت کے امور سنبھالے وہ اس جیسا یا اس سے بہتر ہوتا کہ لوگ یہ نہیں کہیں کہ خود تو فلاں سربراہ بہت اچھا تھا مگر جاتے جاتے ایک غیر ذمہ دار اور خراب شخص ہمارے سروں پر مسلط کر گیا ہے۔

اب یہاں حضرت داؤدؑ صرف ایک بہترین سربراہ مملکت ہی نہیں ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کے اللہ کے نبیؑ ہیں اور نبیؑ معصوم ہوتا ہے۔ اس کا اللہ سے رابطہ رہتا ہے اور اللہ نے حضرت داؤدؑ کو یہ پیغام دے دیا تھا کہ تمہارے بعد سلیمانؑ صرف تمہارا علمی اور روحانی وارث ہی نہیں ہوگا بلکہ وہ تمہاری سلطنت کا بھی وارث ہوگا۔ ان کو تین وراثتیں ملیں گی ایک تو مالی وراثت ہوگی جو تمہارے اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال میں اتنی ہی ہوگی جتنی باقی اولادوں کی اور یہ سب میں برابر تقسیم ہوگی مگر باقی دو وراثتوں کا حقدار سلیمانؑ دو وجوہات کی بناء پر ہوگا' ہم اسے نبی منتخب کر چکے ہیں اس لئے دنیا دیکھے گی کہ اس کا کردار اور رویہ باقی بیٹوں کے مقابلے میں تم سے مشابہ ہوگا یعنی وہ نبوت اور سلطنت میں تمہارا وارث ہوگا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ انبیاء میں وراثت کا سلسلہ جاری تھا اور یہی دعویٰ اس آیت کے حوالے سے بی بی فاطمۃ الزہراؑ نے ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ جب انہوں نے اپنے والد رسولؐ خدا کی وفات کے بعد قائم ہونے والی حکومت کے سامنے یہ کہا کہ میرے والد کا ترکہ مجھ سے چھین کر مجھے معاشی تکلیف پہنچائی جا رہی ہے جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں اب کوئی دشواری نہیں ہو رہی کہ رسولؐ کے بعد ان کی امت ان کے دین کو بھی اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گی مگر انہیں جان لینا چاہیے کہ انہوں نے مالی ورثہ تو چھین لیا مگر وہ دین کا ورثہ چھیننے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اس لئے کہ رسولؐ کے وارث علم دین میرے شوہر اور میرے بیٹے حسنینؑ ہیں جو اپنے خون سے اس دین کی آبیاری کریں گے اور وہی ہوا آخر کار جس کی پیشنگوئی بی بی فاطمۃ الزہراؑ نے کر دی تھی کہ یہ دین ختم ہوتے ہوتے کربلا تک پہنچ گیا جسے حضرت علیؑ امام حسنؑ کی قربانیوں کے بعد آخر کار امام حسینؑ کو اپنے خون سے ہی نہیں بلکہ 72

ایسی قربانیاں شامل ہیں جس میں جوان بیٹوں' بوڑھے دوستوں' جوان بھائیوں اور حتیٰ کہ ایک معصوم چھ ماہ کے بچے تک کی قربانی دے کر اس دین کو بچانا پڑا' جس کے لئے علامہ اقبال نے کہا کہ

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اب آیت نمبر 17 سے آیت نمبر 21 تک کہا جارہا ہے کہ "سلیمانؑ کے لشکر میں جن' انسان اور پرندے جمع کئے جاتے تھے اور پورے نظم وضبط سے رکھے جاتے تھے یہاں تک کہ وادیٔ نمل سے گزر ہوا۔

چونکہ جنات سے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جنات سے مراد انسانوں سے علیحدہ کوئی مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ انسان ہی ہیں جو دراز قد آور اور سرکش طبیعت کے ہوتے تھے لیکن قرآن نے جابجا جنات کو انسانوں سے الگ ایک مخلوق ظاہر کیا ہے جو انسانوں کی سی شکل وصورت اور ہیئت میں ہوتے ہیں۔ انسانوں کی خلقت مٹی سے ہوئی اور جنوں کے لئے کہا گیا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا۔ سورۃ رحمٰن میں کہا گیا کہ "یمعشر الجن والانس فبای آلاء ربکما تکذبن" یعنی تم دونوں جن وانسان خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور سورۃ الکہف میں کہا گیا کہ کان من الجن یعنی شیطان جنوں میں ہوتا ہے چونکہ وہ آگ سے بنایا گیا اور اس نے خود کو افضل سمجھا' تکبر کیا اللہ کی نافرمانی کی اور انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اس لئے اللہ نے اسے راندۂ درگاہ کیا۔

یہاں وادیٔ نمل سے مراد چیونٹیوں کا میدان ہے جہاں بکثرت چیونٹیاں تھیں جب حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑے پر سوار مع لشکر ادھر سے گزرے تو ایک چیونٹی نے جو ان کی سردار تھی' اپنی قوم سے کہا کہ تم سب اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں کچل ڈالے۔

چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے جانوروں' چوپایوں اور پرندوں کی بولی سمجھنے کا علم عطا کیا تھا۔ اس لئے جب چیونٹی کی یہ خوفزدہ آواز ان تک پہنچی تو آپ ہنس پڑے اور آپ نے اس

چیونٹی کو پہچان کر اسے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور فرمایا کہ تو نے یہ کیسے جانا کہ میرا لشکر تجھے کچل ڈالے گا۔ چیونٹی نے کہا کہ یا نبی اللہ اس لشکر میں سب غیر معصوم ہیں اور معصوم تو صرف آپ ہی ہیں' غیر معصوم سے ہر اقدام ممکن ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تیری پوزیشن اس قوم میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو مگر اس وقت تو میں آپ سے بہتر ہوں اس لئے کہ آپ کی سواری ایک چوپایا یعنی گھوڑا ہے اور میری سواری ایک نبی کا ہاتھ ہے' حضرت سلیمان علیہ السلام یہ سن کر حیران رہ گئے کہ ایک چیونٹی اللہ کے نبی کی عظمت کو پہچانتی ہے اور میرے لشکر سے کچلے جانے کا خوف بھی رکھتی ہے۔ آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اتنی نعمتوں کے بعد کہیں میرے اندر غرور نہ پیدا ہو جائے اور میرا قدم اعتدال کے راستے سے نہ ہٹ جائے اس لئے آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ' میرے رب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہمیشہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھے اور میرے باپ کو عطا فرمائیں اور میں ایسے نیک اعمال کروں جو تیری پسندیدگی کا باعث ہوں۔ پھر آپ کا دوسرا قصہ شروع ہوتا ہے کہ آپ کا تخت ہوا میں اڑا جا رہا تھا اور آپ کے سر پر پرندے سایہ کئے ہوئے تھے کہ ایک گوشہ سے سورج کی کرن آپ پر پڑی آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ہدہد کو اپنے مقام پر نہ پایا (جیسا کہ شروع میں بتایا گیا کہ ایک چھوٹی سی چڑیا کی شکل میں جن تھا جو آپؑ کی فوج میں شامل تھا)

اور خدا کی طرف سے انبیاء کا احترام یہ ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر فوج کا کوئی فرد اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا۔ اس لئے حضرت سلیمانؑ حیران تھے کہ بغیر اجازت ہدہد اپنی ڈیوٹی سے غائب کیوں ہو گئی۔ آپ نے لشکر والوں سے کہا کہ اگر ہدہد نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ پیش نہ کی تو اس کو سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت سلیمانؑ نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر ہدہد آ گیا اور آ کر کہنے لگا کہ میں آپ کے پاس وہ خبر لے کر آیا ہوں جو آپ کو بھی نہیں معلوم' پھر اس نے شہر سبا کی ایک خبر سناتے ہوئے کہا کہ وہ ایک ایسا ملک ہے' جہاں کے لوگ سورج کی عبادت کرتے ہیں خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں اچھا کر کے دکھایا ہے ان کو راہ راست سے روک رکھا ہے وہ اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ اس خدا کو ہی سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین میں پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور ہم لوگ جو

بھی کام چھپا کر کرتے ہیں یا ظاہر میں جو نیک کام کرتے ہیں ان کے پیچھے چھپی ہوئی نیتوں کو وہ جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر جو زیادہ حیرت کی بات ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں ایک عورت بلقیس بنت شراجیل کی حکومت ہے جس کا تخت بہت بڑا ہے جس میں جابجا ہیرے جواہرات جڑے ہیں۔

اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی خطا کو معاف کیا اور اس کی سچائی کی تحقیق کے لئے اسے ایک خط دیا اور کہا کہ اچھا جا اور میرا یہ خط ان کے پاس ڈال پھر ان کے پاس سے ہٹنا مت پھر دیکھتے رہنا کہ آخر وہ کیا جواب دیتی ہے' بلقیس اپنے محل میں محوخواب تھی کہ یہ خط ہدہد نے ایک روشن دان سے محل کے اندر داخل ہو کر اس کے سینے پر رکھ دیا جب وہ بیدار ہوئی اور خط کو سینہ پر رکھے دیکھا تو سخت پریشان ہوئی کہ یہ کہاں سے آ گیا اس نے خط کھولا تو پہلی لائن آیت نمبر 30 انه من سليمن وانه بسم الله الرحمن الرحيم لکھا ہوا تھا اور دوسری دو باتیں یہ تھیں کہ "سرکشی اختیار نہ کرو" دوسری بات یہ تھی کہ چپ چاپ فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔

حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کا زمانہ تقریباً گیارہ ہزار سال قبل مسیح تھا اس وقت بھی کسی تحریر یا تقریر کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا جاتا تھا یعنی اس وقت کی زبان میں بھی عربی کے یہ پاک الفاظ بدستور آغاز کام اور گفتگو کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ اسی بسم اللہ کا اثر تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے خط سے بلقیس خوفزدہ ہو گئی' اور اس نے اپنے درباریوں کو بلا کر کہا ایسا خط میرے پاس آیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عظیم بادشاہ کا خط ہے کیونکہ اس کی عظمت کا ایک نشان تو یہ ہے کہ پرندے اس کے تابع فرمان ہیں' دوسرے اس کی عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ خط کا آغاز اپنی بادشاہت کے رعب سے نہیں بلکہ اللہ کو بادشاہ اور اس کے رحم و مہربانی کا اقرار کر کے کیا ہے۔ اس لئے میں اس کی عظمت سے متاثر ہوئی ہوں مگر کیونکہ میرا قاعدہ ہے کہ جب تک میں اپنے دربار کے سرداروں' امیروں اور وزیروں سے مشورہ نہ کرلوں کسی امر کا خود فیصلہ نہیں کرتی۔ وزیروں' مشیروں نے کہا کہ ہمارے دربار کی طاقت اور فوجی ساز و سامان کا آپ کو اندازہ ہے' ہم اس بادشاہ سے مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ آگے آپ جانیں۔ آپ کو اختیار ہے آپ جو حکم دیں' اس کے

انجام پر آپ خود ہی غور کرلیں' بلقیس نے کہا کہ بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فاتحانہ انداز سے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے عزت داروں کو ذلیل کرتے ہیں۔ میں ایسے کرتی ہوں کہ ان کے پاس کچھ تحفے بھجواتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ ایلچی لوگ کیا جواب لاتے ہیں (زیادہ تر مفسرین نے جو اس واقعے کو تحریر کیا ہے اس کی شکل قصہ کہانی اور افسانوی ہے مگر قرآن ایک سیدھی اور صاف بات کرتا ہے اس لئے ہم قصے اور افسانے سے ہٹ کر صرف قرآنی مفہوم کی وضاحت کریں گے)۔

جو تحفے ملکہ بلقیس نے بھیجے تھے وہ یہ تھے زنانہ لباس میں خوبصورت غلام' طلائی زیوروں اور قیمتی لباس سے آراستہ 500 کنیزیں مردانہ لباس میں' سنہری جڑاؤ زین کے گھوڑے سوار' ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹیں' ایک ہزار عربی گھوڑے' جڑاؤ زین کے ساتھ ان کے ساتھ ایک جڑاؤ تاج اور یہ سارا سامان بھیجنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر حضرت سلیمانؑ دنیاوی بادشاہ ہیں تو ان کو رکھ لیں گے' ورنہ واپس کر دیں گے اور یہ بھی پہچان لیں گے کہ لونڈی کون ہے اور غلام کون۔

ہدہد نے یہ تحفے اور لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آ کر حضرت سلیمانؑ کو خبر کر دی کہ بڑا سامان آ رہا ہے۔ حضرت سلیمانؑ بھی بادشاہ تھے وہ بھی چاہتے تو اس امارت کے مظاہرے کے جواب میں شاہی کروفر دکھا سکتے تھے مگر انہوں نے جو خط بلقیس کو لکھا تھا' اس کا مقصد بلقیس کو مسلمان بنانا تھا' اپنی بادشاہت کا طمطراق دکھانا نہیں۔ چونکہ آپ نبیؑ تھے' اس لئے بادشاہت نبوت کے سائے میں جلوہ نما تھی' اس لئے خط بھی سادہ طریقے سے بھیجا گیا تھا سادہ پرچے پر دو لفظ لکھ کر ہدہد کی چونچ میں دے دیئے تھے مگر وہ سادہ سا خط بھی نبوت کی شان لئے ہوئے تھا جس نے بلقیس کے دل پر اتنا گہرا اثر کیا کہ وہ آپ کو آزمانے پر اتر آئی' مگر ہوا کیا کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی فوج میں موجود جن' پرندے' چوپائے' علماء' وزراء سب ایک لشکر کی صورت میں صف بہ صف کھڑے کئے اور بیچ میں اپنے تخت پر آپ بیٹھے اور بلقیس کے ایلچی منذر بن عمر کا بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور اس کے بعد پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا ایک بڑا صندوق۔ جواب میں حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ اس میں ایک بڑا موتی ہے اور ایک ٹیڑھے سوراخ کا موتی ہے۔ پھر

منذر نے ایک خط دیا، جس میں بلقیس نے لکھا تھا کہ صندوق کھولنے سے پہلے بتایئے کہ اس میں کیا ہے۔ سلیمانؑ نے خط لینے سے پہلے ہی بتا دیا کہ اس میں کیا ہے۔ پھر آپ نے بلقیس کے خط کے مطابق غلاموں اور کنیزوں کی وضاحت بھی کر دی۔ اس کے بعد صندوق کھلوا کر موتی نکلوایا اور ایک کیڑے کو جو غالباً دیمک تھی (بعض مفسرین نے چیونٹی لکھا ہے) اس کو حکم دیا کہ اس موتی میں سیدھا سوراخ کر دے، اس نے صاف ستھرا سوراخ کر دیا اور بلقیس کے بھیجے ہوئے سارے تحفے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں، مجھے خدا نے جو کچھ دے رکھا ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم لائے ہو۔

پھر بلقیس کے لئے پیغام تیار کیا کہ اس سے جا کر کہہ دو کہ میں عنقریب ایک ایسا عظیم لشکر لے کر تمہاری طرف آنے والا ہوں جس کا تم کسی طرح مقابلہ نہ کر سکو گی اور میں اپنی پوری طاقت کا مظاہرہ کروں گا اور تم سب کو بھرپور ذلت و رسوائی کے ساتھ تمہارے ملک سے باہر نکال دوں گا بلقیس سے کہہ دو کہ سیدھی طرح میری اطاعت قبول کرو اور میرے پاس آ کر اسلام قبول کرو ورنہ لشکر جرار لے کر میں خود پہنچوں گا اور تمہیں تباہی کی آخری منزل تک پہنچا دوں گا۔

بلقیس کے ایلچی منذر بن عمرو غیرہ جب حضرت سلیمانؑ کا جواب لے کر بلقیس کے پاس آئے اور ملکہ کو تمام حالات بتاتے ہوئے کہا ملکہ آپ یقین کریں کہ سلیمانؑ کا جاہ و حشم ایسا ہے جیسا اس وقت دنیا میں کسی کو نصیب نہیں۔ نہ آپ کی شان و شوکت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ آپ ان کی فوج کا مقابلہ کر سکتی ہیں بہتر یہی ہے کہ ان کی اطاعت قبول کر لی جائے اور جو وہ کہتے ہیں۔ اس پر عمل کیا جائے ورنہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

یہ روئیداد سننے کے بعد بلقیس نے یقین کر لیا کہ وہ دنیاوی بادشاہ نہیں ہیں، بلکہ نبی ہیں اور یہی کچھ تحفے واپس کرنے سے بھی اندازہ لگا لیا۔ بہرحال اس نے ایک نہایت ہوشیار آدمی سے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پیغام اطاعت بھیجا اور کہا کہ میں نے آپ کا حکم مان لیا ہے اور میں آپ کے حکم کے مطابق عنقریب حاضر خدمت ہوں گی۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا تاکہ خود بیت المقدس میں پہنچ کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے جا کر اپنے اسلام کو ظاہر

کرے۔ ابھی وہ بیت المقدس سے کچھ فاصلے پر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ کون ہے جو اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچا دے (یہ تخت "تخت بلقیس" کے نام سے جس کا شہرہ تھا سونے کے اس تخت میں زور جواہرات زمرد و یاقوت جڑے ہوئے تھے جس سے اس کی سلطنت کا پتہ چلتا تھا) زیادہ تر مفسرین نے اس قصے کو رقم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جاتے ہوئے ملکہ بلقیس اس تخت کو سات آہنی کمروں میں بند کر کے اس پر زبردست پہرہ لگا کر کنجی اپنے پاس رکھ کر روانہ ہوئی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کو خداوند تعالیٰ نے الہام دے دیا تھا کہ بلقیس تمہاری طرف متوجہ ہو چکی ہے اور آ رہی ہے نزدیک پہنچ چکی ہے اسی لئے آپ اس کا تخت اس سے پہلے منگوا کر اسے نبوت کا معجزہ دکھانا چاہتے تھے تاکہ خدا کی قدرت کا ایک نقش اس کے دل پر بیٹھ جائے آپؑ کا حکم سن کر ایک جن، جس کا نام تاریخوں میں اصطبی لکھا ہوا ہے کہا کہ میں آپ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے اس تخت کو آپ کے سامنے لا کر حاضر کر دوں گا۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ یہ مدت زیادہ ہے میں اس مدت سے بھی پہلے اس تخت کو اپنے دربار میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ارشاد سن کر ایک لڑکا جس کو زیادہ تر مفسرین نے حضرت سلیمانؑ کا بھانجا کہا ہے، جس کی پرورش یتیمی کی وجہ سے آپ نے کی اور ان کو ایک اسم اعظم کا علم عطا ہوا تھا اور اسی علم کی بنیاد پر انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ پلک جھپکتے میں یہ تخت لا کر حاضر کر دیں گے ان کا نام آصف بن برخیا ہے یہ حضرت سلیمانؑ کے وزیر بھی تھے۔

آصف بن برخیا نے اس ایک اسم اعظم کا علم جاننے کی بنیاد پر پلک جھپکتے ہی تخت بلقیس کو لا کر حضرت سلیمانؑ کو پیش کر دیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ بلقیس کے لئے ایک عظیم الشان محل تعمیر کیا جائے چنانچہ فوراً ہی شیشے کا ایسا محل تعمیر کیا گیا جو بے مثل و بے نظیر تھا اور اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس کے صحن میں پانی کی موجیں کروٹیں لے رہی تھیں اب یہ شیشے کا محل اور پانی کی موجیں محل کے صحن میں بنوانے کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ اپنی بادشاہت کی شان بلقیس کو دکھانا چاہتے تھے بلکہ بلقیس کے آنے سے پہلے قوم جن کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر سلیمانؑ نے اس سے شادی کر لی تو ایک عورت ہم پر حکومت کرے گی لہٰذا انہوں نے مشہور کر دیا کہ

وہ بے عقل ہے۔ دوسرے نیچے کے حصے پر کمر سے لے کر پیروں تک ریچھ کے سے بال ہیں مقصد یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دل اس کی طرف سے بدل جائے' جب وہ آ گئی تو ان دونوں باتوں کی حقیقت جاننے کے لئے اس کا امتحان لینا ضروری ہوگیا۔ سب سے پہلے عقل کا امتحان کرنا تھا' اس لئے اس کا تخت منگوا کر اس کے آنے سے پہلے اس تخت میں تبدیلی کا حکم دیا گیا جب وہ آئی اور آپ نے جو تخت اپنے لئے بنوایا تھا' اس پر بلقیس کو بیٹھنے کے لئے کہا اور خود بلقیس کے تخت پر بیٹھے اور اس سے پوچھا کہ اس میں تمہارا تخت کون سا ہے؟ بلقیس نے اپنا تخت پہچان لیا۔ اس طرح اس کی عقل کا امتحان ہوگیا پھر ٹانگوں پر کمر سے لے کر پیروں تک بال کا مسئلہ دقت طلب تھا چونکہ آپ اللہ کے نبیؑ تھے اور ایک نامحرم عورت کی پنڈلیاں کھول کر نہیں دیکھ سکتے تھے' اس لئے شیشے کے فرش کے نیچے پانی چھوڑ دیا گیا تھا اور اس میں مچھلیاں بھی ڈال دی گئی تھیں جب وہ محل میں داخل ہوئی تو اس نے سمجھا کہ پانی بھرا ہوا ہے لہٰذا اس نے اپنے پائنچے اٹھا لئے' حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ دونوں پنڈلیاں صاف ہیں' اس طرح اس افواہ کا بھی پول کھل گیا۔ ان دونوں امتحانوں کے بعد حضرت سلیمانؑ اسے اسلام کی دعوت دی۔ بلقیس پہلے ہی آپ کی عقل و دانش کا لوہا مان چکی تھی اور انہیں نبیؑ مان چکی تھی مگر یہاں آ کر اپنا تخت اور طریقہ امتحان دیکھ کر وہ آپ کی نبوت کے معجزے پر ایمان لے آئی اور مسلمان ہونے کے بعد اس نے کہا **رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلمان للّٰہ رب العالمین** اے خدایا میں نے غیر خدا کی پرستش کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں سلیمانؑ کے ساتھ سارے جہانوں کے پروردگار پر ایمان لاتی ہوں اور اس طرح اس کے ساتھ آنے والے اس کی سلطنت کے تمام زعماء و امراء بھی مسلمان ہوگئے۔ اس قصے میں سبق آموز بات یہ ہے کہ ایک عورت کی دانائی نے کس طرح اپنے ملک کو بھی بچالیا اور خود کو بھی رسوائی سے بچالیا۔ اس کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اس سے شادی کرلی اور اس کا ملک سبا بھی اس کو واپس کردیا بلقیس سے آپ کی کئی اولادیں ہوئیں۔

سورہ نمبر ۲۸ | آیات: ۸۸

سورۃ القصص

مقام نزول: مکہ

بیان واقعات کی سورہ

تعارف: چونکہ اس سورہ میں زیادہ تر انبیاء و امم سابقہ کے واقعات ہی کا بیان ہے اس لئے اس کا نام قصص ہوا۔

اس سورۃ میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا واقعہ مکمل تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا ہے جس میں فرعون کے مظالم اور اپنے ملک کے تمام بچوں کا اس لئے قتل کیا جانا کہ اسے نجومی نے بتایا تھا کہ ایک بچہ اس ملک میں ایسا پیدا ہوگا جو تمہاری بادشاہت کو ختم کردے گا۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ ہر بچہ پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے یہاں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے والے تھے تو خوف سے آپ نے بچے کی پیدائش چھپائی اور اسے پیدا ہوتے ہی ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں وہ صندوق بہا دیا' جو بہتے بہتے آخرکار فرعون کے گھر پہنچ گیا اور اللہ کی شان یہ ہے کہ موسیٰ فرعون کے ہی گھر پرورش پاتے رہے یعنی جس بچے کے ہاتھوں فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنا تھا' اللہ نے خود ہی فرعون کے گھر میں اس کے اپنے ہاتھوں سے اس کی پرورش کرادی اور فرعون یہ نہ جان سکا کہ وہ کسے پرورش کر رہا ہے۔ اس خدا کی مشیت سے کون لڑسکتا ہے اور کس کی چالیں اس کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کا موضوع بھی ان شکوک و شبہات و اعتراضات کو دور کرنا ہے جو نبیؐ کی رسالت پر اٹھائے جا رہے تھے کہ آخر محمدؐ کو چپکے سے یہ نبوت کہاں سے مل گئی اور بیٹھے بٹھائے یہ نبی کہاں سے بن گئے۔ مشرکین و کفار مکہ کو موسیٰؑ کا یہ قصہ پوری تفصیل سے بتایا جا رہا ہے کہ نبوت کسی شخص کو کسی بڑے جشن میں دھوم دھام سے اعلان کے ساتھ نہیں دی جاتی اور جس طرح تم خود حوالہ دیتے

ہو کر لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ (آیت نمبر 148) جس طرح موسیٰ کو نبوت راہ چلتے مل گئی تھی اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی کہ آج طور سینا وادی میں کیا واقعہ پیش آ گیا۔ جیسے سورۃ نمل میں ارشاد فرمایا گیا کہ موسیٰ خود ایک لمحے پہلے تک نہ جانتے تھے کہ انہیں کیا چیز ملنے والی ہے' آگ لینے چلے تھے اور پیغمبری مل گئی یعنی جس بندے سے خدا کوئی کام لینا چاہتا ہے' وہ بغیر کسی لاؤ لشکر اور سروسامان کے ساتھ اٹھتا ہے۔ کوئی اس کا مددگار نہیں ہوتا' کوئی طاقت بظاہر اس کے پاس نہیں ہوتی مگر بڑے بڑے لاؤ لشکر اور اقتدار والے آخر کار اس کے مقابلے میں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور جو نسبت تم آج اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان پا رہے ہو' اس سے بہت زیادہ فرق موسیٰ اور فرعون کی طاقت کے درمیان تھا مگر دیکھ لو آخر کون جیتا اور کون ہارا۔

اب کفار مکہ بار بار موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ محمد' کو وہ کچھ کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا گویا تم تو ایمان لانے کو تیار بیٹھے تھے بس انتظار تھا تو یہ کہ تمہیں معجزے دکھائے جائیں جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دکھائے تھے مگر کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جن لوگوں کو یہ معجزے دکھائے گئے تھے انہوں نے کیا کیا تھا؟ وہ تو ان معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تھے بلکہ انہوں نے تو اس کو جادو کہا تھا کیونکہ وہ ہٹ دھرم تھے اور اسی مرض میں آج تم بھی مبتلا ہو اور پھر جس طرح انہوں نے معجزے دیکھ کر بھی حق کا انکار کیا تھا' ان کا انجام کیا ہوا؟ آخر کار اللہ نے انہیں تباہ کر کے چھوڑا۔ اب تم بھی کیا ہٹ دھرمی کے ساتھ معجزہ مانگ کر اپنی شامت بلانا چاہتے ہو۔ اب پانچویں رکوع سے اس موضوع کی طرف آتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ تم اس بات پر سب کفار' مشرکین' منافقین' اہل کتاب متفق ہو کہ رسولؐ اُمی ہیں یعنی (نعوذ باللہ) وہ پڑھنا نہیں جانتے اس کے باوجود محمدؐ دو ہزار برس پہلے گزرے ہوئے واقعے کی تفصیل سے اچھی طرح واقف تھے جبکہ آپؐ کے پاس ان معلومات کے حاصل ہونے کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے آپ یہ قصے جان سکیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہی ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلیم و تربیت لے چکے تھے نبی کا کوئی استاد نہیں ہوتا سوائے اللہ کے۔

پھر آپ کے نبیؐ بنائے جانے کے واقعے کو ان لوگوں کے لئے اللہ کی طرف سے ایک رحمت قرار دیا جا رہا ہے کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے تھے اور اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے یہ انتظام کیا۔ آخر میں کفار مکہ کو اس واقعے پر عبرت اور شرم دلائی جا رہی ہے جب رسولؐ کی بعثت کی خبر چاروں طرف پھیلی تو حبش کے بادشاہ نے ایک وفد عیسائیوں کا تحقیق حال کے لئے بھیجا جو 30 آدمیوں پر مشتمل تھا (جیسا کہ آپ سورۂ مریم میں جان چکے ہیں کہ ہجرت حبشہ کے وقت جن مہاجرین کو حبش کے بادشاہ نے پناہ دی تھی اور حضورؐ کے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ سے سورہ مریم کی تلاوت اور ان کی پاکیزگی کی گواہی سنی تھی جو قرآن نے دی تھی تو وہ قائل ہو گیا تھا کہ یہ دین ضرور وہی ہے اور نبیؐ بھی وہی ہیں جن کی نشاندہی ہماری بائبل میں کی گئی ہے) اب حبش کے بادشاہ کی فہم و فراست دیکھئے کہ وہ ان عیسائیوں کا وفد بھیج رہا ہے جن سے اسے خدشہ ہے کہ یہ بہت بڑے بڑے عالم دین ہیں۔ ان کو تحقیق کے لئے بھیجا جائے تاکہ جو تحقیق یہ کر کے آئیں تو اپنے زیر اثر افراد کو بھی اس دین کی حقانیت کے بارے میں واپس آ کر بتا سکیں۔ قرآن کفار مکہ کو شرم دلا رہا ہے کہ دیکھو یہ وفد جب حضورؐ سے ملا بہت سے لوگ جمع ہو گئے آپؐ نے ان کے سامنے قرآن پڑھا تو ان پر وجد طاری ہو گیا اور اس کی صداقت کی تصدیق کی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر انہوں نے آپؐ سے چند سوالات کئے جن کے جوابات سن کر انہوں نے رسولؐ کی حقانیت کی تصدیق کی پھر حضورؐ نے انہیں دعوت اسلام دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جب واپس جانے لگے تو راستے میں ابو جہل وغیرہ نے ان کو راستے میں پکڑ لیا کہ تم تو تحقیق کے لئے آئے تھے نہ کہ اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونے آئے تھے انہوں نے کہا بس تمہیں ہمارا سلام ہم تمہاری جہالت کی باتوں سے بیزار ہو رہے ہیں۔ ہمارا راستہ چھوڑو۔ تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لئے۔ ہم اس سے پہلے بھی انبیاء کے دین پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ اب ہم نے قرآن کو اس کے مطابق پایا تو اس رسولؐ پر ایمان لے آئے۔ قرآن آخری آیتوں میں ان کفار اور منافقین کو شرم دلاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں کو دہرا اجر ملے گا پہلی

کتابوں پر ایمان لانے کا بھی اور اس کتاب پر بھی' جس کی پیشگوئی ان کی کتابوں میں تھی۔ مگر ان پچھلی کتابوں میں اس دور کے منافقین اپنے دنیاوی مفادات کے حوالے سے ترمیم کرتے رہے مگر صاحب ایمان محققین جو سچ کی تلاش میں رہتے ہیں انہوں نے اس قرآن اور نبیؐ کے بارے میں کوئی بھی بیکار مکالمہ سننا گوارہ نہ کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہم پہلے بھی خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے اور اب بھی اسی خدا اور اس کے نبیؐ پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔

اس سورۃ میں دراصل کفار مکہ کو کہا جا رہا ہے کہ چراغ تلے اندھیرا ہے باہر کے لوگ آ کر ایمان لا رہے ہیں اور گھر کے لوگ اس نعمت سے مستفیض ہونے سے محروم ہیں۔

یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ (سورۃ الشعراء ۱۲۹۔۱۲۸ :۲۶)

اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے (سورۃ الحج ۲۲:۵)

سورۃ نمبر ۲۹ آیات: ۶۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ العنکبوت

دشمن کے منصوبے کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دینے والی سورہ

تعارف: یہ سورۃ کافروں کے بنائے ہوئے ایک ایسے منصوبے سے متعلق ہے جو منصوبہ "مکڑی کے جالے" کی طرح بنایا گیا تھا۔ یہ آیت نمبر 41 ہے "مثل الذین اسخدو من دون اللّٰہ اولیاء کمثل العنکبوت"

یہ سورۃ بھی ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اگر ظلم و ستم تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے تو ایمان چھوڑنے کے بجائے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے جہاں خدا کی بندگی کر سکو وہاں چلے جاؤ۔

جو قصے اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں ان میں بھی زیادہ تر یہی پہلو نمایاں ہے کہ پچھلے انبیاء کرامؑ کو دیکھو کیسی کیسی سختیاں ان پر گزریں اور کتنی کتنی مدت وہ ستائے گئے پھر آخر کار اللہ تعالی کی طرف سے ان کی مدد ہوئی، اس لئے گھبراؤ نہیں، اللہ کی مدد ضرور آئے گی، مگر آزمائش کا دور گزرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو یہ سبق دینے کے ساتھ ساتھ کفار مکہ کو بھی ان قصوں میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر خدا کی طرف سے پکڑ ہونے میں دیر لگ رہی ہے، تو یہ نہ سمجھو کہ کبھی پکڑ ہوگی ہی نہیں، پچھلی تباہ شدہ قوموں کے نشانات تمہارے سامنے ہیں، دیکھ لو کہ آخر کار ان کی شامت آ ہی گئی اور خدا نے ان کے مقابلے میں اپنے نبیوں کی مدد کی اور قوم ثمود، قوم لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی قوموں کے عذاب کی اس سلسلہ میں مثالیں اس سورۃ میں جگہ جگہ دی گئی ہیں۔

سب سے اہم بات جو اس سورۃ میں کہی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم بے شک اللہ نے دیا ہے مگر جب والدین توحید الٰہی کے تقاضوں میں رکاوٹ بننے لگیں تو پھر ان کی اطاعت حرام ہے۔ اس سورۃ کے نزول سے پہلے جو سب سے بڑی مصیبت اس وقت کے

نوجوانوں کو پیش آ رہی تھی' وہ یہ تھی کہ ان کے والدین ان پر زور ڈال رہے تھے کہ تم حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دو اور ہمارے دین پر قائم رہو اور جس قرآن پر تمہیں ایمان لانے کے لئے کہا جا رہا ہے اس قرآن میں بھی تو یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے تو ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے مانو ورنہ تم خود اپنے ہی ایمان کے خلاف کام کرو گے اس کا جواب آیت نمبر 8 میں دیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے ماں باپ کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے' ان کے مقابل اُف تک کہنے کی اجازت نہیں دی گئی مگر یہ اطاعت تو خدا کی خوشنودی کے لئے کی جاتی ہے اور جب خدا پر ایمان ہی صحیح نہ ہو تو پھر خوشنودی کس کی۔

اسی طرح آیت نمبر 12 میں فرمایا گیا ہے کہ بعض نومسلموں کے قبیلے خصوصاً بنو امیہ میں ابوسفیان وغیرہ حضرت رسول خداؐ سے آ کر کہتے تھے کہ اگر آپؐ اپنے گھڑے ہوئے دین سے ہٹ جائیں اور ہمارے دین کی طرف آ جائیں تو قیامت میں آپؐ کے جتنے گناہ ہوں گے ان سب کا بوجھ ہم اٹھا لیں گے اور دوسری طرف لوگوں سے جا کر کہتے تھے کہ تم ہمارا کہا مانو اور محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دو۔ اگر خدا تمہیں پکڑے گا تو ہم خود آگے بڑھ کر کہہ دیں گے کہ صاحب ان بے چاروں کا کچھ قصور نہیں' ان کو ہم نے ایمان چھوڑنے پر مجبور کیا تھا' اس لئے آپ ہمیں پکڑیں۔ اب ان کی اس بکواس کا جواب سورۃ نمبر 12 اور 14 میں دیا گیا ہے کہ اول تو ان لوگوں کو قیامت کا یقین ہی کب ہے؟ جن کے خیال میں قیامت ایک من گھڑت کہانی سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا جب مرنے کے بعد کچھ ہونا ہی نہیں' تو ایسا وعدہ کرنے میں کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھا لیں گے' ہمارا بگڑتا ہی کیا ہے اور اگر بالفرض محال قیامت کا عقیدہ سچ ہے تو ہم بھی خدا سے کہہ دیں گے کہ انہیں چھوڑ دے اور ان کے گناہ کا بوجھ ہماری گردن پر رکھ دے۔

اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ کیا ان احمقوں نے قیامت کے دن کو دنیا کے کسی قاضی کی عدالت سمجھ رکھا ہے کہ اس کے سامنے جو چاہا کہہ دیا' وہ یہ نہ سمجھے کہ وہاں کس کی طاقت ہوگی کہ اذنِ الٰہی کے بغیر ایک لفظ بھی منہ سے زبان سے نہ نکال سکیں گے۔ جب فرشتے انہیں جہنم کی

بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جائیں گے' اس وقت کس کی طاقت ہوگی کہ زبان کھول سکے اور اگر بالفرض محال کھول بھی لی تو سنے گا کون؟

پھر عنکبوت یعنی مکڑی کے جالے کی مثال دیتے ہوئے ان کفار و مشرکین سے جو بتوں کو اپنا معبود جانتے تھے' کہا جارہا ہے کہ یہ لوگ احمقانہ عقیدوں میں پھنسے ہوئے ہیں' ان کے واہموں کی حیثیت ایک مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں اور جالا ہوتا ہی کیا ہے' ذرا سی انگلی لگ جائے تو فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔ پس یہ سب خیالات انتہائی کمزور ہیں جس طرح مکڑی اپنے جالے میں خود پھنس جاتی ہے اسی طرح یہ لوگ بھی اپنی بداعمالیوں میں مبتلا ہوکر اپنی بدبختی کا باعث خود ہی بن جاتے ہیں اور آخر میں قرآن کو معجزہ کہا گیا کہ اصل آیات قرآنی صفحہ کاغذ پر نہیں بلکہ خاص اہل علم کے سینوں میں ہوتی ہیں۔ یہ قرآن دراصل ان آیات پر مشتمل ہے' جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب خدا کا نزول قلب رسولؐ پر ہوتا رہا' کوئی لکھی ہوئی کتاب حضورؐ کے پاس یکبارگی نہیں آئی۔ یہ علم قدرت نے قلب رسولؐ پر جو لکھ دیا' وہی اصل کتاب ہے اور جو حضورؐ نے پڑھ کر سنادی اور لوگوں نے لکھ لیا وہ قرآن ہے۔ پس کتاب خدا کی ایک اصل کاپی ہر زمانے میں موجود رہنی چاہیے تاکہ اگر قرآنی آیات میں کوئی اختلاف کی صورت پیدا ہو تو اصل کتاب سے اس کو ملا لیا جائے۔ یہ اصل کتاب خدا نے ان لوگوں کے سینوں میں رکھی ہے جن کو خدا کی طرف سے علم عطا کیا گیا ہے۔ دنیا کے کسی مدرسے سے انہوں نے تعلیم نہیں پائی۔ نیز یہ کہ ایسے لوگ معصوم ہونے چاہئیں تاکہ کسی قسم کی غلطی کا امکان ان سے ممکن نہ ہو اور ہر زمانے میں ان میں سے کسی کا وجود پایا جائے۔ اب "فی صدور الذین اوتوا العلم" سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سلسلہ ہے عہد رسالتؐ سے اب تک مسلمانوں میں جو خدا کے یہاں سے پڑھا ہوا آیا ہے یعنی رسولؐ نے صرف انہیں کو علم الٰہی سینہ بہ سینہ منتقل کیا ہے اور وہ سوائے اُن اہلبیت رسولؐ کے اور کوئی نہیں اولو العلم سے وہی مراد ہیں جنہیں رسولؐ نے اللہ کے حکم سے امامت کے منصب پر فائز کیا اور منافق مسلمانوں نے انہی سے ہمیشہ اختلاف کرنے کی کوشش کی

جن کی وجہ سے مسلمانوں میں تہتر 73 فرقے بن گئے ہیں اور ہر فرقہ قرآن سے استدلال کر کے اسے اپنے حق میں بتانے کی کوششیں کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن تہتر (73) تفسیروں اور معنی کے ساتھ نازل نہیں ہوا' وہ تو ایک ہی طریقے' ایک ہی راستہ اور منزل بتانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس کے تہتر راستے اور تہتر منزلیں تو نہیں رہیں اس لئے اگر مرکز تعلیم تبدیل نہ کیا جاتا تو یہ اختلافی صورتیں پیدا نہ ہوتیں اور جب رسولؐ نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ "انا مدینة العلم وعلیٌ بابُها" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں' تو جو قرآن کا علم دروازے کے بجائے کسی اور چور دروازے یا دیوار کو پھلانگ کر حاصل کرنا چاہے گا یقیناً وہ غلط طریقے سے علم کے شہر میں داخل ہونا چاہے گا۔ اسی لئے آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد کسی زمانے میں مسلمانوں کو بغیر رہبر کے نہیں رہنے دیا اور اپنے بعد علی مرتضیٰؑ اور ان کے بیٹوں کو سینہ بہ سینہ قرآن کا علم منتقل کیا اور آخری ہادی امام مہدیؑ کو قائم آل محمدؐ قرار دیا جو نظروں سے غائب ضرور ہیں مگر ہدایت کے سلسلے سے غائب نہیں ہیں اور اپنی غیبت کے بعد سے ہر زمانے میں موجود ہیں تا قیامت انہی کے لئے علامہ اقبال نے کہا کہ' ایک مجذوب فرنگی نے بہ انداز فرنگی مہدیؑ کے تصور سے کیا زندہ وطن کو' پھر علامہ اقبال جب یہ کہتے ہیں کہ "کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں" تو آخر وہ کون سی حقیقت ہے جس کے ہم منتظر ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ نہیں اللہ تو ایک نہ نظر آنے والا نور ہے جسم نہیں۔ ہمارے رسولؐ غائب نہیں ہیں' ان کا انتظار نہیں کیا جا رہا۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری شفاعت اور گواہی کے لئے اللہ کے دربار میں وہ روز قیامت ہمارے وکیل کی حیثیت سے موجود ہوں گے۔ تو پھر یہ کون سی حقیقت ہے جس کے ہم منتظر ہیں۔ لباس مجاز میں نظر آنے کی خواہش شاعر کر رہا ہے تا کہ ان سے قرآن کا صحیح علم حاصل کر سکے یقیناً یہ امام مہدیؑ کے سوا اور کوئی نہیں' جو ہر زمانے میں تا قیامت موجود ہیں اور جو سچے دل سے اللہ سے دعا کرے' اپنی ہدایت اور صحیح علم قرآن سے واقفیت کے لئے تو علامہ اقبال اور ان جیسے بہت سے صاحبان علم سے لباس مجاز میں امام مہدیؑ کی ملاقات ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کے علم کو اسی طریقے پر جان لیتا ہے جس طریقے پر

اللہ نے اس قرآن کو اپنے رسولؐ کے سینے پر نازل کیا تھا۔

اب اس سورۃ میں قرآن کو معجزہ کس طرح کہا جا رہا ہے کہ مشرکین اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ رسولؐ معجزے کیوں نہیں دکھاتے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ دکھاتے تھے۔ ان کے جواب میں آیت نمبر 52,51 اور 53 میں قرآن کہہ رہا ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معجزات دکھانا رسولؐ کے نہیں خدا کے اختیار میں ہے اور اس کی مصلحت پر موقوف ہے میں تو تم لوگوں کو عذاب خدا سے ڈرانے والا بن کر آیا ہوں اگر تم میری بات نہ مانو گے تو خدا جب چاہے گا تم پر اپنا عذاب کرے گا تمہاری حسب خواہش اگر میں معجزات دکھانے والا ہوتا تو بس اسی کا ہو کے رہ جاتا۔

آج ایک شخص کہتا یہ معجزہ دکھاؤ کل دوسرا کہتا کہ یہ دکھاؤ اور تم معجزات خدا کو ایک کھیل بنا دیتے' اب یہ قرآن ایک معجزہ ہی تو ہے' اسے کیوں نہیں مانتے۔ اگر اس کا جواب لاسکتے ہو تو لے آؤ مگر تم اس دعوے کی تردید اب تک نہیں پیش کر سکے اور نہ کر سکو گے۔ پھر اس معجزے کے ہوتے ہوئے اور معجزہ کیوں طلب کرتے ہو۔ میں اپنی نبوت پر اللہ کی گواہی پیش کر سکتا ہوں' وہ قرآن میں جابجا میری رسالت کا ذکر کر رہا ہے۔ اگر اسے اللہ کی کتاب مانتے ہو تو میری رسالت کو بھی مانو اور اگر نہیں مانتے تو یہ ثابت کرو کہ میں یہ سب کچھ دل سے گھڑ کر کہہ رہا ہوں۔ رہا تمہارا عذاب میں جلدی کرنا تو یہ مناسب نہیں' اس لئے کہ خدا نے جو وقت مقرر کر دیا ہے اس پر ضرور نازل ہوگا اور جس وقت آئے گا۔ اچانک آئے گا تمہیں خبر ہی نہ ہوگی۔

سورۂ نمبر ۳۰ — آیات: ۶۰ — مقامِ نزول: مکہ

سورۃ الروم

(رومیوں کی سورۃ)

تعارف: چونکہ اس سورۃ میں شروع میں ہی رومیوں کی وقتی شکست کا حال اور پھر مستقبل قریب میں ان کی فتح کی پیشن گوئی درج ہوئی ہے اس لئے اس سورۃ کا نام سورۂ روم ہوا۔ اس کے علاوہ قدرت کی نشانیوں پر بحث کرتے ہوئے سب سے زیادہ اس بات پر مرکز نگاہ رکھی گئی ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔

موضوع کی تفصیل:

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے جب روم پر حملہ کیا تو اس کا اخلاقی بہانہ اس کے پاس یہ تھا کہ قیصر روم کے خلاف بغاوت ہوئی تھی اور بغاوت کرنے والا ایک شخص فوکاس (Phucas) تخت سلطنت پر قابض ہو گیا اور اس کے ظلم اور بربریت کی انتہا یہ تھی کہ قیصرِ روم کی آنکھوں کے سامنے اس کے پانچ بیٹوں بیوی اور تین بیٹیوں کو مار ڈالا گیا اور پھر قیصر کو قتل کر کے باپ بیٹوں کے سر قسطنطنیہ میں سرعام لٹکوا دیئے۔ چونکہ قیصر روم خسرو پرویز کا محسن تھا اس کی مدد سے پرویز کو ایران کا تخت نصیب ہوا تھا اسے وہ اپنا باپ کہتا تھا۔ اس ظلم کو بہانہ بنا کر اس نے کہا کہ میں فوکاس (Phocas) سے اس ظلم کا بدلہ لوں گا اور اس نے 603ء میں سلطنت روم کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور چند سال کے اندر فوکاس کی فوجوں کو پے در پے شکست دیتا ہوا قرب وجوار کی سلطنتوں تک پہنچ گیا۔ روم کے عمائدین سلطنت یہ دیکھ کر کہ فوکاس ملک کو نہیں بچا سکتا۔ انہوں نے افریقہ کے گورنر سے مدد طلب کی۔ گورنر نے اپنے بیٹے ہرقلس (Herculis) کو ایک طاقت ور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا۔ اس کے پہنچتے ہی فوکاس معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ ہرقل کو

قیصر روم بنادیا گیا اور اس نے برسر اقتدار آ کر فوکاس کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اس نے ماریس کے ساتھ کیا تھا۔ یہ 610ء کا واقعہ ہے اور یہی وہ سال ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے۔

خسرو پرویز نے جس اخلاقی بہانے کو بنیاد بنا کر جنگ چھیڑی تھی' وہ بہانہ فوکاس کی معزولی اور قتل کے بعد ختم ہو چکا تھا اس لئے اب اس نے نیا بہانہ تراشا اور اس جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دے کر اسے جاری رکھا۔ عیسائیوں کے جن فرقوں کو رومی سلطنت کے سرکاری کلیسا نے ملحد قرار دے رکھا تھا' ان کی ساری ہمدردیاں بھی خسرو پرویز کے حملہ آوروں کے ساتھ ہو گئیں۔ یہاں تک کہ خسرو پرویز کی فوج میں بھرتی ہونے والے یہودیوں کی تعداد 24 ہزار تک پہنچ گئی۔ ہرقل اس فوجی طاقت کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ خسرو پرویز انطاکیہ اور بیت المقدس پر قبضہ کرتا ہوا عیسائیوں کے مقدس مقامات کو برباد کرتا ہوا' عیسائیوں کے گرجوں کو تباہ کرتا ہوا' فتح کے نشے میں چور آگے بڑھتا رہا گو کہ وہ خود مجوسی یعنی آتش پرست تھا مگر اسے یہودیوں کی حمایت اس لئے حاصل ہو گئی تھی کہ اس نے اس جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دے دیا تھا۔ اس کی فتح کے نشے کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا' جس کا آغاز ان دو جملوں سے ہوتا ہے۔

(1) ''سب خداؤں سے بڑے خدا' تمام روئے زمین کے مالک خسرو پرویز کی طرف سے ایک کمینے اور بے شعور بندے ہرقل کے نام''

(2) تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسا ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا''؟

اس ایک سال کے اندر اندر اردن' فلسطین اور سینا کے جزیروں پر قابض ہو کر اپنی فوجوں کو مصر تک پہنچا دیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب مکہ معظمہ میں ایک ہی تاریخی اہمیت کی کئی جنگیں ایک ساتھ برپا تھیں۔ یہاں توحید کے علمبردار محمدؐ کی قیادت میں شرک اور منافقت کے پیروکار قریش کی رہنمائی میں ایک

دوسرے سے برسرِ جنگ تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ 615ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی عیسائی سلطنت جو روم کی حلیف سلطنت تھی اس میں پناہ لینی پڑی۔ اس وقت سلطنت روم پر ایران کے غلبے کا چرچا ہر زبان پر تھا' مکے کے مشرکین اس فتح کو مثال بنا کر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ دیکھو ایران کے آتش پرست فتح حاصل کر رہے ہیں۔ وحی و رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھا رہے ہیں اسی طرح ہم عرب کے بت پرست بھی تمہیں اور تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔ مسلمان یہ سن کر غمگین ہوئے۔ خدا نے ان کی تشفی کے لئے یہ آیت جو اس سورہ کی پہلی آیت ہے:

الم o غلبت الروم o فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم ینقلبون o فی بضع سنین ط لله الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون o ینصر الله ط ینصر من یشاء ط وھو العزیز الرحیم o

''ترجمہ: (الف) ہم (یعنی مسلمان) بہت قریب کے ملک میں رومی نصاریٰ (اہل پارس) آتش پرستوں سے ہار گئے مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہل پارس) پر غالب آ جائیں گے پہلے اور بعد کے ہر زمانے کا اختیار خدا ہی کو ہے اور اس دن ایماندار لوگ خدا کی مدد سے خوش ہو جائیں گے' وہ جس کی چاہتا ہے' مدد کرتا ہے۔ وہ سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے اور چھٹی اور ساتویں آیتوں میں کہا کہ خدا اپنے وعدے کے خلاف کچھ نہیں کرتا' اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے وہ تو بس دنیاوی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی آخرت سے خائف ہیں''۔

ان سات آیتوں میں کی گئی پیشنگوئی کے حوالے سے انگریز مورخ گبن Gibbon نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی اس پیشن گوئی کے بعد کوئی سات آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آ جائے گی بلکہ غلبہ تو دور کی بات اس وقت تو کسی کو یہ امید بھی نہ تھی کہ اب رومی سلطنت زندہ رہ جائے گی۔ [1]

ان آیات کے نزول پر کفارِ مکہ نے مسلمانوں کا خوب مذاق اڑایا مگر جب ان آیات میں دی گئی اللہ کی تشفی کی یہ خوشخبری کہ چند سالوں میں رومیوں کو فتح ہوگی تو مسلمان اس خوشخبری سے جوش میں آ گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے ابی بن کعب کے وارثوں سے شرط لگالی کہ تین برس میں رومی غالب آ گئے تو دس اونٹ میں دوں گا ورنہ دس اونٹ تم کو دینے ہوں گے۔ جب آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا کہ اس میں مدت کی قید نہ لگاؤ کیونکہ "بضع سنین" تین برس سے نو برس تک کو کہتے ہیں اس لئے دس برس کے اندر کی شرط لگاؤ اور اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کردو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ابی کعب سے پھر بات کی اور نئے سرے سے یہ شرط طے ہوئی کہ دس سال کے اندر فریقین میں سے جس کی بات بھی غلط ثابت ہوئی' وہ سو اونٹ دے گا۔ لہٰذا جب رومیوں نے ایرانیوں پر فتح پائی تو حضرت ابوبکرؓ نے ابی بن کعب کے وارثوں سے سو اونٹ وصول کیے (شرط لگانا اس وقت تک حرام قرار نہیں دیا گیا تھا) یہ پیشن گوئی قرآن کے کتاب خدا ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو رائے انسان اپنے قیاسات کی بنا پر قائم کرتا ہے وہ کوئی قابل یقین چیز نہیں ہے البتہ خدا جو وعدے کرتا ہے' وہ پورے ہو کر رہتے ہیں خواہ وہ دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے۔ پس لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ خدا نے جو وعدے آخرت کے عذاب و ثواب کے متعلق کیے ہیں' وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ یہاں بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ یہی وہ سال 623ء ہے جس میں مسلمانوں کو بدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مشرکین کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح وہ دونوں پیشگوئیاں جو سورہ روم میں کی گئی تھیں دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے بیک وقت پوری ہوگئیں اور 628ء میں خسرو پرویز کے خلاف گھر میں بغاوت شروع ہوئی وہ قید کیا گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے 18 بیٹے قتل کر دیے گئے اور چند روز بعد وہ خود قید کی سختیوں سے ہلاک ہوگیا۔ یہی سال تھا جس میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی جسے قرآن نے فتح عظیم قرار دیا۔ 639ء میں قیصر روم "مقدس صلیب" کو اس کی جگہ رکھنے کے لیے خود بیت

ل GIBBON: Decline and Fall of the Roman Empire, Vol 11. P, 788 Modren Library, New York.

المقدس گیا اور اسی سال نبی عمرہ القضاء ادا کرنے کے لئے ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد کسی کے لئے بھی اس امر میں شک کی گنجائش باقی نہ رہی کہ قرآن کی پیشگوئی بالکل سچی تھی۔

اس طرح روم و ایران کے اس نمونے سے اس سورۃ کا رخ آخرت کے مضمون کی طرف پھر جاتا ہے اور مسلسل تین رکوعوں تک یہ سمجھانے کی کوششیں کی جارہی ہے کہ دنیا کے ذرا ذرا سے معاملات میں آدمی غلط تخمینہ لگا بیٹھتا ہے۔ اس کی ذہنی سطح کا اندازہ یہ ہے کہ جو اسے بظاہر نظر آتا ہے وہ اسے ہی حقیقت سمجھتا ہے مگر اس ظاہر کے پردے کے پیچھے جو کچھ ہے اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ محض اتنی سی بات نہ جاننے کی وجہ سے کہ ''کل کیا ہونے والا ہے'' آدمی غلط اندازے لگا بیٹھتا ہے۔ اس لئے انسانی زندگی کے نظام کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آخرت کا یقین رکھ کر اپنی موجودہ زندگی کا پروگرام اختیار کرے۔

کلام کے آخر میں اللہ کی طاقت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جس طرح مردہ پڑی ہوئی زمین خدا کی بھیجی ہوئی بارش سے یکا یک جی اٹھتی ہے اور زندگی بہار کے خزانے اگلنے شروع کر دیتی ہے اس طرح خدا کی بھیجی ہوئی وحی اور نبوت بھی مردہ پڑی ہوئی انسانیت کے حق میں ایک بار پھر باران رحمت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ گے تو ہی عرب کی سوکھی ہوئی زمین رحمت الٰہی سے لہلہا اٹھے گی اور ساری بھلائی تمہارے اپنے لئے ہی ہوگی اور اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور تلافی کا کوئی موقع میسر نہ آسکے گا۔

سورۃ نمبر ۳۱ آیات: ۳۴

مقام نزول: مکہ

سورۃ لقمٰن

تعارف: حضرت لقمان علیہ السلام کا خاص ذکر صرف اسی سورہ میں ہے۔ اس لئے یہ سورۃ ان کے نام پر ہوئی۔ اس کے خاص مضامین بھی حضرت لقمان کے واعظ ونصائح پر مبنی ہیں اور غیب کی ان باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کا علم بس صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

موضوع کی تفصیل:

حضرت لقمانؑ بن باعود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی باجور بن تارخ کے پوتے تھے اور حضرت ایوبؑ کے بھانجے تھے۔ حضرت لقمانؑ حضرت داؤدؑ سے حضرت یونسؑ کے زمانے تک ایک ہزار برس تک زندہ رہے۔ پہلے بڑھئی یعنی کارپینٹر کا کام کرتے تھے۔ نہایت پاکیزہ اخلاق اور پاک اعتقاد رکھنے والے ایک پرہیزگار انسان تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور غور وفکر کرتے۔ دن کو کبھی نہ سوتے، مجلس میں تکیہ لگا کر نہ بیٹھتے تھے، گناہ کے خوف سے کبھی ہنستے نہ تھے کہ ان کی ہنسی سے کہیں کسی کی دل آزاری نہ ہوجائے، نہ کسی کا مذاق اڑاتے، نہ کسی پر غصہ کرتے، کہیں جھگڑا ہوتا تو صلح کروادیتے۔ ان غیر معمولی صفات کی بنا پر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی اور اس سورۃ کی 13,12 اور 14 آیت نمبر میں فرمایا کہ (ترجمہ) ''ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور حکم دیا کہ اللہ کا شکر ادا کرو جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو اس سے انکار کرتا ہے تو اللہ اس سے بے نیاز ہے اور لائق حمد ہے۔ جب لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔''

اس سورۃ میں حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے حوالے سے شرک جیسے گناہ کی مفصل وضاحت کی گئی ہے کہ کیوں یہ سب سے بڑا گناہ کبیرہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اب اس شرک کی سب سے پہلی مثال بتوں کی پوجا کے حوالے سے ہے کہ باوجود یہ جاننے کے کہ

بتوں میں کوئی قوت نہیں۔ انسان ایک پتھر کی مورتی اپنے ہاتھ سے گڑھ کر اسے خدا کا شریک اور قابل عبادت قرار دیتا ہے یعنی وہ خدا کے مقابلے میں اس کی مخلوق کی بنائی ہوئی ایک مورتی کو لاکھڑا کرتا ہے اس سے زیادہ خدا کی توہین اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک مورت کو خدا کا شریک اور قابل عبادت قرار دے۔ شرک انسان کی انتہائی عقلی کمزوری کا نتیجہ ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔

عقل انسانی فطرتاً اپنے سے افضل کی تعظیم بجالانے پر مجبور ہوتی ہے' اپنے سے کمتر کی نہیں تو انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی اپنے سے کمتر مخلوق یعنی کسی جانور جیسے گائے' سانپ وغیرہ کی پرستش کرنے لگے جیسا کہ اکثر مذاہب میں ہوتا ہے اور انسان اسے اپنے سے بہتر سمجھنے لگے تو کیا یہ عقل کی کمزوری نہیں؟

بت پرست سب ان پڑھ نہیں ہوتے۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر ان میں پائے جاتے ہیں اور پہلے سے بھی ہو گزرے ہیں' کیا ان کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ یہ بے جان مورتیاں قابل عبادت کیسے ہوسکتی ہیں۔ مگر جو چیز انہیں اس دائرے سے باہر نہیں نکلنے دیتی اور ان کی عقل وفہم پر پردہ ڈالے ہوئے ہے وہ ہے ''خوف دنیا'' اس کا کنبہ' قبیلہ اور ارد گرد کا ماحول خوف خدا نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بتوں کی پوجا چھوڑ دیں گے تو اپنے سب رشتے داروں سے چھوٹ جائیں گے اور جس ماحول میں ہم آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں' وہ ہمارے لئے مصیبت بن جائے گا۔ لیکن چندروزہ زندگی کی خاطر ابدی آرام کو چھوڑ دینا اور بندوں کی خوشنودی کے لئے خدا سے رشتہ منقطع کر لینا' بے عقلی نہیں تو کیا ہے؟

دیوی دیوتاؤں کے اندر خدا کا حلول کرنا تو اور بھی زیادہ بد عقلی ہے۔ اگر خدا حلول کرتا تو اس دیوی اور دیوتا میں کچھ تو ان کے آثار ظاہر ہوتے جب ان میں کوئی تبدیلی ہی نہیں پائی جاتی تو کیسے سمجھا جائے کہ ان کے اندر خدا سمایا ہوا ہے۔ اگر وہ ایک جگہ پر محدود ہو جائے تو پوری کائنات پر حکومت کیسے کرسکتا ہے؟ اگر خدا کسی کی شرکت کا محتاج ہے تو وہ خدا بننے کے لائق نہیں' کیونکہ محتاج ہونا مخلوق کی شان ہے خالق کی نہیں۔ اس طرح آگ کی پوجا کرنا' یہ بھی بدترین شرک ہے۔

اب شرک کی وہ صورت جو بت پرستوں سے ہٹ کر ان میں پائی جاتی ہے جو زبان سے تو

خدا کو لاشریک کہتے ہیں یعنی وہ تمام اہل کتاب اور انبیاء پر ایمان لانے والے بشمول مذہب اسلام کے ماننے والے مسلمان ان کی شرک کی صورت مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ صاحبان اقتدار جن کے پاس کوئی بھی دنیاوی طاقت ہو اس طاقت سے خوفزدہ ہو کر ان کو ہی (نعوذ باللہ) خدا سمجھ لینا یعنی خدا کے خوف کے بجائے ان سے خوفزدہ ہو جانا' ان کے برے اعمال ایسے اعمال جو دنیا کے لئے مصیبت بنے ہوئے ہوں' ان کا ظلم' بددیانتی' بے حیائی' معاشرے میں وہ خرابیاں پیدا کر رہی ہوں' جو قبل اسلام رائج تھیں یا ان قوموں میں رائج تھیں جن کی اصلاح کے لئے انبیاء' کتابیں اور صحیفے بھیجے جاتے رہے' ایسے طاقتور عناصر کا خوف شرک ہے' ان کے اعمال کے خلاف تلوار' قلم اور زبان سے جہاد نہ کرنا دراصل شرک ہی کی ایک قسم ہے۔ یعنی خدا کی طاقت کو تسلیم کرنے کے بجائے ایک عارضی طاقت سے خوفزدہ ہونا۔

۲۔ صاحب علم سے ڈر کر اس کی غلط بات پر بھی اس لئے ایمان لے آنا کہ یہ ہم سے زیادہ پڑھا لکھا ہے' اس لئے یہ جو بات کہہ رہا ہے' وہ صحیح ہوگی یعنی خود کسی امر کے سلسلے میں مطالعے یا تحقیق کے بغیر اس سنی ہوئی بات یا لکھی ہوئی بات پر ایمان لے آنا' اس کا یقین کر لینا کہ چونکہ کتاب لکھنے والا ایک زیادہ پڑھا لکھا یا عالم یا اسکالر ہے اس نے جو لکھا ہے وہ ٹھیک ہوگا یہاں انسان کی عقل کام نہیں کرتی بلکہ دماغ پر قبضہ کئے ہوئے شیطان کے بہکاوے میں آ کر انسان اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتا یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے کہ اللہ سے ہدایت اور سیدھے راستے پر چلنے کی دعا کرنے کے بجائے ایسی سنی ہوئی یا لکھی ہوئی باتوں پر یقین کر لیا جائے جو کسی شیطان صفت کی تحریر کے ذریعے ہم تک پہنچی ہو۔

آخری اہم بات اس سورۃ میں وہی ہے جس پر سورۃ عنکبوت میں بھی بحث کی گئی ہے کہ اللہ ہی کا شکر ادا کرو کہ اس نے ماں باپ کو اس قدر مہربان بنایا اور اللہ کے بعد ماں باپ کے شکر گزار بنو اور ہر امر میں ان کی اطاعت کو مدنظر رکھو مگر جب وہ شرک کرنے لگیں تو ان کا حکم ہرگز نہ ماننا مگر کافر ہونے کی بنیاد پر انہیں تکلیف کبھی نہ دینا اور ان سے ہمیشہ اچھا برتاؤ کرنا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ماں باپ کا مرتبہ کیا ہے۔

سورۂ نمبر ۳۲

آیات: ۳۰

سورۃ السجدۃ

مقام نزول: مکہ

تعارف: قرآن مجید میں چار سورہ ہیں جن میں ایک ایک ایسی آیت ہے جس کو پڑھ کر سجدہ واجب ہو جاتا ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی۔ ان سوروں کو عزائم کہتے ہیں باقی اور سوروں کو جن میں سجدے ہیں وہ مستحب ہیں، واجب نہیں۔

عزائم یعنی واجب سجدے والی سوروں میں یہ سب سے پہلی سورہ ہے جس کی وجہ سے اس کا نام سورۂ سجدہ ہوا۔

اس سورۃ کے خاص مضامین یہ ہیں:

(1) ہزار برس کے برابر ایک دن۔

(2) ملک الموت کا ذکر۔

(3) مومن اور فاسق یکساں نہیں۔

(4) عذابِ آخرت سے پہلے ایک اور عذاب کا اعلان۔

(5) وہ موقع اور اعمال جس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

(6) سجدہ کرنے والے صاحب ایمان کی صفات کیا ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کا موضوع توحید، آخرت اور رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات دور کرنا ہے اور ان تینوں حقیقتوں پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے۔ کفارِ مکہ آنحضورؐ کے متعلق جب یہ کہتے تھے کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) عجیب عجیب گھڑ گھڑ کر باتیں سنا رہا ہے کبھی مرنے کی خبر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد تم پھر اٹھائے جاؤ گے اور حساب کتاب ہوگا، دوزخ اور جنت ہوگی۔ کبھی

کہتا ہے کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں' آسمان سے وحی مجھ پر آتی ہے اور یہ کلام جو میں تم کو سنا رہا ہوں' وہ میرا کلام نہیں' بلکہ خدا کا کلام ہے' یہ عجیب افسانے ہیں جو یہ شخص سناتا رہتا ہے۔ انہی باتوں کا جواب اس سورہ کا خاص موضوع ہے کہ اے نبیؐ یہ لوگ تمہاری باتیں سن کر مذاق اڑاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ حضرتؐ یہ فیصلہ کن فتح آپ کو کب نصیب ہونے والی ہے۔ ذرا اس کی تاریخ تو ارشاد فرمادیجئے' تو اے رسولؐ ان سے کہو کہ جب ہمارے اور تمہارے فیصلے کا وقت آجائے گا' اس وقت ماننا تمہارے لئے کچھ بھی فائدہ مند نہ ہوگا۔ ماننا ہے تو اب مان لو ورنہ وہ وقت آجائے گا کہ پھر توبہ قبول نہ ہوگی۔

پھر انسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ ذرا عقل سے کام لو' خود سوچو کہ اس کلام پر تم حیرت کا اظہار کر رہے ہو' ذرا آسمان اور زمین کے انتظام کو دیکھو' خود اپنی تخلیق اور بناوٹ پر غور کرو یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے براہ راست تخلیقی عمل Direct Creation سے انسان کو پیدا کیا اور پھر اسی انسان سے لاکھوں انسانوں کی تخلیق فرمائی' اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ پھر کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں بنائی ہے جو بے ڈھنگی' بے تکی اور بے مقصد ہو۔ ہر شے اپنا مقصد اور حسن رکھتی ہے۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں' سننے کے لئے کان' سونگھنے کے لئے ناک' چلنے پھرنے کے لئے پیر' کام کاج کے لئے ہاتھ' مناسب صفات کے ساتھ موزوں ترین شکل' پھر انسان کو دوسرے جانداروں پر فوقیت دینے کے لئے عقل و شعور دے کر اسے سب سے افضل مخلوق بنادیا۔

پھر عالم آخرت کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے لوگ اس خبط میں مبتلا ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ جی اٹھنا اور زندگی بھر کے اعمال کا حساب دینا کیا معنی رکھتا ہے چونکہ یہ بڑی خوف دلانے والی چیز ہے۔ لہٰذا وہ قیامت ہی سے انکار کر دیتے ہیں لیکن ان کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ خدا نے کیا ان کو ایسے کھیل تماشے کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ تمام عظیم الشان کارخانہ محض اس لئے بنایا گیا ہے کہ آدمی یہاں رہ کر خوب کھائے پیئے اچھے اچھے مکانوں میں رہے' عمدہ لباس پہنے' بال بچے پیدا کرے اور خوب رنگ رلیاں منا کر یہاں سے

چلا جائے۔ اس کے ظلم وستم کی پوچھ گچھ نہ ہو لوٹ مار اور بدکرداریوں کی گرفت نہ ہو پوری آزادی کے ساتھ حیوانوں کی طرح جو چاہے کرتا پھرے' مظلوم روتے پیٹتے یہاں سے چلے جائیں' کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو تو پھر تو اس دنیا کا بنانے والا ایک عادل اور منصف نہ ہوا بلکہ وہ بھی ایک عام انسان کی جیسی طاقت رکھتا ہے مگر یہاں خالق اور مخلوق کا فرق ہی تو واضح کرنا ہے اسی لئے اس نے قیامت کا ایک دن مقرر کیا ہے کہ انسان نے اس دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی باز پرس ہوگی ظالموں کو سزا اور مظلوموں کو جزا دی جائے گی' نیکوں کو جنت اور بدوں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔

عذابِ آخرت سے ڈرانے کے علاوہ اس سورہ میں آیت نمبر 21 میں عذاب ادنیٰ اور عذاب اکبر کی وضاحت بھی کی گئی ہے یعنی عذابِ ادنیٰ وہ ہے جو دنیا میں ہی نازل ہو جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون پر نازل ہوا وہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں' بیماریاں' عزیز ترین لوگوں کی موت' المناک حادثے' نقصانات مالی اور ذہنی اور ناکامیاں انفرادی سطح پر اور اجتماعی زندگی میں طوفان' سیلاب اور اب فضائی حادثے' قحط' وبائیں' فسادات' جنگیں اور ایسی بہت سی بلائیں جو لاکھوں لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں ان آفات کے نازل ہونے کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ عذابِ اکبر میں مبتلا ہونے سے پہلے لوگ ہوش میں آجائیں۔ عذابِ اکبر سے مراد آخرت کا عذاب ہے جو قیامت کے دن نازل ہوگا اور ایک ایک دن ہزار ہزار برس کا ہوگا۔

اور آخر میں اس سورہ میں پروردگار اپنے پیغمبر سے کہہ رہا ہے کہ اے پیغمبر اب جبکہ نہ تو شہادت ان پر اثر کرتی ہے اور نہ قیامت روزِ حساب سے ڈرانے کا ان پر کوئی اثر ہوا ہے نہ ہی آثار الٰہی کے مشاہدے سے انہوں نے خدا کو پہچان کر غیرِ خدا کی پرستش بند کی ہے تو اے پیغمبر تم بھی ان سے منہ پھیر لو اور تم بھی منتظر رہو "فاعرض عنھم وانتظر انھم منتظرون" اے پیغمبر تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منتظر رہو اور یہ عذاب کے منتظر کیونکہ وہ صرف عذاب کے لائق ہیں۔

سورۃ نمبر ۳۳

سورۃ الاحزاب

آیات: ۷۳

مقام نزول: مکہ

تعارف: ''احزاب'' حزب کی جمع ہے اور حزب کے معنی پارٹی کے ہیں تو اس طرح احزاب کے معنی پارٹیاں یا جماعتیں ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

چونکہ جنگ احد کی شکست کے بعد مشرکین نے جو اہل مکہ تھے محسوس کیا کہ ہم تنہا رسولؐ اور ان کے دین اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو دوسرے قبائل عرب جو مخالف رسولؐ ہونے میں ان کے ساتھ متحد ہو سکتے تھے انہوں نے اپنے ساتھ ملا لئے اور متفقہ طور پر مدینے پر چڑھائی کی۔ اس موقع پر رسول کریمؐ نے مدینے سے باہر نکل کر جناب سلمان فارسیؓ کے مشورے کے مطابق سامنے ایک خندق کھدوائی تاکہ وہ لوگ چاروں طرف سے گھیر نہ سکیں اور مقابلہ ایک طرف سے ہو۔ اس لئے اس جنگ کو عام محاورہ کے حساب سے ''جنگ خندق'' بھی کہا جاتا ہے اور تاریخی طور پر اسے ''غزوہ احزاب'' کہتے ہیں۔ اس سورہ میں اس غزوہ کے موقع پر عام مسلمانوں پر جو خوف ودہشت کا عالم طاری تھا' اس کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر اور کئی دفعہ احزاب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے اس سورہ کا نام احزاب ہوا۔

اس کے خاص مضامین جن پر بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں:

(1) علم فقہ پر بحث کی گئی ہے' خصوصاً رشتہ جوڑ لینے سے کوئی رشتہ حقیقی نہیں ہو جاتا۔

(2) ازدواجِ رسولؐ کے ''امہات المومنین'' ہونے کا اعلان اور وفاتِ رسولؐ کے بعد ان سے نکاح کی ممانعت۔

(3) ازدواجِ رسولؐ کو سخت تنبیہیں کہ اگر ان میں سے کوئی گناہ کی مرتکب ہوئیں تو انہیں دگنی

سزا ملے گی۔

(4) پردے کا عام حکم اور خاص طور پر ازدواج رسولؐ کے لئے اپنے گھروں کے اندر رہنے کا حکم۔

(5) خدا اور رسولؐ کو ایذا پہنچانے والوں پر لعنت۔

اس سورہ کی چوتھی آیت میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کسی شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو دل خلق نہیں کیے اور اس آیت کی تفسیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی ایک حدیث میں اس طرح کی کہ ''ہماری دوستی اور ہماری دشمنی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی'' کیونکہ خدا نے ایک انسان کے لئے دو دل قرار نہیں دیئے۔ اس کی مہر و محبت کا مرکز بھی ایک ہی ہے ایک ہی معشوق و محبوب کی الفت اس کے دل میں ہو سکتی ہے' ایک ہی مقررہ راستے پر اس کا سفر جاری رہتا ہے' وہ ایک ہی گروہ اور ایک ہی جماعت سے ہم آہنگ ہوتا ہے ورنہ مختلف جماعتوں سے اپنے مقاصد کے لئے وابستگی اسے ایک نیکی کے راستے سے ہٹا کر بدی کے راستے کی طرف لے جائے گی یعنی کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں رحمٰن کا بھی دوست ہوں اور کچھ باتیں مجھے شیطان کی بھی ٹھیک لگتی ہیں تو یہ ممکن نہیں' نہ وہ اللہ کا دوست ہے' نہ ہو سکتا ہے۔

سورہ احزاب میں دل کے ایک ہونے کی دلیل دے کر دراصل مومن اور منافق کا فرق بتایا گیا ہے۔

جنگ احزاب:

اس جنگ کو جنگِ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورہ احزاب کی 9 سے 11 تک کی آیات کی تفسیر یہ ہے کہ یہ آیات مومنین اور منافقین کے بارے میں خدا کی کڑی آزمائش اور عمل کے سلسلے میں ان کے امتحان کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ جنگ احزاب ایسی جنگ ہے جو تاریخ اسلام میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی اور اسلام اور کفر کے درمیان کفر و طاقت کے مقابلے میں کمزور مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فتح سے کر دیا اور یہ کامیابی آئندہ کی عظیم کامیابیوں کے لئے کلیدی

حیثیت اختیار کر گئی۔ در حقیقت اس جنگ میں دشمنوں کی کمر اس طرح ٹوٹی کہ اس کے بعد وہ کوئی خاص قابل ذکر کارنامہ انجام دینے کے قابل نہ رہے۔ اب "جنود الم تروھا" ترجمہ: تو ہم نے تمہاری مدد کے لئے آندھی بھیجی اور فرشتوں کا لشکر بھیجا جسے تم نے دیکھا تک نہیں اور جو کچھ تم کر رہے تھے خدا اسے دیکھ رہا تھا۔

کئی مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نظر نہ آنے والا لشکر سے کیا مراد ہے؟ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ اندرونی قوتیں ہیں جو انسان میں سچائی کی نئی روح پھونک دیتی ہیں اور چونکہ یہ کام فرشتوں کے ذریعے سے ہوتا ہے اس لئے اس کو فرشتوں کا لشکر بھی کہہ سکتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہاں جنگ بدر کی طرح مسلمانوں کی خدا نے فرشتوں سے مدد کی یعنی دشمنوں کو فرشتوں کی مسلح فوجیں نظر نہ آتی تھیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہاں جنگ بدر کی طرح مسلمانوں کا اطمینانِ قلب مقصود ہے اور چونکہ باطنی قوتیں بھی نظر نہیں آتیں لہذا یہ کہا گیا کہ تم ان کو دیکھتے نہ تھے۔

جنگ احزاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ تمام منافق اور مخالف جماعتیں یکجا ہو گئیں ایک مقصد کے لئے کہ اس دین کی پیش رفت سے ان لوگوں کے ناجائز اور خلاف قدرت مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ جیسا کہ ہم اپنے ملک میں ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب بھی حکومت کو گرانا ہو یا الیکشن میں کامیابی حاصل کرنی ہو تو سیاسی جماعتوں کے اتحاد بنتے ہیں اور عام خیال ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ یہ اتحاد ملک یا ملت کے مفاد میں نہیں بلکہ ایک حکومت کو ہٹا کر اپنی حکومت بنانے کے لئے ہوتے ہیں اور چونکہ دونوں طرف شیطانی قوتیں ہوتی ہیں یعنی حکومت بھی ملک و ملت کے خلاف کام کر رہی ہوتی ہے اور ایسے اتحاد بھی اس لوٹ مار میں حصہ بٹورنے کے لئے ایک ہو جاتے ہیں اور کبھی ایک فریق کو اور کبھی دوسرے فریق کو کامیابی حاصل ہو جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ دونوں طرف شیطان کام کر رہا ہوتا ہے اس لئے وہ یکے بعد دیگرے اپنی اپنی پارٹی کو کامیابی دلواتا رہتا ہے مگر یہاں دو جنگوں، جنگ بدر اور جنگ احزاب میں

مسئلہ اور مقابلہ بالکل مختلف نوعیت کا ہے۔ یہاں ایک طرف شیطان کے پیروکار اکٹھے ہو کر اہل ایمان کے سامنے اس دین کو مٹانے کے لئے متحد ہو رہے ہیں جو دین مومن اور منافق کی پہچان لے کر آیا ہے یہاں مقابلہ ایفائے عہد کرنے والے بھائیوں کا ان سے ہے جو ذرا سی مشکل میں بھاگ کر بزدلوں کی طرح دشمن سے ہاتھ ملا لیتے ہیں جو اہل ایمان کی افواج و اسلحہ کی قلت دیکھ کر ان کے مقابلے میں کفار کی کثرت افواج و اسلحہ کی طرف دوڑتے ہیں۔

جنگ کی آگ کی یہ چنگاری یہودیوں کے ایک گروہ ''بنونضیر'' کی طرف سے بھڑکی جو مکہ میں آئے اور قبیلہ قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لڑنے پر اکسایا اور ان سے وعدہ کیا کہ ہم آخر تک تمہارا ساتھ دیں گے پھر دوسرے قبیلے کے پاس گئے اور انہیں بھی آمادہ کر لیا ان دونوں قبیلوں یعنی ''قریش'' اور ''غطفان'' نے اپنے برابر کے حلیف قبیلوں بنی امہ اور بنی سلیم کو بھی دعوت دی اور چونکہ یہ سب قبائل خطرہ محسوس کیے ہوئے تھے۔ لہٰذا اسلام کا کام تمام کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تاکہ اس طرح پیغمبر کو شہید، مسلمانوں کو سرکوب، مدینے کو غارت کر سکیں اور اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیں۔

مسلمانوں نے جب اپنے آپ کو ایک کثیر گروہ کے سامنے دیکھا تو حکم رسالتؐ پناہ سے مشورہ کرنا شروع کیا اور سب سے پہلے حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر مدینے کے اطراف میں خندق کھودی گئی تاکہ دشمن آسانی کے ساتھ اسے عبور نہ کر سکے اور شہر لوٹ مار سے بچ جائے۔ اسی بنا پر اس جنگ کا نام جنگ خندق بھی ہے۔

اب مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کیلئے خود مسلمان ہی دشمن کی کثیر تعداد و اسلحے اور ایک جنگجو پہلوان عمرو بن عبدود جس کی بہادری کے چرچے پورے عرب میں پھیلے ہوئے تھے اس کے قصے سنا سنا کر چاہتے تھے کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں یا راتوں رات بھاگ کھڑا ہوا جائے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھی تو مسلمانوں کے درمیان آواز بلند کی کہ کون عمرو کے مقابلے پر جائے گا۔ مجمع پر سناٹا طاری تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے۔ آپؑ

نے ان کو بٹھادیا' دوسری مرتبہ آپ نے آواز بلند کی یہی ہوا آپؐ نے پھر حضرت علیؑ کو بٹھادیا' تیسری مرتبہ پھر یہی ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے کہا 'علیؑ سوچ لو وہ عمرو ہے' آپ نے کہا میں بھی علیؑ ہوں۔'' اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ حضرت علیؑ کو پہنانے کے بعد اپنا عمامہ باندھا' اپنی تلوار دی اور روانہ کرتے وقت دعا کی کہ پروردگار تو اس کا نگہبان ہے' خدایا میرے تین نگہبان تھے۔ عبیدہؓ کو تو نے جنگ بدر میں اٹھالیا' حضرت حمزہؓ کو تو نے احد میں اٹھالیا' اب یہی ایک باقی رہ گیا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے۔ مالک اس کی حفاظت کرنا اور چلتے وقت مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' آج کُل ایمان کُل کفر کے مقابل جا رہا ہے'' (آنحضورؐ کے یہ جملے جنگ احزاب کے حوالے سے کم وبیش ہر مکتبہ فکر کے مفسرین نے اور غیر مسلموں نے بھی بیان کئے ہیں)۔ آپ جب مقابلے کے لئے پہنچے تو پہلے تو اس نے مقابلے سے انکار کیا مگر حضرت علیؑ کی سرزنش کرنے پر وہ مدِ مقابل ہوا۔ دونوں میں حملوں کی رد وبدل ہوتی رہی کہ اچانک ایک گرد وغبار کا طوفان بلند ہوا در اصل آندھی اور گرد وغبار کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے حضرت علیؑ کی مدد کی۔ اس نہ نظر آنے والے لشکر ہی کو قرآن نے آیت نمبر 9 میں وضاحت سے بیان کیا ہے کہ جب یہ مدد غیب سے گرد وغبار کی شکل میں آئی تو مدمقابل دشمن نے اس سے بوکھلا کر حضرت علیؑ پر ایک وار کیا جس کو آپ نے اپنے سر پر روکا جس سے آپ کا سر مبارک زخمی ہوگیا' پھر آپ نے زخم باندھ کر اس کے سر پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر کٹ گیا اور وہ بے قابو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ آپ نے اس کے ڈھیر ہونے کے بعد نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس کا سر لے کر خدمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے' حضور اکرمؐ نے فرمایا: "ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین الی یوم القیامة" (علیؑ کی ایک ضرب خندق کے روز دو جہاں کی عبادت سے بہتر ہے یوم قیامت تک)

عمرو کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے ساتھی منتشر ہو گئے۔ نوفل بن عبداللہ خندق میں گرا اور اس پر مسلمانوں نے پتھر کا مینہ برسا دیا۔ اس کے بعد دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے

ہوئے مگر لشکرِ کفار میں پھوٹ پڑنے اور واپس جانے کے بعد جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ازلی دشمن تھا یعنی کہ ابوسفیان اس کی سازشیں اور منافقت انتہا کو پہنچ چکی تھیں اس نے مدینے کے لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا کہ دینِ اسلام ترک کر دو اس میں جان اور مال کا تحفظ نہیں ہے۔ آئے دن کی لڑائیاں کہاں تک لڑتے رہو گے اور یہی نہیں بلکہ بنی قریظہ جو لشکرِ قریش میں شامل ہو گئے تھے انہوں نے ابوسفیان کی سربراہی میں یہ منصوبہ بنایا کہ جہاد پر جانے والوں کو یہ کہہ کر روکنا شروع کر دیا کہ مدینہ اب غیر محفوظ ہے اور اپنے لئے یہ عذر تراشا کہ جب سب مرد جہاد پر چلے گئے تو ہمارے گھر مردوں سے خالی ہو گئے تو دشمن ہماری عورتوں پر حملہ کر کے ہمیں چاروں طرف سے برباد کر دے گا حالانکہ حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ چونکہ عورتوں کی حفاظت کی ذمہ داری آنحضرتؐ نے لی تھی اور اس کے لئے کچھ لوگ مدینے میں چھوڑ دیئے تھے۔ پھر سب سے بڑی خدا کی نگہبانی تھی مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ منافقین جنگ سے فرار حاصل کرنا چاہتے تھے خانہ جنگی کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے تھے مگر باہر جانے اور راہِ خدا میں لڑنے سے جان چراتے تھے۔ اب سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ (آیت نمبر 15 اور 16 میں) مومن اور منافق کا فرق کھل کر بیان کر رہے ہیں کہ (اے رسولؐ ان سے کہہ دو تم خدا سے عہد کر کے پیٹھ پھیر رہے ہو تم سے پوچھ گچھ ہو کر رہے گی' اگر موت یا قتل کے خوف سے بھاگے ہو تو یہ بھاگنا تمہارے لئے مفید نہ ہو گا بس اس دنیا میں چند روز چین کر لو گے)۔

منافقوں نے جنگ خندق سے پہلے قسمیں کھائی تھیں اور اقرار کیا تھا کہ ہم اس جہاد میں ضرور شریک ہوں گے لیکن جب سنا کہ دشمن کی کثرت ہے تو میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہو گئے اور بہانے تراشنے لگے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اگر خدا کسی کو ہلاک کرنا چاہے تو کیا وہ گھر پر بستر پر نہیں مار سکتا۔ دنیا کی جس چند روزہ زندگی پر وہ مرمٹے ہیں وہ کیا ہے ایک ہوا کا جھونکا ہے' ایک بجلی کی چمک ہے اور بس۔ مگر منافقوں کی یہ حالت تھی کہ شرما حضوری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے تو جاتے تھے مگر سارا وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح چھپ چھپا کر رفو چکر ہو جائیں۔ لوگوں کو اپنے ساتھ بھاگنے کی رغبت دلاتے تھے لڑائی زور پکڑ جاتی اور دشمن کا غلبہ ہونے لگتا تو ان

کے اوسان خطا ہو جاتے اور ان پر موت کا سا سکتہ طاری ہو جاتا اور جب خطرہ ٹل جاتا اور مسلمانوں کو فتح ہو جاتی تو شیخی بگھارنے کے لئے آجاتے۔ لفاظی کرتے کہ ہم نے یہ تیر مارا ہے وہ تیر مارا ہے اس لئے مال غنیمت سے ہمیں اچھا حصہ دیجئے۔ آیت نمبر 17 سے 23 تک انہی امور پر بحث کی گئی ہے اور خدا انتباہ کر رہا ہے کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ خدا ان منافقوں سے خوب واقف ہے یہ ہرگز ہرگز مومن نہیں۔ لہٰذا ان کے دکھاوے کے یہ اعمال ضبط کیے جاتے ہیں۔

میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد
اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔

(سورۃ یوسف ۱۲:۸۶)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس کی رحمت سے
تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ (سورۃ یوسف ۱۲:۸۷)

.... واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے
اپنی مشیت پوری کرتا ہے
بیشک وہ علیم و حکیم ہے۔

(سورۃ یوسف ۱۲:۱۰۰)

سورۃ نمبر ۳۴ آیات: ۵۴

سورۃ سبا

مقام نزول: مکہ

(شہر سبا ملک یمن کا شہر تھا)

تعارف : چونکہ ملک سبا کے باشندوں پر انعامات خداوندی اور ان لوگوں کے کفران نعمت کا ذکر اس سورہ میں ذرا تفصیل کے ساتھ ہے جو اور کسی سورہ میں نہیں ہے۔ اس لئے اس سورہ کا نام یہ ہوا اس کے علاوہ اس سورہ میں یہ مضامین ہیں۔

(1) حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کا نرم ہونا۔

(2) تخت سلیمان علیہ السلام کی آمد اور جنات کا ان کے لئے مختلف اشیاء لانا۔

(3) عصائے حضرت سلیمان علیہ السلام کا دیمک کی نظر ہونا اور اس سے ان کی وفات کا حال معلوم ہونا۔

(4) قرآن مجید کا انتہائی رواداری اعلان "یا ہم گمراہ یا تم" "یا ہم ہدایت یافتہ یا تم"۔

(5) شکرگزاروں کی قلت۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کا موضوع دراصل ان اعتراضات اور تمسخر و تضحیک کا جواب ہے جو کفار و مشرکین رسولؐ پر کیا کرتے تھے بلکہ زیادہ تر افواہ سازی، جھوٹے الزامات سے حضور ﷺ کی کردار کشی کے ذریعے اسلام کی تحریک کو دبانے کی کوشش کا جواب بڑے موثر انداز میں افہام و تفہیم کے انداز میں دیا گیا ہے اور کہیں کہیں ان کی ہٹ دھرمی پر انہیں ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور اس کے لئے جن انبیاء کی مثالیں دی گئی ہیں وہ ہیں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جو ان کے بیٹے تھے اور جن کی شادی ملکِ سبا کی ملکہ بلقیس کے ساتھ ہوئی جو حضرت سلیمانؑ کی نبوت کا یقین کر کے ایمان لے آئی اور اپنے ساتھ ملک سبا کے سینکڑوں لوگوں کو مسلمان کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا پورا قصہ ہم سورہ نمل میں پڑھ چکے ہیں اس لئے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں یہاں چونکہ مسلمانوں کو قوم سبا کی ناشکری ان پر نعمتوں کے نزول اور پھر ناشکری کے سبب ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ تمہارے سامنے تاریخ کی یہ دونوں مثالیں موجود ہیں ایک طرف حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقتیں بخشیں اور وہ شوکت وحشمت عطا کی جو پہلے کم ہی کسی کو ملی مگر یہ سب پا کر وہ کبر وغرور میں مبتلا نہ ہوئے بلکہ اپنے رب کے خلاف بغاوت کرنے کے بجائے اس کے شکر گزار بندے ہی بنے رہے اور دوسری طرف سبا کی قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جب اپنی نعمتوں سے نوازا تو وہ اکڑ گئی اور آخر کار اس طرح پارہ پارہ ہوئی کہ اس کے بس افسانے ہی اب دنیا میں باقی رہ گئے ہیں۔ ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھ کر خود رائے قائم کرلو کہ توحید وآخرت کے یقین اور شکر نعمت کے جذبے سے جو زندگی بنتی ہے وہ زیادہ بہتر ہے یا وہ زندگی جو کفر وشرک اور منافقت اور انکار آخرت اور دنیا پرستی کی بنیاد پر جو زندگی تم اختیار کیے ہوئے ہو وہ بہتر ہے۔

دو اہم نکات اس سورہ میں فکر کی دعوت دیتے ہیں پہلا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر، متقی اور پرہیزگار نبی اور ایسے نبی جن کو دنیاوی بادشاہت بھی عطا کی گئی۔ ان پر یہودیوں نے ایک ظلم یہ کیا کہ اپنی الہامی کتاب توریت کو جب تبدیل کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسی ایسی تہمتیں لگائیں جس کا مقصد نہ صرف ان کی قدر ومنزلت کو نبوت کے درجے سے گرانا تھا بلکہ دوسری طرف ایک دنیاوی بادشاہ کی طرح انہیں بھی ایک عام سربراہ مملکت جیسی خامیوں اور کوتاہیوں میں ملوث کر کے یہ جواز تلاش کرنا تھا کہ دنیا کا بادشاہ اگر نبی بھی ہو تو وہ دنیا کی رنگینیوں میں ملوث ہوسکتا ہے تاکہ وہ اپنے بادشاہوں میں موجود ایسی خامیوں کے باوجود انہیں نبی مان لینے اور منوانے میں کامیاب ہوسکیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام پر سب سے زیادہ تہمتیں (نعوذ باللہ) اس حوالے سے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی بیگانہ، اجنبی اور بت پرست عورتوں سے خاص طور پر تعلق رکھا ہوا تھا۔ توریت میں حضرت سلیمان پر

الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے بت پرست عورتوں کے عشق کے سبب بہت سے بت کدے بنوائے اور بت پرستی کو ان کے زمانے میں اس لئے رواج ہوا کہ وہ بے حساب بت پرست عورتوں کے عشق میں مبتلا تھے اور اس حوالے سے ایسی ایسی شرمناک داستانیں بیان کی ہیں کہ کسی بھی مہذب تاریخ دان کا قلم انہیں تحریر کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن مجید نے اسی تحریف شدہ توریت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اب تم کتاب یعنی کہ کلام مجید کو بدل کر دکھاؤ تو جانیں اور ایمان لانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم صرف اس آخری الہامی پیغام پر ایمان لے آؤ اور یقین کرلو تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ شیطان جب لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہو جاتا ہے تو عظیم انبیاء تک کے چہرے بدلوانے سے گریز نہیں کرتا۔ اب قرآن کہتا ہے کہ لو مقابلہ کرلو توریت میں دی گئی سلیمان علیہ السلام کی تصویر کا' قرآن میں پیش کی گئی سلیمان علیہ السلام کی حقیقی تصویر سے کہ سلیمان علیہ السلام ایسا پیغمبر ہے جو علم وتقویٰ کے اس مقام پر فائز ہے کہ ایک عظیم حکومت کا حاکم ہونے کے باوجود ہرگز مقام و مال کا اسیر نہ ہوا اور ملک سبا کی ملکہ بلقیس کے بھیجے ہوئے تحفوں کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ ''کیا تم مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتی ہو حالانکہ جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے وہ اس سے برتر ہے کہ جو تمہیں دیا ہے'' (نمل 26) ایسا پیغمبر جو ہر وقت 'فقال ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ و علی والدیّ '' کہتا ہو کہ ''پروردگار میری مدد کر مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کرسکوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہیں۔ (نمل 19)

ایسا رہبر جو یہ تک نہ اجازت دیتا تھا کہ کوئی شخص جان بوجھ کر ایک چیونٹی پر بھی ظلم کرے اسی وادی نمل میں اس نے صدا بلند کرنے والی چیونٹی کو بلا کر پوچھا تھا کہ تو نے مجھ سے خوف کیوں کھایا (نمل 18) وہ سلیمانؑ جو اتنا دانا اور حکمت رکھنے والا تھا کہ قدرت رکھنے کے باوجود منطق اور دلیل کے سوا بات نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ ایک پرندے کے ساتھ بھی جیسا کہ وہ ہدہد کے ساتھ بات کرتے وقت بھی حق و عدالت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

وہ ایسا حاکم تھا کہ جس کا معاون وزیر آصف برقیا جیسا صاحب علم کتاب تھا کہ وہ ایک ہی لمحہ میں تخت بلقیس کو حاضر کر سکتا تھا۔ وہ نبی جس نے اپنی ساری عمر میں ایک لمحے کے لئے بھی شرک نہ کیا تھا اس کے باوجود توریت میں تحریف کر کے اس پاک دامن بزرگ کو کسی طرح شرک اور دوسری آلائشوں کے ساتھ آلودہ کیا گیا تو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکوں اور منافقوں کو سلیمان علیہ السلام کی صحیح شکل دکھاؤ اور ان سے نہ گھبراؤ یہ تمہارے کردار کو نبوت کے اعلان سے پہلے تسلیم کر چکے ہیں تمہیں ''امین و صادق'' کا لقب دینے والے اپنے ہی قول سے فرار اختیار کر رہے ہیں جس کا مقصد بالکل واضح ہے ان کا کردار بھی سامنے ہے اور تمہارا بھی اور تم اپنا پیغام جاری رکھو۔

دوسرا اہم نکتہ اس سورہ سبا میں یہ ہے کہ کوئی شخص اگر اس جہان عالم بقا کی طرف کوئی اصر یخا مقام پاتا یا اپنے آپ کو موت سے دور رکھ سکتا تھا تو وہ سلیمان علیہ السلام تھے کہ ان کو نبوت کے بلند مقام کے ساتھ ساتھ جنوں اور انسانوں پر بھی حکومت فراہم کی گئی تھی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے اظہار میں جو تاخیر ہوئی اس نے یہ راز فاش کر دیا کہ وہ برگزیدہ صاحب قدرت نبی بھی اپنی موت سے بے خبر تھے اور جو جن ان کے محکوم تھے وہ بھی انہیں آنے والے موت کے فرشتے کی آمد سے مطلع نہ کر سکے اس کی مختصر احقیقت یہ ہے کہ مسجد بیت المقدس ابھی زیر تعمیر تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارکان سلطنت سے کہا کہ خدا نے مجھے اتنی بڑی سلطنت عطا فرمائی لیکن میں ایک دن آرام سے نہ بیٹھا۔ آج میں فلاں محل میں جاتا ہوں میرے پاس آج کوئی نہ آئے غرض آپ محل کے بالا خانے پر گئے کہ اچانک آپ کی نظر ایک خوش پوش نوجوان پر پڑی جو قصر کے ایک کونے سے باہر آیا اور ان کی طرف بڑھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کس کی اجازت سے یہاں آیا ہے' میں نے تو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ آج کوئی شخص یہاں نہ آئے اس نے کہا میں وہ ہوں جو نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں نہ جن و بشر کی طاقت مجھے کسی بھی قسم کا لالچ دے کر میرے کام سے روک سکتی ہے چونکہ میں اس کے حکم کا تابع ہوں جس کے قبضہ

قدرت میں سب کی جان ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے پوچھا کیوں آئے ہو؟ کہا میں موت کا فرشتہ ہوں آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں اور کوئی مہلت دیئے بغیر آپ کی روح قبض کر لی آپ اسی طرح کھڑے رہ گئے اور پہرے پر موجود جنات اس خیال سے کہ آپ زندہ ہیں اور کھڑے کھڑے باہر کا نظارہ کر رہے ہیں وہ اپنے کام میں مشغول رہے جب ایک رات گزر گئی اور مسجد بھی مکمل ہو گئی تب دیمک نے آپ کے عصا کو کھوکھلا کر دیا اور آپ کی لاش گر پڑی۔ جنات کو جب پتہ چلا تو تسخیر سے آزاد ہو کر چلتے بنے' جنات کے متعلق لوگوں کا خیال اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے کہ یہ لوگ غیب دانا ہوتے ہیں مگر اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ انہیں غیب کا علم نہیں ہوتا ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہوتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوتے اور مسجد بیت المقدس کی تعمیر کا کام نامکمل چھوڑ کر چلے جاتے۔

یعنی یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ جنوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا اس لئے نادان اور بے خبر انسان جو ان کی پرستش کرتے تھے غلطی پر تھے۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(*چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۳۵ آیات: ۴۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ فاطر

تعارف: اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ الملائکہ بھی ہے جو کچھ مفسرین نے استعمال کیا ہے چونکہ اس سورہ میں فرشتوں کا ذکر کافی تفصیل سے ہے مگر شروع ہی میں یعنی کہ ابتدا میں ''الحمد اللہ فاطر السموات والارض'' ہے تو اس بنا پر فاطر نام ہوا۔ دوسرے خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) اچھی گفتگو کا خالق کی طرف بلند ہونا اور اعمال نیک کا اس میں بلندی پیدا کرنا یعنی قول اور فعل میں ہم آہنگی کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

(2) کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ہر ایک کے اعمال کی ذمہ داری اس کے کاندھے پر ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ سے ڈرنا صرف صاحبانِ علم ہی کا کام ہے۔

(4) منتخب افراد کا وارث کتاب ہونا۔

(5) اگر اللہ تعالیٰ جرائم کی سزا عام طور پر دنیا میں دینے لگے تو روئے زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی نہ رہے مگر اس نے اعمال کی سزا کا اصل دن بعد میں رکھا ہے۔

اگر اس سورہ کی 21 ویں آیت کو اس سورہ کا مرکزی نکتہ بنایا جائے تو زیادہ اچھی طرح یہ سورہ سمجھ میں آ جائے گی جس کی تفسیر بہت مختصر الفاظ میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ دی کہ ''اعلمکم باللہ اخونکم اللہ'' ''تم میں سے زیادہ عالم وہ ہے جس کے دل میں خوفِ خدا سب سے زیادہ ہے۔ اب علماء کی وضاحت کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ ''علماء سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کو خوف خدا سب سے زیادہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال ان کے اقوال کے ساتھ ہم آہنگ ہوں جس شخص کی گفتار و کردار ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہوں تو وہ عالم نہیں۔ قرآن کی منطق کے مطابق علماء وہ لوگ نہیں ہیں کہ جن کا دماغ تو علمی فارمولوں سے بھرا ہوا ہو ان کی زبان ان مسائل کو بیان کرتی ہو اور ان کی زندگی بڑے بڑے تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور

لائبریریوں میں گزرتی ہو مگران کا عمل اور کردار ان سے سابقہ پڑنے والے افراد کے لئے غیر انسانی' غیر اخلاقی اور غیر سماجی ہو بلکہ علماء تو وہ صاحب نظر و دانشمند ہیں کہ جن کے نور علم نے ان کے تمام وجود کو خدا کے نور اور ایمان وتقویٰ سے روشن کیا ہو اور اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سختی سے احساس ذمہ داری رکھتے ہوں اور اس کا مظاہرہ ان کے عمل سے ظاہر ہو۔

اس سورہ کی ابتدا بھی سورہ حمد' سبا اور کہف کی طرح پروردگار کی حمد سے ہوتی ہے۔ فاطر کے معنی چونکہ شگاف ڈالنے یعنی فطور ڈالنے کے ہیں۔ اب جدید سائنسی تحقیق میں یہ کائنات Univers ابتدا میں ایک ہی ٹکڑا تھا جو بتدریج شگافتہ ہوا اور اس سے مختلف حصے جدا ہوئے اور یہ حصے جدا کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو استعمال کیا اس لئے خدا کیلئے ''فاطر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور سورہ کے شروع میں ہی کہہ دیا گیا ہے کہ اس خالقیت کی بنا پر ہی ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں چونکہ وہی خدا ہے جس نے فرشتوں کو رسول قرار دیا ہے جو دو دو تین اور چار چار پروں کے حامل ہیں اور خدا جتنا چاہتا ہے ان کی خلقت میں اضافہ کردیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اب یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے رسول یعنی ہمارے فرشتے صرف پیغام رسانی کا کام ہی نہیں کرتے بلکہ وہ تمہارے نیک و بداعمال اور مکروفریب کو بھی لکھتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ملائکہ کا بہت زیادہ بیان ہوا ہے بہت سی آیات فرشتوں کی صفات' خصوصیات' فرائض اور وظائف اور ذمہ داریوں کے سلسلے میں گفتگو کرتی ہیں یہاں تک کہ قرآن نے ملائکہ پر ایمان رکھنے کو اتنا ہی ضروری قرار دیا ہے جتنا خدا' انبیاء اور کتب آسمانی پر ایمان رکھنا' فرشتوں کے حوالے سے مندرجہ ذیل صفات اور ذمہ داریاں اگرچہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئی ہیں پہلے ان کو دیکھ لیں پھر اللہ نے انسانوں سے ان کا موازنہ کیسے کیا ہے وہ دیکھیں گے۔

(1) فرشتوں کا ایک گروہ حاملین عرش کا ہے (سورہ حاقہ آیت 18)

(2) ایک گروہ مدبرامر ہے (سورہ نازعات 5)

(3) ایک گروہ قابض ارواح کا ہے (سورہ اعراف 37)

(4) ایک گروہ اعمال انسانی کا نگران ہے (سورہ انفطار 10 تا 13)

(5) ایک گروہ انسان کی خطرات حوادث سے حفاظت کرتا ہے (سورہ انعام 41)

(6) ایک گروہ سرکش اقوام کو عذاب یا سزا دینے پر مامور ہے (سورہ ہود 77)

(7) ایک گروہ جنگوں میں خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کرنے والا ہے (سورہ احزاب)

(8) اور آخر میں ایک گروہ انبیاء کے لئے وحی کا پہنچانے والا اور ان کے پاس کتب آسمانی کو لانے والا ہے (نمل 2)

اب ان تمام خصوصیات کو دیکھتے ہوئے ان کے کردار اور خلقت پر بہت بحثیں ہوئیں اور ترمیم شدہ توریت میں بہت سی عبارتوں میں فرشتوں کو "خداؤں" کے ساتھ تعبیر کیا گیا لیکن قرآن مجید اس قسم کی تعبیروں سے مبرا اور پاک ہے چونکہ قرآن اس بات کو شرک قرار دیتا ہے کہ ایک خالق کی بہت سی تخلیقات میں سے کسی ایک تخلیق کو اس کے ساتھ خدا مان کر کسی کو اس کے ساتھ شریک کیا جائے قرآن نے فرشتوں کے مقام کا تعین یہ کہہ کر کر دیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی بندگی کے لئے پیدا کیے گئے ہیں جن کا کام صرف خدا کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنا ہے۔

ان تمام اوصاف کے باوجود پروردگار نے انسان کو فرشتوں سے برتر اور افضل قرار دیا تو اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ فرشتے صرف اللہ کے روبوٹ ہیں انہیں جس کام پر مامور کر دیا گیا ہو وہ اس پر فائز ہیں ان کو نفس کی خواہش اور عقل نہیں دی گئی اس لئے ان کا امتحان بھی کوئی نہیں مگر انسان کو نفسانی خواہشیں اور عقل دے کر اسے ہر ہر طرح آزمایا گیا ہے اور جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جائے تو اسے فرشتوں سے افضل قرار دیا ہے اور اگر امتحان میں فیل ہو جائے تو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ نمبر ۳۶

آیات: ۸۳

مقام نزول: مکہ

سورہ یٰسین

تعارف : اس سورہ کو قرآن کا دل کیوں کہا گیا؟

یٰسین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور خدا نے اس سورہ میں آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا ہے لہٰذا اس سورہ کا یہ نام ہوا۔

اس سورہ میں توحید، معاد، وحی، قرآن، نذرات و بشارت سے متعلق گفتگو ہے اور چار مضامین خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہیں۔

(1) سب سے پہلے پیغمبر اسلام کی رسالت، قرآن مجید اس آسمانی کتاب کے نازل ہونے کا مقصد اور اس پر عمل کرنے والوں اور نہ عمل کرنے والوں کا بیان ہے جو 11 آیتوں تک جاری رہتا ہے اور 12 ویں آیت "امام مبین" پچھلی گیارہ آیتوں کی تصدیق کرتی ہے۔

(2) اس سورہ کے دوسرے حصے میں انبیاء الٰہی میں سے تین کی رسالت اور توحید کی طرف ان کی دعوت کی کیفیت اور شرک کے خلاف ان کے مسلسل اور زبردست معرکے کے بارے میں بیان ہے جو در حقیقت پیغمبر اسلام کو ایک قسم کی تسلی ہے اور انہیں اس عظیم ذمہ داری کی انجام دہی کی راہ دکھائی گئی ہے۔

(3) اس سورہ کا تیسرا اہم موضوع جو آیت نمبر 33 سے 44 تک چلتا رہتا ہے وہ ہے توحید کے پرکشش نکات اور عالم ہستی میں پروردگار کی نشانیوں کا فصیح و بلیغ بیان۔

(4) اس سورہ کا اہم حصہ قیامت کے دن کے احوال، سوال و جواب، عالم کے اختتام اور جنت و جہنم کے بارے میں بیان پر مشتمل ہے اور ان چاروں مباحث میں غافلوں اور بے خبروں کی بیداری کے لئے ہلا دینے والی آیات ہیں جو قلب و روح کے لئے بہت پر اثر ہیں اور مجموعی طور پر ایک بیدار کن شفا بخش نسخہ تیار ہوتا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

کفار و مشرکین چونکہ آپ کو جھوٹا کہتے تھے لہٰذا اس سورہ میں سب سے پہلے حضورﷺ کی رسالت کی تصدیق کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ جس دین کو پیش فرما رہے ہیں وہ صحیح راستہ ہے باقی سب غلط ہے جو گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں اسکے بعد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قرآن کو آنحضرتﷺ نے خود گڑھ لیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ غالب و حکیم خدا کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ ہم نے ایک مقصد خاص کے لئے اپنے رسول کو بھیجا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے کوئی رسول نہیں آیا۔ لہٰذا اس زمانے میں کفار و مشرکین کے باپ دادا کو چند سو سال کے اندر عذاب خدا سے ڈرایا نہیں گیا اس لئے ان کے باپ دادا غفلت میں پڑے رہے اور بجائے خدا کے بتوں کو پوجتے رہے اور اب کفر اور شرک ان میں ایسا رچ بس گیا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں لیکن لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے ان کی گردنوں میں ایسے بھاری طوق ڈال دیئے ہیں کہ یہ سر اوپر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے اے رسولﷺ تم ان مشرکوں کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ تو ایمان لانے والے نہیں ہیں ایسے لوگوں کو ڈرانے سے کیا فائدہ۔ ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں ان کی عقلوں پر پردے پڑ چکے ہیں ڈرانا تو ان کے لئے مفید ہو سکتا ہے جو بے دیکھے بھالے خدا سے ڈرنے والے ہوں۔

اب اس سورہ کی سب سے اہم آیت نمبر 12 جو پورے قرآن پاک کی عملی شکل کا ثبوت دینے کی بنا پر اتنی اہم ہے کہ اس سورہ کو صرف اس آیت کی وجہ سے قرآن پاک کا دل کہا گیا ہے۔

امام مبین کس کو کہا گیا ہے؟

اس سورہ کی 12 ویں آیت "انا نحن نحی الموتی و نکتب ماقدمو و اثارھم ط کل شیء احصینہ فی امام مبین O

ترجمہ: آثار یا نشانات چھوڑنے کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ کوئی شخص اگر ایسی عمارتیں

بنوا گیا ہے جن میں عمل خیر ہوتا ہے جیسے مسجد امام بارگاہ اسکول اسپتال سرائے پل پانی پینے کے لئے کنواں یا کسی بیماری کا علاج جیسے جدید دور میں پنسلین کی ایجاد سے موذی امراض کا علاج ممکن ہوگیا یا کوئی شخص اچھی کتاب لکھ گیا تو جب تک دنیا ایسی عمارتوں یا ایسی ایجادات یا اچھی کتاب سے مستفید ہوتی رہے گی تو اس کا ثواب اس شخص کو مرنے کے بعد رہتی دنیا تک پہنچتا رہے گا یا ایسی اولاد جس کی بہترین تربیت کی گئی ہو تو جب تک وہ اولاد لوگوں کو اپنی اچھی تربیت کے باعث دینوی اور دنیاوی فائدے پہنچاتی رہے گی وہ والدین بھی اچھے نام سے یاد کئے جاتے رہیں گے لیکن اولاد کو اگر والدین نے بری تعلیم و تربیت دی ہے تو جب تک وہ بری تعلیم اور تربیت دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچائے گی یا گمراہ کرے گی تب تک وہ عذاب ان والدین پر بھی ہوتا رہے گا۔

امامِ مبین:

مفسرین کی اکثریت نے امام مبین کے معنی لوح محفوظ کے لئے ہیں اور لوح محفوظ ہے وہ دل جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کو محفوظ کر دیا۔ اسی لئے اس سورہ کو قرآن کا دل کہا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ دل کون سے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کو محفوظ کیا؟

تقریباً تمام مکتبہ فکر کے علماء کی اکثریت نے یہ دل رسولؐ خدا کا دل اور پھر وہ دل جن میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام ورثے کے طور پر منتقل کیا۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے پاس جو صحابہ کرام تشریف رکھتے تھے وہ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ کیا امام مبین سے مراد توریت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر پوچھا گیا کہ کیا انجیل؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر پوچھا گیا کیا قرآن؟ آپ نے فرمایا نہیں اتنے میں حضرت علی علیہ السلام سامنے سے نمودار ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ ہیں امامِ مبین۔ پھر آپؐ نے اس کی وضاحت فرمائی اور کہا لوگو کوئی علم ایسا نہیں کہ میرے خدا نے مجھے تعلیم فرمایا ہو اور میں نے علی علیہ السلام کو نہ سکھایا ہو جو بھی علم خدا نے میرے دل میں محفوظ کیا میں نے اس کو امام مبین علی علیہ السلام میں محفوظ کر دیا تا کہ میرے بعد علی علیہ السلام اس کی حفاظت کریں اور پھر علی علیہ السلام اس علم کو ان دلوں میں محفوظ کر دیں جو رہتی دنیا

تک لوگوں کی رہنمائی کریں اور تا قیامت قرآن کا علم عمل کی صورت میں آخری ہادی مہدی آخر الزمان تک سینوں میں محفوظ ہوتا رہے گا اور دنیا کبھی ہدایت سے خالی نہیں رہے گی اس لئے علی علیہ السلام کے بعد جتنے امام اس علم قرآن کو ایک دوسرے کو منتقل کریں گے وہ ایک ہی پیغام ہوگا اور وہ پیغام الٰہی ہے جو پہلے مجھ میں منتقل ہوا کہ میں امام الانبیاء اور امام المرسلین اور ختم المرسلین بھی ہوں تو میرے بعد چونکہ کوئی رسول نہیں آئے گا بلکہ امامت کا سلسلہ قیامت تک اپنے کردار اور عمل کی صورت میں اسی پیغام کو محفوظ رکھے گا اس لئے علیؑ امام مبین ہیں چونکہ علیؑ حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتے ہیں اور یہ عہدہ علیؑ نے مجھ سے ورثے میں پایا ہے۔

اس سورہ یٰسین کی ۱۳ سے ۲۱ تک کی آیات تین پیغمبروں حضرت یحییٰ' حضرت یونسؑ اور حضرت شمعون کی تبلیغ دین کے حوالے سے ہیں جن میں اس طریقہ تبلیغ کا سبق دیا گیا ہے جس سے آپ لوگوں کا دل جیت سکیں اور اس کے لئے جوش کی نہیں بلکہ ہوش کے ساتھ تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان آیات میں ایک گاؤں انطاکیہ جس کو اب شام کہا جاتا ہے اس کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اس گاؤں میں لوگوں کی گمراہی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے دین کی تبلیغ کے لئے بھیجا جب یہ دونوں شہر میں داخل ہوئے تو بادشاہ کی سواری وہاں سے گزر رہی تھی انہوں نے بادشاہ کو دیکھتے ہی زور زور سے تکبیر کی آواز بلند کی۔ بادشاہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری اس نے ان دونوں کو بت خانے میں قید کر دیا جب یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے حضرت شمعون علیہ السلام کو جو آپ کے خلیفہ تھے ان کی مدد کے لئے روانہ کیا وہ جب بادشاہ کے دربار تک پہنچے تو بادشاہ نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے ہیں۔ آپ نے کہا کہ میں اپنے خدا کی عبادت کے لئے یہاں آیا ہوں۔ بادشاہ نے ان کو بھی اسی بت خانے میں عبادت کرنے کا حکم دیا جہاں حضرت یحییٰ اور حضرت یونسؑ قید تھے۔ حضرت شمعونؑ برابر بادشاہ کے پاس جاتے رہے اور اپنے اخلاق و کردار سے بادشاہ کا دل جیت لیا' بادشاہ کو ان سے محبت ہوگئی اور وہ امور سلطنت میں ان سے مشورہ لینے لگا ایک دن

موقع غنیمت جان کر حضرت شمعونؑ نے بادشاہ سے کہا کہ بت خانے میں یہ دو اجنبی کون ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ وہ دونوں ایک نئے دین کا پیغام لے کر آئے تھے اور راستوں میں زور زور سے تکبیریں بلند کرتے تھے اس لئے میں نے انہیں قید کر دیا۔ حضرت شمعونؑ نے کہا کہ ان سے پوچھنا تو چاہئے کہ آخر وہ کہتے کیا ہیں ادھر دونوں کو پہلے ہی کہہ آئے تھے کہ جب میں بلواؤں تو وہاں اجنبی بنے رہنا' غرض جب دونوں کو بلوایا گیا تو حضرت شمعونؑ نے کہا آپ دونوں اس شہر میں کیوں آئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں اور مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ حضرت شمعونؑ نے کہا کہ ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے ہیں لہٰذا ایک ایسے اندھے کو بلوایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان تک بھی نہ تھے۔ انہوں نے دعا کی تو آنکھوں میں شگاف پڑ گیا پھر مٹی کی دو ڈھیلے ان میں رکھے تو وہ پتلیاں بن گئیں۔ حضرت شمعونؑ نے پوچھا تمہارے خدا میں اور کیا قدرت ہے؟ وہ بولے مُردے کو زندہ کر سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ بادشاہ کے بیٹے کو مرے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے کیا اسے زندہ کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا ضرور۔ غرض وہ دونوں اس کی قبر پر گئے اور دعا کی تو وہ زندہ ہو کر قبر سے نکل آیا اور کہنے لگا کہ میں فلاں فلاں صورت کے لوگوں کی دعا سے زندہ ہوا ہوں۔ پھر اس نے دونوں کو پہچان لیا' اس واقعے کے بعد بادشاہ قدرت خدا کا قائل ہو گیا اور ان دونوں سے معافی مانگ کر اللہ پر ایمان لے آیا۔ اس قصے میں یہی بتایا گیا ہے کہ صرف طریقہ ہدایت بدلنے سے اور حسن تدبیر سے کام لینے سے مقصدِ ہدایت پورا ہو گیا۔ ☆ 20 ویں آیت میں اس قصے کا ذکر ہوا ہے۔

ایک سچے مومن اور مجاہد کی پہچان:

اس سورہ یٰسین کی ان ہی آیات میں رسولوں کی جدوجہد کا ایک اور پہلو جوان لوگوں سے متعلق ہے جنہوں نے انبیاء کی حمایت کی وہ کافر و مشرک اور ہٹ دھرم اکثریت کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور جب تک جان باقی رہی انبیائے الٰہی کا ساتھ دیتے رہے۔ انہی مومنین

میں سے ایک شخص حبیب النجار کا بڑی تفصیل سے ذکر ہوا ہے جو پروردگار کے پیغمبروں کو پہلی ہی ملاقات میں ان کی دعوت کی حقانیت اور ان کی تعلیمات کی گہرائی کے سبب پہچان لیتا تھا وہ ایک ثابت قدم اور مصمم کار مومن ثابت ہوا جس وقت اسے خبر ملی کہ وسط شہر میں لوگ ان انبیائے الٰہی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے خاموش رہنے کو جائز نہ سمجھا۔ چنانچہ اس آیت میں ''یسعیٰ'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی تیزی اور جلدی کے ساتھ مرکز شہر تک پہنچا اور جو کچھ اس کے بس میں تھا حق کی حمایت اور دفاع میں اس نے وہ پیش کیا۔ ''رجل'' کی تفسیر اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک عام آدمی تھا' کوئی قدرت و شوکت نہیں رکھتا تھا اور اپنی راہ میں بالکل تنہا تھا لیکن اس کے باوجود ایمان کے نور و حرارت نے اس کا دل اس طرح سے روشن اور مستعد کر رکھا تھا کہ راہ توحید کے سخت مخالفین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی وہ اس میدان میں کود پڑا اور 26 ویں آیت کے مطابق شہید ہو گیا۔ یہ واقعہ قرآن نے اس لئے بیان کیا ہے کہ آغازِ اسلام میں بے شک مومنین کی تعداد کم تھی مگر آج چودہ سو برس گزر جانے کے بعد اسلام کے ماننے والے منافقین آج بھی مشرک و کافرین کے سامنے مختلف حیلے بہانوں سے حق بات کو حق نہ کہنے یا چھپا لینے یا خاموشی اختیار کر لینے کو مصلحت کا نام دیتے ہیں اس لئے قرآن کہہ رہا ہے کہ اس شخص کی مثال کو اپنے لئے نمونہ عمل سمجھیں اور جان لیں کہ ایک مومن بھی پوری طرح ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کے لئے اس وقت خاموش رہنا جائز نہیں جب اس کے چاروں طرف ظلم بربریت' ناانصافیاں اور غیر انسانی عمل فروغ پا رہا ہو۔

دوسرا اہم نکتہ اس مرد مومن کا اپنے شہر والوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے تھا کہ اس نے رسولوں کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے جو دلیل اور منطق اختیار کی وہ یہ تھی کہ ''ایسے لوگوں کی دعوت کو قبول کرو ان کی پیروی کرو جو اپنی دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے (اتبعو من لا یسئلکم اجراً) یہ ان کی دعوت کی صداقت کی پہلی نشانی ہے کہ وہ کسی قسم کی دنیاوی منفعت کوئی مال کوئی مرتبہ تم سے نہیں چاہتے بلکہ وہ تو تشکر تک سننا نہیں چاہتے۔

سورۃ نمبر ۳۷ آیات: ۱۸۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ الصفت

تعارف : اس سورہ میں بسم اللہ کے بعد پہلا لفظ "الصفات" ہے جس کا مطلب صف باندھنے والی ہستیوں کا ذکر ہے اوران کی قسم کھائی گئی ہے اس آیت میں پھر قسم کھائی گئی ہے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والوں اور پھر ذکر الٰہی کی تلاوت کرنے والوں کی کہ یقیناً تمہارا خدا ایک ہے جو آسمانوں اور زمینوں اوران کے درمیان کی چیزوں کا مالک ہے۔ دراصل یہ صفتیں اور اوصاف جن کی شروع میں قسم کھائی گئی ہے وہ بظاہر فرشتوں سے متعلق ہیں جو مختلف فرائض اور انتظامات پر مامور ہیں۔

موضوع کی تفصیل :

یہ قرآن پاک کی پہلی سورہ ہے جس میں آغاز قسم سے ہورہا ہے جس طرح سورہ "والعصر" ہے اس میں عصر کے وقت یعنی گزرتے ہوئے زمانے کی قسم کھائی جارہی ہے اوراس سورہ میں صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی قسم کھائی جارہی ہے جو اپنی صفوں کو منظم رکھے ہوئے ہیں اور پھر ان کو جو سختی سے روک دیتے ہیں اور پھران کی قسم جو پے درپے ذکرِ الٰہی میں مصروف ہیں۔

اب قرآن پاک جن تین گروہوں کی قسم اس میں کھا رہا ہے وہ کون ہیں اور یہ کن افراد کی صفات کا ذکر ہورہا ہے ان صفات کو بیان کرنے کا اصلی ہدف اور مقصد کیا ہے؟ مفسرین نے یہاں بہت سی باتیں کی ہیں لیکن مستند تفسیریں ان گروہوں کو فرشتوں کے گروہ سے منسوب کرتے ہیں۔ ایسے گروہ جو فرمانِ الٰہی کو انجام دینے کیلئے عالم ہستی میں صف باندھے ہوئے آمادہ تعمیل ہیں دوسرے گروہ فرشتوں کے وہ ہیں جو انسانوں کو گناہ سے روکتے ہیں اور شیطان کے وسوسوں کو ان کے دلوں میں بے اثر کرتے ہیں یا آسمان کے بادلوں پر مامور ہیں اور انہیں ادھر ادھر دھکیلتے ہیں اور خشک زمینوں کی سیرابی کے لئے انہیں ادھر سے ادھر لے جاتے ہیں اور تیسرے گروہ وہ جو آسمانی کتابوں کی آیات نزول وحی کے وقت پیغمبروں کے سامنے پڑھتے ہیں صفات صف

باندھنے والے، زاجرات، ڈانٹ پھٹکار کرنے والے اور تالیات امر حق کی طرف پکارنے والے۔

اب اگر ترتیب سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلا مرحلہ کسی بھی کام کو انجام دینے کے لئے صف باندھنا اور تیار ہونا ہوتا ہے اس کے بعد رکاوٹوں کو راستے سے ہٹانے کا مرحلہ ہے اور پھر اصلی مطالب کی طرف آیا جاتا ہے یعنی احکام الٰہی کا اجراء اس کے خاص بندوں تک پہنچانا ہوتا ہے اور یہ خاص بندے انبیاء اور رسول ہیں۔

اس سورہ کے دوسرے حصے میں جو آیت نمبر 13 سے 25 پر مشتمل ہے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ جو کفار و مشرکین ''روز قیامت'' کے ماننے پر کسی طرح تیار نہیں ہیں آخر ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ ہر زمانے میں جو انبیاء سے قیامت کے متعلق سوال ہوتے رہے ہیں اور سوال پوچھنے والے سمجھتے تھے کہ بس جو کچھ ہونا ہے اسی دنیا میں ہو جائے گا قیامت کی بازپرس سے ان کے دل گھبراتے تھے اس لئے وہ اس اعتقاد کو قریب پھٹکنے ہی نہیں دیتے تھے لیکن ان کے انکار سے قیامت ٹل تو نہیں سکتی وہ دن تو آ کر رہے گا کہ جس کا وعدہ ہے اور پھر ہائے وائے کریں گے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ مگر وہ جنہوں نے دنیا میں اپنے ہدایت دینے والے اپنے امام اور ولی کو پہچان لیا، یعنی جس نے عمل خیر کی طرف بلانے میں دنیا میں ان کی مدد کی اور انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا تو روزِ قیامت بھی وہ ان کے اور خدا کے بیچ میں مدد اور وسیلہ ثابت ہوں گے۔ آخری آیت اس حصے کی ''وَقِفُوهم اِنهم مسئولون'' بہت اہمیت کی حامل ہے اس حوالے سے کہ یہاں کہا جا رہا ہے کہ ''ان کو روکو اے رسول'' گمراہ کن باتوں سے کہ ان کی پوچھ گچھ ہوگی'' اور پھر 25 ویں آیت کہ ''تم ایک دوسرے کی مدد کیوں طلب نہیں کرتے؟ اس لئے کہ جب دنیا میں مددگار تمہیں حق کی طرف بلاتے تھے تو اس وقت تم انہیں جھوٹا، جادوگر اور کاہن، دیوانہ شاعر کہہ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے ہو اس لئے کہ اگر ایک گمراہ کرنے والا گروہ ہوگا تو دوسرا گمراہ ہونے والا۔ اب وہ بھلا ایک دوسرے کی کیا مدد کرے گا اسی لئے آیت 24 میں مفسرین کی اکثریت نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس دن مجرموں

سے جو سوال پوچھے جائیں گے ان میں ایک اہم سوال رسول ﷺ کے بعد ہدایت کے سلسلے یعنی ولایت کے متعلق ہوگا' یعنی ان ٹھہرنے والوں سے کچھ پوچھنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی سوال اُمت کے سامنے رکھا گیا تھا اور وہ یہی تھا جس کی تکرار بعد کی آیتوں میں مختلف سوروں میں موجود ہے مثلاً سورہ الشوریٰ کی 23 ویں ایت ''قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ'' جو اجر رسالت کے متعلق ہے کہ آنحضرتؐ نے کہا کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں مانگتا مگر میرے قرابت داروں سے محبت کرنا اور محبت کا ثبوت یہ ہوگا کہ تم ان سے ہدایت لیتے رہنا تو کبھی اس دین اسلام سے بھٹکو گے نہیں یعنی رسولؐ اگر رسالت کا اجر بھی مانگ رہے ہیں تو اس میں بھی درحقیقت اجر دے رہے ہیں کہ اگر میرے قرابت داروں سے ہدایت لیتے رہے تو کبھی صراط مستقیم سے بھٹکو گے نہیں۔ اب یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ قرابت دار سے مراد رشتے دار نہیں بلکہ رسول ﷺ کے خون کے وہ رشتے ہیں جو رسول ﷺ کے دل کے قریب ہیں یعنی رسول ﷺ جن دلوں کو لوحِ محفوظ کہہ کر جن دلوں میں علم و ہدایت کا خزانہ ورثے کے طور پر منتقل کر رہے ہیں تو وہ دل کون سے ہیں؟ وہ ہستیاں کون سی ہیں اُن کو پہچاننا ہی انسان کی عقل اور علم کا امتحان ہے یہ ہستیاں ہیں آپ کی بیٹی بی بی فاطمۃ الزہراؑ اور حضرت علیؑ اور ان دونوں کے بطن سے جو اولاد ہے اس اولاد میں سے بھی وہ اولاد جیسے رسولؐ کی وصیت کے مطابق علم و ہدایت کا ورثہ منتقل کیا گیا۔

اب کئی مفسرین نے ''مودۃ فی القربیٰ'' سے مراد رشتے دار لیا ہے تو رشتے داروں میں تو ابولہب سگے چچا بھی ہیں جن کی قرآن نے مذمت کی ہے کیوں؟ اس لئے کہ جب حضورؐ نے دین اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو سب سے پہلے آپ کے رشتے داروں ہی نے اس کی مخالفت کی جن میں ابولہب سب سے آگے آگے تھا اور آخر تک وہ آپؐ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا اس کے اور اس کی بیوی کے اعمال اور انجام سے متعلق ہی سورہ لہب نازل ہوئی۔ اس لئے مفسرین کی وہ اکثریت جو واقعی صاحب علم اور تحقیق کے بنیادی اصولوں سے واقف ہے کہ تحقیق میں اوّل اصول اپنی ذات کی نفی ہے' تحقیق کے نتائج سے حاصل ہونے والا سچ لوگوں کو بالکل اسی طرح پہنچانا جس طرح یہ حاصل کیا گیا ہے

اور اس سچ کو بولنے سے خوف اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرنا اسے دستاویز کی شکل دیتے ہوئے اپنے ضمیر اور خدا کے خوف کے سوا ہر خوف کو دل سے نکال کر تحقیقی مواد شائع کرانا ہی ایک محقق اسکالر کی ذمہ داری ہے جبکہ جھوٹ ذاتی پسند اور ذاتی رائے تحقیق کے بنیادی اصولوں سے انحراف ہی نہیں بلکہ آسمانی کتابوں اور تاریخ مرتب کرنے کے سلسلے میں یہ عمل بدترین بددیانتی کے مترادف ہے اور پھر قرآن جیسی کتاب کی تفسیر میں کی جانے والی تحقیق کا سچ چھپانا تو اتنی بڑی بددیانتی ہے کہ جس مالک برحق کی یہ کتاب ہے اس نے اسی کتاب میں یہ بتا دیا کہ دیکھو جن قوموں نے میری کتابوں اور میرے انبیاء کو جھٹلایا میں نے ان قوموں کو کیسے عذاب میں مبتلا کر دیا۔

علم امانت ہے اور ہماری اس کتاب کلام مجید کی پہلی آیت ہی ''اقرا باسم ربك الذی'' سے شروع ہوتی ہے تو اس علم کی تحقیق کی توفیق جب پروردگار دے تو اس پروردگار کے اس تحفے کا شکرانہ یہی ہے کہ اس تحقیق کے سچ کو لکھتے ہوئے تعصب اور بزدلی کی عینک کے بجائے انصاف کا ترازو ہاتھ میں رکھیں چونکہ ان ہاتھوں' کانوں' آنکھوں اور سب سے بڑھ کر دل سے سوال ہوگا۔ سورہ بنی اسرائیل کی 30 ویں آیت کا ترجمہ دیکھیں کہ کان' آنکھ اور دل تینوں سے متعلق سوال ہوگا یعنی اس سورۃ الصفات میں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا گیا ہے''ھذا یوم الفصل الذی کنتم به تکذبون ''یعنی یوم الفصل''فیصلے کا دن' جسے تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اس دن تم کو روک کر تم سے کچھ سوال کیے جائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اس سورہ میں یہ کہ ''وقفوھم انھم مسئولون'' جب کہ اس سے پہلی آیت میں فوراً کہا جا رہا ہے کہ ''انہیں روکو ابھی ان سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے'' تو کیا یہ کام یہ بازپرس پہلے نہیں ہوسکتی تھی؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس گروہ کا جہنمی ہونا تو سب پر واضح ہوگا۔ یہاں تک کہ خود ان پر بھی مگر پوچھ گچھ اس بنا پر ہوگی تا کہ ان کے جرم کی کیفیت یعنی سزا دینے کی وجہ وہ Charge Sheet ان کو دے دی جائے جو دنیا میں فرشتے لکھتے رہے وہ Charge Sheet ہاتھ میں پکڑا دی جائے گی تو یہ ایک دوسرے پر اپنا گناہ ڈالنے کی کوشش کریں گے مگر کوئی ان کی مدد کو

تیار نہ ہوگا اور وہ جو دنیا میں انہیں ہدایت کے بہانے سے غلط راستہ دیکھایا کرتے تھے کہ رسولؐ کہہ رہے ہیں کہ دیکھو میرے بعد اس کتاب اور میرے قرابت دار میرے ولی جن کو میں علم وہدایت کا یہ ورثہ سپرد کر کے تمہارے درمیان چھوڑ کر جارہا ہوں ان سے جڑے رہنا۔ میں نے قرآن علیؑ کے سینے میں محفوظ کر دیا ہے میرے بعد علی علیہ السلام اس کی عملی تصویر ہوں گے اور یہ اپنے بعد جسے منتقل کریں یہاں تک کہ تا قیامت ایک ہادی موجود رہے گا ہدایت کے لئے مگر تم اس کو سمجھو گے تب تم تو ان ابوجہل وابولہب کی جماعت کے بہکاوے میں آکر ہر سچائی سے انکار کرتے رہے تو اب تم ان ابوجہل وابولہب سے مدد کیوں طلب نہیں کرتے۔ اب تو یہ تمہارے سامنے کھڑے ہیں مانگو ان سے مدد "مالکم لا تناصرون" لیکن ان کے سر تو ندامت سے جھکے ہوئے اور زبانیں گنگ ہونگی وہ بھلا تمہاری کیا مدد کریں گے۔ اس سورہ میں دوسرا اہم موضوع بہشت کی نعمتوں سے متعلق ہے کہ وہ کیسی ہوں گی اور کس کو ملیں گی۔ آیت نمبر 38 سے 40 تک اس بحث کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ "تمام لوگ اپنے اعمال کا عذاب اور اجر پائیں گے خدا کے مخلص بندوں کے سوا" یعنی مخلص ہونے کی بنا پر خدا نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں چاہتے دنیا میں ان کا ہر عمل صرف خدا کی مرضی پر راضی بہ رضا رہنے کے سوا کچھ نہیں تھا اور نہ ہی انہوں نے جنت کی نعمتوں کے حصول کے لئے اس کی عبادت کی۔ اب اس حوالے سے ایک مستند حوالہ اور واقعہ اس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دفعہ کچھ افراد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی اس درجہ عبادت اور ریاضت اور کردار کو دیکھتے ہوئے سوال کیا کہ "یا علیؑ آپ اللہ کی عبادت خوف سے کرتے ہیں یا جنت کے لالچ میں کرتے ہیں؟" آپ نے کہا میں اس کی عبادت اس لئے کرتا ہوں کہ وہ ہے ہی عبادت کے لائق۔ یعنی ایسے بندے جو خدا کی خوشنودی کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کریں گے وہ خدا کے مخلص بندے ہوں گے اور ان کی ان صفتوں کے باعث ان کی روزی اور نعمتیں ایسی چیز ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ جیسا کہ فوراً آیت 41 میں کہا گیا کہ "اولئک علیھم رزق" یعنی ان کی روزی ایسی خاص

اور مخصوص ہے کہ جو دوسروں سے جدا ہے۔''

اب جن نعمتوں کا ذکر ہے اس میں ایسے پھل اور اس شراب طہور کا ذکر ہے جو بہشتیوں کو بہت عزت واحترام کے ساتھ دی جائے گی۔ ان حیوانوں کی طرح نہیں کہ جیسے ان کے آگے چارہ ڈال دیا جاتا ہے بلکہ بہت معزز مہمانوں کی طرح۔ اور انسانوں کے لئے عظیم ترین لذت ایک بے تکلف مخلص و باصفا دوستوں کی محبت بھری محفل ہے۔ اس نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور آنکھوں سے آنکھیں ملی ہوں گی۔ آیت 44 سے 48 تک وہی نعمت ہے جس کا بڑی تفصیل سے ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کبھی دنیا میں اپنے ماضی کے بارے میں اور کبھی آخرت میں پروردگار کی عظیم نعمتوں اور کبھی خدا کے صفات جمال وجلال اور کبھی اولیاء کے مقامات اور کرامات کی خوبصورت گفتگو کریں گے اور شراب طہور سے ان کی تواضع کی جارہی ہوگی یہ دنیا کی اس غلیظ شراب کی طرح نہ ہوگی جسے ام الخبائث کہا گیا ہے جس کے لئے انسان بدی اور نیکی کا فرق بھول جاتا ہے بلکہ یہ پاک طہور شراب ہوگی جس کا سُرور انہوں نے دنیا میں کبھی محسوس نہیں کیا ہوگا اور نیک بیویاں جو صرف اپنے شوہروں سے ہی نظر ملائیں گی اور کسی سے نظر ملا کر بات نہیں کریں گی صرف اپنے شوہروں سے وفادار ہوں گی اور پاکیزہ کردار کی مالک ہوں گی اور یہ مردوں کی نیکی کے صلے کے طور پر انہیں ملیں گی یہ نیکی کا صلہ ثابت ہوں گی۔

اس سورہ کا آخری اہم حصہ گزری ہوئی قوموں کو ڈرانے والے انبیاء سے متعلق ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام اور پھر خاص طور سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا سبق آموز حصہ ہے کہ وہ اپنے خدا کا اشارہ خواب میں پاتے ہی اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اس میں صرف ان کفار قریش ہی کے لئے سبق نہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنے نسبی تعلق پر فخر کرتے پھرتے تھے بلکہ ان مسلمانوں کے لئے بھی سبق ہے جو صرف نام ونسب اور شجروں پر فخر کرتے ہیں۔

سورۃ نمبر ۳۸ آیات: ۸۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ ص

تعارف : ص ایک حرف ہے مقطعات قرآنیہ سے جن سے اس سورہ کی ابتدا ہوئی ہے اور جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ حروفِ مقطعات وہ حروف ہیں جو اللہ کا ایک راز ہیں اس کے اور اس کے رسولؐ اور ان کے درمیان جنہیں وہ ان حروف کا علم عطا کرے۔

دوسرے خاص مضامین اس سورہ کے یہ ہیں۔

(1) مشرکین کا اللہ کو "ایک واحد" ماننے سے انکار اور اس کی غلط فضول دلیلیں۔

(2) حضرت داؤدؑ کے پاس آکر دو فریقوں کا مقدمہ پیش کرنا حضرت داؤدؑ کا فیصلہ اور اس فیصلے پر اللہ کا انتباہ۔

(3) بائبل کے بیان کردہ واقعات کی تصحیح اور جناب داؤد علیہ السلام کی عصمت و کردار کا تحفظ۔

(4) گھوڑوں کے معائنے اور آفتاب کے پلٹنے کا واقعہ۔

(5) حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر اور کئی غیر معروف انبیاء کا تذکرہ۔ جیسے آیت نمبر 48 میں کہا گیا ہے کہ اے رسولؐ ہمارے بندوں میں اسمٰعیل علیہ السلام اور یسع و ذوالکفل کو بھی یاد کرو یہ بنی اسرائیل کے نامور انبیاء میں سے تھے۔ ذوالکفل کا ذکر قرآن میں دو جگہ موجود ہے وہ ذکرِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ ذوالکفل کے معنی ہیں "کفایت کرنے والا" حضرت ذوالکفل کے زمانے میں جب بنی اسرائیل نے پیغمبروں کے قتل کا بازار گرم کر رکھا تھا تو اس وقت حضرت ذوالکفلؑ نے سو پیغمبروں کی جان بچائی تھی۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کے پہلے حصے میں کفار قریش کے غرور و تکبر پر انہیں کہا جا رہا ہے کہ نصیحت کرنے والے قرآن کی قسم اے رسولؐ تم برحق ہو مگر یہ کفار ناحق تمہارے دشمن بنے ہوئے ہیں کیا انہیں

نہیں پتہ کہ ہم نے اس سرکشی کی بنا پر پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر ڈالا ہے لیکن ان کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے نجات پانے کا وقت تو گزر گیا اور یہ ابھی تک اسی تکبر اور خبط میں مبتلا ہیں کہ ایک شخص کو جو نہ بڑے قبیلے کی سرداری سے تعلق رکھتا ہے نہ امیر کبیر ہے پھر اُسے پیغمبری کیسے مل گئی اور (نعوذ باللہ) یہ شخص جھوٹا اور جادوگر ہے اور یہ کسی ذاتی غرض کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے۔

تمام مُفسرین نے اس حصے کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ ان آیات کا نزول عین اس وقت ہوا جب حضرت حمزہؓ جو حضورﷺ کے چچا تھے وہ ایمان لے آئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں میں ہلچل مچ گئی اور ان کے ممتاز لیڈر ابوجہل کی سربراہی میں آپؐ کے چچا حضرت ابوطالبؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ہمارے سردار ہم آپ کے پاس فریاد لے کر آئے ہیں کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ان کی سخت توہین کرتا ہے ہمارے عقل مندوں کو بیوقوف کہتا ہے اور ہمارے بے وقوفوں کو اپنے دین میں شامل کر لیتا ہے اس نے ہمارے دین میں تفرقہ ڈال دیا ہے جس سے ہمارے عقائد میں خلل واقع ہو رہا ہے آپ ان کو سمجھایئے کہ ان باتوں سے باز آ جائے اور ہم کوئی جھگڑا کرنے نہیں آئے۔ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنا بند کر دے۔ حضرت ابوطالبؓ نے آپ کو بلوایا اور قوم کی شکایت ان کے سامنے رکھی۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے آپؐ نے کہا چچا جان میں تو ان سے صرف ایک معاملے میں مدد چاہتا ہوں اور اس کے بدلے میں یہ عرب پر حکومت اور سبقت حاصل کر لیں' ابوجہل اس جملے سے بالکل وجد میں آ گیا اس نے سوچا کہ عربوں پر حکومت کرنے کی چابی پیغمبر کے ہاتھ سے لے لے' کہنے لگا کہ ہاں ہاں بتاؤ وہ کیا معاملہ ہے کیا جملہ ہے جس میں تم ہماری مدد چاہتے ہو۔ جناب رسولﷺ خدا نے فرمایا "تقولون لا الہ الا اللہ" (تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور ان بتوں کو جو خدا کی نظر میں تمہاری بدبختی اور ذلت کا سبب ہیں انہیں دور پھینک دو" یہ سن کر وہ سارے لوگ وحشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے کہتے جاتے تھے ایسی بات تو ہم نے آج تک نہیں سنی یہ جھوٹ ہے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت ابوطالبؓ نے فرمایا بیٹا تم

حق پر ہو تم اطمینان سے اپنا کام کیے جاؤ میں ہر ہر لحہ تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہوں۔

دوسرا حصہ اس سورہ کا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جوان کے بیٹے تھے ان سے متعلق ہے۔ خصوصاً اس حوالے سے کہ توریت میں جو انحراف کیا گیا ہے اور تبدیلی کی گئی ہے وہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سب سے زیادہ کردار کشی کرنے کی کوششیں کیں۔ وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں حضرات بنی اسرائیل میں بھیجے گئے انبیاء ہی نہیں تھے بلکہ دنیا کی بادشاہت بھی ان کو حاصل ہوئی اور جس طرح بادشاہ کی مخالفت کرتے وقت اس کے دشمن ان کی کردار کشی میں حد سے گزر جاتے ہیں اسی طرح ان کی مخالفت کے جنون میں توریت کو تبدیل کرنے والے یہودی یہ بھی بھول گئے کہ وہ جن بادشاہوں پر تہمتیں لگا رہے ہیں وہ صرف دنیا کے بادشاہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ آیت نمبر 12 سے 16 تک تو مشرکین کو خبر دے رہا ہے کہ قوم عاد و ثمود لوطؑ فرعون اور اصحاب الکیتہ نے عظیم انبیاء کے خلاف جب بہتان گڑھے اور ان کی رسالت کو جھلایا تو ان کے ساتھ کیا ہوا اب پہلے تو پچھلی قوموں کے کردار پر ایک نظر ڈال لیں کہ انہوں نے اپنی طرف آنے والے انبیاء کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

(1) قوم نوح نے حضرت نوحؑ جیسے عظیم پیغمبر کے خلاف قیام کیا۔

(2) قوم عاد نے حضرت ہودؑ کے خلاف قیام کیا۔

(3) فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کے خلاف قیام کیا۔

(4) قوم ثمود نے حضرت صالحؑ کے خلاف قیام کیا۔

(5) قوم لوط نے حضرت لوطؑ کے خلاف قیام کیا۔

(6) اور اصحاب الایکہ نے حضرت شعیبؑ کے خلاف قیام کیا۔

اب ان قوموں کے عذاب کی کیفیت دیکھیے۔

(1) قوم نوح طوفان اور تباہ کن بارشوں سے نابود ہوئی۔

(2) قوم عاد زبردست آندھی سے تباہ ہوئی۔

(3) قوم فرعون اور خود فرعون نیل کی موجوں میں غرق ہوئے۔

(4) قوم ثمود آسمانی بجلی کا شکار ہوئی۔

(5) قوم لوط پر وحشت ناک زلزلہ آیا اور آسمانوں سے پتھروں کی بارش ان کے سروں پر ہوئی۔

(6) قوم شعیب بھی موت آفرین بجلی کا شکار ہوئی کہ جو بادل سے ان کے سروں پر آ پڑی یعنی یہ تمام لوگ آگ، ہوا، پانی اور مٹی جیسی چیزوں سے تباہ ہوئے اور ان کا نام ونشان تک مٹ گیا لہٰذا مشرکین مکہ کو بھی سوچ بچار کر لینا چاہئے کیونکہ ان قوموں کے مقابلے میں تو یہ ایک چھوٹے سے گروہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

اب آیت نمبر 17 سے 20 تک حضرت داؤد علیہ السلام کے صبر اور ایک چھوٹی سی لغزش کا حوالہ دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ یاد کرو اس داؤدؑ کو جو ایسا نبی تھا ہمارا کہ ہم نے پہاڑ اس کے لئے مسخر کر دیئے اب یہاں پہاڑ مسخر کرنے سے مراد ان کی دلکش، جاذب اور پرسوز آواز تھی جس ردھم اور لہجہ میں وہ خدا کی تسبیح کیا کرتے تھے وہ آواز پہاڑوں پر اثر انداز ہوتی تھی اور پرندوں کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتی تھی اسی لئے لحنِ داؤدی موسیقی کے حوالے سے مشہور ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی سے سبق:

آپ بنی اسرائیل کے بزرگ انبیاء میں سے تھے انہیں اللہ نے ایک عظیم حکومت عطا کی تھی ایک روز دو بھائی آپ کے پاس ایک فیصلہ کرانے آئے جن میں سے ایک کے پاس 99 بھیڑیں تھیں اور دوسرے کے پاس ایک بھیڑ تھی۔ ننانوے والا اپنے بھائی پر زور دے رہا تھا کہ وہ ایک بھیڑ بھی اسے دے دے۔ آپ نے شکایت کرنے والے کو سچا جانا اور دوسرے کو ظالم قرار دیا۔ پھر اپنے فیصلے پر پشیمان ہوئے تو کیوں؟ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس معاملے میں آزمایا اور پھر داؤد علیہ السلام کو توبہ اور استغفار کرنے والا کہا۔ اس سورہ مائدہ کی 21 سے 25 ویں آیت تک ایک

دوسرا واقعہ جو آگے آئے گا اُسے توڑ مروڑ کر یہودیوں نے توریت میں تبدیلی کی تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کردار کشی کا جواز پیدا کیا جا سکے۔

ان آیات میں دو باتیں غور طلب ہیں ایک آزمائش اور دوسری توبہ، یعنی دو شخص جو فیصلہ کرانے آئے وہ فیصلہ آپ کا امتحان تھا کس طرح؟ اس طرح کہ بظاہر جو نظر آتا تھا وہ سراسر ظلم تھا ایک بھیڑ والے بھائی پر دوسرے بھائی کا جو پہلے ہی ننانوے بھیڑیں رکھتا ہے مگر چاہتا ہے کہ دوسرے سے ایک بھیڑ بھی لے لے تو آپ نے اس کی شکایت کو جائز سمجھ کے عدل سے فیصلہ دے دیا مگر جلد بازی کی اور دوسرے فریق کو یعنی جس کی شکایت کی گئی تھی اس کو نہیں سنا جبکہ عدل کے تقاضوں میں پہلا تقاضہ یہ ہے کہ فیصلہ دینے سے پہلے دونوں فریقوں کو سنا جائے اس بات پر حضرت داؤد علیہ السلام پشیمان ہوئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ داؤدؑ نے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور ہم نے داؤدؑ کی توبہ کو قبول کیا وہ ہمارے یہاں نیک مقام کے حامل ہیں۔

اب یہودیوں نے ایک اور واقعہ کا سہارا لے کر آپ کی کردار کشی کی ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی فوج کے ایک سپاہی کی جنگ میں شہادت واقع ہوگئی جس کا نام اوریا تھا اس کی شہادت کے بعد اس کی بیوی جس کے حسن کے چرچے تھے وہ بیوہ ہوگئی اور اس زمانے میں جن عورتوں کے شوہر مر جاتے تھے یا قتل ہو جاتے تھے وہ پھر کبھی شادی نہ کرتی تھیں اور یہ امر بہت سی سماجی اور اخلاقی برائیوں کو جنم دیتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے اس کام کو جائز قرار دیا تاکہ یہ رسم ختم ہو جائے اور بیوہ عورتیں اس مصیبت سے نجات پائیں۔ لہٰذا اوریا جب جنگ میں مارے گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کی بیوی سے شادی کر لی ان کی یہ بات اس زمانے کے لوگوں کو بہت ناگوار گزری اور حضرت داؤدؑ نے جو کام ایک الٰہی ذمہ داری کے طور پر انجام دیا اس پر نادان دوستوں سے لے کر دانا دشمنوں تک سب نے افسانہ طرازی شروع کر دی کہ دراصل حضرت داؤد علیہ السلام نے (نعوذ باللہ) اس عورت کو پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور اس پر عاشق ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے اس کے شوہر کو جنگ میں دھکیل کر خود ہی قتل کرا دیا تھا اور پھر اس کی

بیوہ سے شادی کو احکام الٰہی قرار دے رہے ہیں۔ اس واقعے کو اس زمانے کے لوگوں نے خصوصا توریت میں تبدیلی کے وقت ایسے شرمناک طریقے سے بیان کیا ہے کہ جو کسی بھی طرح مہذب تحریر کے دائرے میں نہیں آتا اور حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانے میں جب بھی کوئی آپ سے پوچھتا تو آپ فرماتے کہ قرآن نے اس واقعے کی سختی سے تردید کی ہے یہ ایک نبی پر بہتان ہے اور جو بھی اس واقعے کو داستان کی طرح گھڑ کر سنائے گا میں اسے دو حدیں جاری کروں گا ایک ''غیر شرعی امر کے حوالے سے ایک مومن کی کردار کشی'' اور دوسرے ''مقام نبوت کی ہتک و حرمت'' اسی واقعے سے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے کہا سب لوگوں کو راضی نہیں کیا جا سکتا اور نہ سب کی زبانیں بند کی جا سکتی ہیں جب اللہ کا نبی لوگوں کی زبان سے محفوظ نہ رہا ہو تو دوسروں کو ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان:

آیات نمبر 34 سے 40 تک دیکھیے۔

ترجمہ: ہم نے سلیمانؑ سے امتحان لیا اور ایک دھڑ ان کے تخت پر پھینک دیا پھر انہوں نے بارگاہ خدا کی طرف رجوع کیا اور کہا پروردگار مجھے ایسی حکومت بخش دے جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو۔

اب اس واقعے کی طرف آتے ہیں جس کی تفسیر میں مفسرین کا بے حد اختلاف ہے جس کا فائدہ اٹھا کر مشرکین اور کافروں نے اللہ کی بھیجی ہوئی نبوت پر بہتان طرازی کی ہے مگر قرآن کریم ہی وہ معجزہ ہے جس نے ''لوح محفوظ'' سے یہ کہلوا دیا کہ نبوت کی شان اور انفرادیت کیا ہوتی ہے اور کیوں ایک عام آدمی اور نبی برابر نہیں ہو سکتے اور قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس واقعے کو بھی اس کی پوری عبودیت کے ساتھ بیان کر کے صاحبان علم و عقل کے لیے لمحہ فکر پیدا کیا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی متعدد بیویوں کا ذکر کلام مجید کے سوا بہت سی روایتوں اور صحیفوں میں موجود ہے اور مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ "پروردگار مجھے اولاد کثیر عطا فرما جو میرے بعد میرے تخت کی وارث ہو مگر اس دعا کے بعد انشاءاللہ نہیں کہا۔ لہٰذا آپ کو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک ایسی اولاد عطا کی جو تخت کا وارث بننے کے لائق نہ تھی اب آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ "ایک دھڑ ان کے تخت پر پھینک دیا"۔ اگر اس کی گہرائی میں جائیں تو اندازہ ہوگا کہ دھڑ سے مراد صرف جسمانی طور پر مفلوج اولاد نہیں بلکہ ایسی اولاد جو کردار کے لحاظ سے بھی مفلوج ہو اور امور سلطنت کو اس پیرائے میں چلانے کی اہل نہ ہو جس طرح کہ حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ نے چلائی مگر چونکہ حضرت سلیمانؑ نے یہ خواہش کی کہ ان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہو اور آنے والی حکومت انہی کی نسل میں رہے۔ اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فتنہ قرار دیا اور ان کا ولی عہد ایسا نالائق نوجوان بن گیا جس کی عادات و اطوار صاف بتا رہے تھے کہ وہ حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمانؑ کی سلطنت چار دن نہ سنبھال سکے گا' ان کی کرسی پر جسد دھڑ لا کر ڈالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ داؤدؑ و سلیمانؑ کے وارث کو جس کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے وہ نااہل تھا تو انہوں نے اپنی اس خواہش کو ترک کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر درخواست کی کہ بس یہ بادشاہی مجھ پر ہی ختم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے مرتے وقت کسی کے لئے کوئی وصیت نہ کی۔ قرآن یہ واقعہ اس لئے سنا رہا ہے کہ اس سے عبرت پکڑی جائے اور حکومت کو بادشاہت میں تبدیل نہ کیا جائے مگر اس واقعے سے کوئی عبرت نہیں لی گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی دشمن امیر معاویہ نے جانتے بوجھتے اپنے نالائق اور بدکار بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کر کے اسلام کا خاتمہ کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے اس دین کو بچانے کے لئے پہلے ہی رسول ﷺ کے گھرانے کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ اس لئے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس دین کو بچانے کیلئے وہ قربانی پیش کی جس کی نظیر دنیا آج تک پیش نہ کر سکی اور آج چودہ سو برس گزرنے کے باوجود مسلمانوں نے اس حادثے سے کوئی عبرت حاصل

نہیں کی جو تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ:

آیت نمبر 40 سے 44 تک ان کے صبر اور امتحان کا قصہ ہے۔ حضرت ایوب کو خدا نے بڑی دولت دی تھی اولاد سے گھر بھرا ہوا تھا ہر وقت یادِ الٰہی میں بسر کیا کرتے تھے۔ خدا کو ان کا امتحان منظور ہوا کہ آیا یہ تنگدستی اور بیماری میں بھی ہمیں اسی طرح یاد کریں گے یا نہیں۔ چنانچہ ساری دولت اور املاک تباہ ہوگئی' اولاد بھی مرگئی اور خود بھی بیمار ہوگئے مگر صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ آیت 41 میں شیطان کے ستانے اور نقصان پہنچانے کا جو ذکر ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ شیطان ان پر مسلط کر دیا گیا تھا انبیاء پر شیطان کا تسلط ممکن نہیں۔ جن لوگوں نے یہ روایت گڑھی ہے دراصل انہوں نے نبوت کو پہچانا ہی نہیں۔ یہ سب خرافات بھی مفسرین نے تحریف شدہ توریت سے اخذ کر کے لکھ دیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کی بیوی نبی زادی تھیں مصیبت کے اس تمام دور میں آپ کے ساتھ رہیں' شوہر کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان تھیں۔ خود ہی محنت مزدوری کر کے جو کچھ ملتا اس سے دوا اور غذا کا اہتمام کرتیں' ایک دن شیطان نے ایک طبیب کے روپ میں آ کر ان سے کہا کہ میں ایوب علیہ السلام کا علاج حتمی یقین سے کر سکتا ہوں مگر اس کی شرط صرف یہ ہے کہ وہ صحت یاب ہونے کے بعد صرف اتنا کہہ دیں "میں نے تمہاری وجہ سے صحت پائی" حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی خوش خوش اپنے شوہر کے پاس گئیں اور شیطان کا قول بیان کیا آپ کو سن کر بہت غصہ آیا اور جھنجھلاہٹ میں قسم کھائی کہ صحت یاب ہونے کے بعد بیوی کو سو قمچیاں ماروں گا مجھے صحت دینے والا میرا خدا ہے نہ کہ وہ مردود طبیب' ضرور وہ شیطان ہے جو مجھے خدا کی طرف سے بدظن کرنا چاہتا ہے۔ غرض جب آپ صحت یات ہوگئے تو آپ نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا تو وحی ہوئی "آیت نمبر 44 ترجمہ: کہ اے ایوب تمہاری بیوی بے قصور ہے اس نے تمام برے وقت اور تنگدستی میں تمہارا ساتھ دیا اور اس نے تمہاری ہمدردی میں ایسا کیا' تم اب اپنی قسم

کو ایسے پورا کرو کہ سو سینکوں (جو وزن میں پھول کے برابر ہوں کا ایک ہی مٹھا بنا کر ان کو مار دو تا کہ تمہاری قسم پوری ہو جائے اور انہیں تکلیف بھی نہ ہو۔ یہ واقعہ قرآنِ کریم میں یاد رکھنے اور مسلمانوں کو سنانے کے لئے بتایا گیا کہ وہ صرف دولت و شان و شوکت کے دنوں میں ہی نہیں بلکہ تنگدستی میں بھی صبر و شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا (سورۃ لقمٰن ۳۱:۱۸)

لوگوں سے اپنی تعریف سُننے کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے پھر اسے نہ اپنے عیب نظر آتے ہیں نہ دوسروں سے اپنے عیوب سُننا پسند کرتا ہے

(حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۳۹ آیات: ۷۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ الزمر

گروہوں کے ذکر کی سورہ

تعارف : ''زُمر'' زمرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ''گروہ'' چونکہ اس سورہ میں اہلِ جنت اور اہلِ جہنم دونوں کے لئے کہا گیا ہے کہ بصورت ''زُمر'' یعنی گروہ در گروہ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف جائیں گے اسی لئے اس سورہ کا نام ''زُمر'' ہوا۔

اس سورہ کے خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) مشرکین کی اپنی بت پرستی کے لئے مختلف توجیہ۔

(2) انسانوں کی تین تاریکیوں کے اندر درجہ بدرجہ تخلیق۔

(3) عالم اور جاہل برابر نہیں۔

(4) صبر کرنے والوں کے لئے اجر بے حساب۔

(5) رسول سے خطاب کہ آپ کو بھی سب کی طرح موت سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔

(6) وفات بصورت موت اور بصورت خواب۔

(7) گناہ گاروں کو ناامید نہ ہونا چاہئے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کے پہلے حصے میں لوگوں کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اے رسولؐ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن محمدؐ نے خود بنا لیا ہے ان سے کہہ دو کہ یہ تمہاری بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے اے رسول ﷺ تم سچے ہو دل سے اس کی عبادت کرتے رہو جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت باطل ہے عبادت صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ جس کو بھی اس

میں شریک کیا جائے گا وہ خدا کی مخلوق ہی ہوگی اور بھلا خالق ومخلوق برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ لوگ جب اس دلیل سے تنگ آجاتے تھے تو کہتے تھے کہ نہیں خالق تو ہم خدا ہی کو مانتے ہیں بتوں کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ جانتے ہیں چونکہ خدا کی ذات بہت اعلیٰ وارفع ہے ہم اس تک نہیں پہنچ سکتے لہٰذا ہم نے ان بتوں کو اس تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے بنایا ہے اور اسی لئے ان کی عبادت کرتے ہیں لیکن کیا وہ لوگ قرب کا ذریعہ بن سکتے ہیں جو بے جان ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سوچ سکتے ہیں۔ پھر وہ لوگ جو عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ بھی سراسر باطل پرست ہیں خدا ایسے تعلقات سے بے نیاز ہے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں وہ سب سے زیادہ زبردست ہے کسی کی اس پر حکومت نہیں۔

اب دوسرے حصے میں کہا جارہا ہے کہ ذرا اس قادر مطلق کی قدرت پر غور کرو کہ اس نے تمہیں کیسے تخلیق کیا اور تمہاری خلقت نے کیا کیا رنگ بدلے اور پھر جب تخلیق ہو گئے تو تمہارے لئے کیسی کیسی نعمتیں تخلیق کیں اب اگر تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرو گے تو آخر اس کا کیا بگاڑ لو گے اس کی ذات تو ہر شے سے بے نیاز ہے۔

پھر انسان کو اس کی ہر عادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

آیت نمبر 21 سے 23 تک اسی کتاب قرآن مجید کی حقانیت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جو شخص اسلام لاتا ہے خدا اس کے سینے کو اعمال خیر بجالانے کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور اسے اپنی ہدایت کی روشنی میں چلاتا ہے اور برخلاف اس کے جو ہٹ دھرمی سے کفر پر جمے رہتے ہیں انکے دل سیاہ اور سخت کر دیئے جاتے ہیں ان میں ذکر الٰہی کی گنجائش نہیں رہتی' قرآن خدا کی کتاب ہے اس کے منجانب اللہ ہونے کیلئے سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ 23 سال تک مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے لیکن کہیں کوئی اختلافی صورت نہیں پائی جاتی یا کوئی آیت ایک دوسرے سے متضاد نہیں۔ حالانکہ دوسرا کوئی اگر اتنی ذراسی مدت میں تھوڑا تھوڑا لکھتا تو ایک جگہ جو لکھتا دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتا' تحریر کا رنگ بدل جاتا اور تحریر میں تبدیلی پیدا ہو جاتی مگر

یہاں اول سے آخر تک ایک ہی رنگ ہے اور یہ دعویٰ ہے کہ کم سے کم ایک سورہ تو ایسی بنا لاؤ اس سے معلوم ہوا کہ شروع سے آخر تک 23 سال کے اندر ایک ہی اعجازی شان ہے۔ ایک مضمون کئی بار بیان ہوا ہے لیکن اپنے موقع محل کے لحاظ سے کہیں بے جوڑ نہیں کہیں بے ربط نہیں۔ اس لئے عالم اور جاہل برابر نہیں جو اسے سمجھ لے وہ عالم ہے۔

آیت نمبر 24 میں ایک بہت سچے کی بات کہی گئی ہے کہ ''تو کیا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے دن عذاب کی ڈھال بنائے گا اس سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے اب اس عذاب کا مزہ چکھو'' مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جب مار پڑتی ہے تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے منہ کو بچائے رکھتا ہے اور اعضاء کو پٹنے دیتا ہے لیکن دوزخ میں یہ نہ ہو سکے گا دنیا میں اس نے اپنے منہ کی خوبصورتی سے جتنے گناہ کئے ہیں اور خوبصورت چہرے کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے اسے اپنے لئے تکبر کا ذریعہ بنایا اور معمولی صورت والوں کو حقیر سمجھا اور اس صورت کا سہارا لے کر (یہ خصوصاً خواتین کے لئے ہے جو اپنی صورت کا فائدہ اٹھا کر ظلم کی مرتکب ہوتی ہیں) دنیا میں بدر جہا گناہ کئے اور دوزخ میں جو بھی ضرب پڑے گی منہ پر پڑے گی۔ پھر آیت 30 میں بتایا جا رہا ہے کہ ''انک میت و انھم میتون'' یعنی خدا کے سوا سب کو موت کا سامنا کرنا ہے خواہ کوئی نبی ہو یا رسول؛ جب سب کو مر کر خدا کے سامنے جواب دہ ہونا ہے تو ہر ایک کے سامنے اس کا انجام آ جائے گا۔

اب آیت 23 سے 34 تک ان دو گروہوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں جن کی بنیاد پر اس سورہ کا نام ''زمر'' یعنی گروہ دو طرح کے ہوں گے اور وہ اپنے اعمال کی بنا پر گروہ در گروہ جنت اور جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے یعنی آیت 23 اور 34 میں پہلے ان گروہوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں پھر آیت 41 اور 43 تک ان کے انجام کی بات کی جا رہی ہے۔

اب پہلے صفات دیکھئے: گروہوں کو دو صفات میں تقسیم کیا گیا ہے'' مکذبین'' اور'' مصدقین'' پہلا گروہ دو صفات کا حامل ہے' فمن اظلم ممن کذب علی اللہ و کذب '' یعنی وہ

کتنا ظالم ہے جو خدا پر جھوٹے بہتان باندھے اور جب کوئی سچی بات لے کر اس کے پاس آئے تو اس کو جھٹلائے'' یعنی رسالت کی تکذیب کرے اور خدا پر جھوٹ باندھنے کا مطلب ہے کہ کبھی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہیں اور کبھی عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہیں اور کبھی بتوں کو اس کے قرب کا ذریعہ کہیں اور قرآن مجید اور رسالت کو جھوٹا کہیں۔

اب دوسرے گروہ کی صفات بتائی جا رہی ہیں کہ ''وَالذی جاء بالصدق و صدق.....'' یعنی وہ شخص (رسولؐ) جو سچی بات حق بات لے کر آئے اور وہ شخص جو اس سچی اور حق بات کی تصدیق کرے وہی تو واقعی پرہیزگار ہے۔

پہلا صدیق کون تھا:

اب اس حوالے سے تمام مکتبہ فکر وفقہہ اسلام نے ''الذی جاء بالصدق'' سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ اور ''صدق بہ'' سے مراد حضرت علی علیہ السلام لیا ہے اس لئے کہ آپؐ کی رسالت کی تصدیق سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے اور قرآن کریم کو حق کا پیغام کہا ہے۔

اس طرح تمام انبیائے کرام کے پیغام کے حوالے سے صدیق تین افراد ہیں مومن آل فرعون جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی' حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی۔

یہ آیت ہی دراصل اس سورۂ زمر کا مرکزی نکتہ ہے جس میں دو گروہوں کی صفات کے حوالے سے پہچان کروائی گئی ہے اور پھر ان کا انجام کہ کون سا گروہ جنت میں جائے گا وہ جو اہل ایمان اور تصدیق کرنے والے ہیں اور پہلا گروہ جو تکذیب کرتا رہا اور جھٹلاتا رہا اللہ کے کلام کو' اللہ کی بھیجی ہوئی رسالت کو یا جب کوئی چارہ نہ رہا تو اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور وہ منافقین جنہوں نے اسلام کو پھیلتے اور قائم ہوتے دیکھ کر اللہ کی کتاب کو لوح محفوظ کے بجائے اقتدار کے بھوکے

لوگوں کے ذریعے لکھوائی گئی تفسیروں کے حوالے سے نافذ کرنے کی کوشش کی یہ گروہ ہر صورت جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

آخر میں انسان کے نفس کو اس وقت عقل و تمیز سے عاری کہا گیا ہے جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے تمام حواس معطل ہو جاتے ہیں اور وہ مردوں کی مانند ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ''سویا مرا برابر'' تو جن کو ابھی مرنا نہیں ہے ان کے نفس کو واپس بھیج دیا جاتا ہے اور نیند کے بعد وہ جاگ اٹھتے ہیں اور جن کو مرنا ہے ان کی روح اور نفس کو واپس نہیں بھیجا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے کوئی انسان نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کا وقت کب پورا ہو جائے گا ایک شخص بولتا چالتا دنیا سے اٹھا لیا جاتا ہے نہ تو کوئی موت کا وقت جانتا ہے اور نہ کوئی آنے والی موت کو روک سکتا ہے تو کیا یہ قدرت کی نشانیوں میں سے نہیں۔

سب سے آخری حصے میں روز قیامت میں اعمال کا فیصلہ کیسے ہوگا اس کی خبر دی گئی ہے کہ ہر شخص کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں ڈالا جائے گا اور ہر ایک کے عمل کے متعلق گواہ طلب کیے جائیں گے ان میں فرشتے بھی ہوں گے انبیاء بھی ہوں گے اور بتائیں گے کہ ان کی امت کے کن لوگوں نے انہیں جھٹلایا اسی لئے انسان کو اپنی زندگی میں ہر قدم پوری احتیاط سے اٹھانا چاہیے۔

کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و اولاد سے مدد دیئے
جا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟
نہیں، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے۔

اے اللہ میرے مال اور اولاد
کو برباد ہونے سے بچا۔

سورۂ نمبر ۴۰

آیات: ۸۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ المومن

(ایک خاص) مومن کی سورہ

تعارف: چونکہ اس سورہ میں ''مومن آلِ فرعون'' کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے اس لئے اس سورہ کا نام یہ ہوا اس کے علاوہ اس سورہ میں یہ خاص مضامین ہیں۔

(1) حاملانِ عرش کا ذکر اور ان کے اہلِ ایمان کے لئے استغفار۔

(2) دو دفعہ کی موت اور دو دفعہ کی زندگی۔

(3) فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بے دینی اور فساد پھیلانے کا الزام۔

(4) جناب یوسف علیہ السلام کے بعد لوگوں کا غلط تصور کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(5) کوئی پیغمبر کوئی بھی معجزہ بغیر حکم الٰہی نہیں دیکھا سکتا۔

(6) دعا کا حکم اس کی تردید کرنے والوں کو شدید ہدایت۔

(7) خالق کی سنت قدیم کہ ''عذاب آنے کے بعد ایمان لانا بے سود ہوتا ہے۔

سورۂ مومن ''حوامیم'' میں سب سے پہلی سورہ ہے (حوامیم دراصل قرآن کی ان سات سورتوں کا مجموعہ کا نام ہے جو ''حٰمٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔

اس سورہ کا آغاز بھی حروف مقطعات سے ہوتا ہے اور یہاں پر کچھ نئے حرف دکھائی دیتے ہیں جو ہیں حا اور میم اور یہ دو حروف کی تفسیر خدا کے دو ناموں حمید اور مجید سے سے تعبیر کی گئی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کی خصوصیات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی داستان کا وہ حصہ بیان ہوا ہے جو مومن آل فرعون سے متعلق ہے اور یہ ماجرا صرف اسی سورہ

میں تفصیل سے ہے جو قرآن کی کسی اور سورہ میں نہیں اور پچھلی سورہ سورہ یٰسین میں جس طرح ایک مومن کا بیسویں آیت میں ذکر ہوا ہے جس نے تن تنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور شہید کر دیا گیا مگر اس کی شہادت کا اجر اللہ تعالیٰ اسے اپنی سب سے مکمل اور آخری کتاب میں دے رہا ہے کہ اُسے مومن کا ماڈل بنا کر پیش کر رہا ہے اسی طرح ایک ایسے مومن کا اب ذکر ہے جس نے اپنی عقل کا صحیح استعمال کرتے ہوئے ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان بھی بچائی ان کی نبوت کی تصدیق بھی کرا دی اور ان کی تبلیغ کے لئے راستہ ہموار کرتا رہا یہ مومن فرعون کے دربار کا ایک با تدبیر شخص اور مشیر کہلاتا تھا جس کا شمار فرعون کے بااثر افراد میں ہوتا تھا وہ اندرونی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دین کے لئے فرعون کے دربار میں ایک قابل اعتماد مورچے کے طور پر ڈٹا رہا اور اس شخص کو اس کی اکیلی حیثیت میں ''مومن آل فرعون'' کا لقب اس سورہ میں دے کر رسول کو شہادت دی جا رہی ہے اس اکیلے مومن بنو ہاشم کی جو قبیلہ قریش اور دوسرے بڑے بڑے قبیلوں کے سرداروں کے سامنے بظاہر اسلام نہ لانے والے بنے رہے اور آخر تک رسول کو قریش کے سرداروں، مشرکین اور منافقین کے ارادوں اور منصوبوں سے آگاہ کرتے رہے یہ مومن خاندان بنو ہاشم اور قبیلہ قریش سے ہیں یعنی حضرت ابو طالبؑ جو آپؐ کے چچا تھے۔

مومن آل فرعون کون تھے؟

مومن آل فرعون صرف ایک شخص ہیں جن کا نام مفسرین کی اکثریت نے حزقیل لکھا ہے اور اس سورہ کا ایک چوتھائی حصہ ان کے تذکرے پر مشتمل ہے اس لئے اس سورہ کا نام ''سورۃ المومن'' ہے۔

جناب حزقیل کا رشتہ فرعون سے مفسرین کی اکثریت نے یہ بتایا ہے کہ وہ فرعون کے بھانجے یا بھتیجے تھے۔ یعنی خاندان فرعون سے تھے۔ لہٰذا جن لوگوں نے آل محمدؐ کا ترجمہ یا مراد قوم لی ہے وہ

سخت گمراہی میں ہیں۔ قرآن پاک میں کہیں بھی آل کا لفظ قوم کے معنی میں نہیں آیا بلکہ ہر جگہ خاندان کے خاص لوگ مراد ہیں بلکہ زیادہ صحیح لفظ اہلِ بیعت ہیں یعنی خاندان کے وہ افراد جنہوں نے رسول ﷺ کی بیعت کی اور اس طرح کہ رسول ﷺ نے انہیں اقربا کا درجہ دیا اور اپنے علم کا وارث قرار دیا اگر آلِ محمد سے مراد قوم محمدؐ ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دُرود میں اُمتِ محمد کا ہر آدمی شریک ہوگا خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا ظالم و منافق اس کے بعد درود کی کیا اہمیت باقی رہ جائے گی۔ سورہ آلِ عمران کی تیسری آیت کہتی ہے "ان اللہ اصطفے و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران" اب اگر اس میں تمام قوم مراد ہو تو پھر انتخاب کا لفظ غلط ہو جائے گا اسی طرح سورہ النساء کی چوتھی آیت دیکھیں"..... آیتنا آل ابراھیم الکتب الحکمتہ "اب اگر اس میں تمام قوم ابراہیم مراد ہو تو گویا مومن و کافر سب ہی کو خدا نے کتاب و حکمت عطا فرمائی تھی۔ لہٰذا آل فرعون سے مراد اس خاندان کا ایک شخص مراد ہے نہ کہ پوری قوم۔

جناب حزقیل:

اس مومن برحق کی اس سورہ میں اللہ نے خاص طور پر یہ صفت بیان کی ہے آیت 28 جو پوری ان کی صفات کے بارے میں ہے "یتم ایمانہ" یعنی وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یعنی اس نے تقیہ کیا ہوا تھا بظاہر فرعون پر ایمان لائے ہوئے تھا مگر باطن میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا چنانچہ جب لوگوں نے چغلی کھائی اور فرعون سے کہا کہ حزقیل موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور تیری خدائی کے منکر ہیں تو اس نے حزقیل کو بلا کر پوچھا کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے انہوں نے ارادہ تقیہ کیا اور کہا "لوگوں میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ جو تمہارا خالق اور رب ہے وہی میرا ہے فرعون اس جواب سے خوش ہوا اور چغلی کھانے والوں کو سزا دی۔" حزقیل کا مطلب یہ تھا کہ جو تمہارا خالق و رب حقیقی (خدا) ہے وہی میرا بھی ہے اس کا اقرار موسیٰ علیہ کے خدا کی طرف تھا فرعون سمجھا کہ وہ میری خالقیت اور ربوبیت کا اقرار کر رہا ہے۔ اسی آیت کے

اگلے حصے میں ''حضرت جبرائیل اپنی قوم کو نصیحت کر رہے ہیں جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوئے ہیں بلکہ عام بات کہہ رہے ہیں وہ اپنی بات لفظ ''اگر'' سے شروع کرتے ہیں کہ اگر یہ شخص یعنی موسیٰ علیہ السلام اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا تو اس کا عذاب ان پر پڑے گا اور اگر سچے ہوئے اور جس عذاب کے نال ہونے کا وعدہ کر رہے ہیں وہ نازل ہو کر رہے گا تب کیا ہوگا پھر کون ہمیں بچائے گا؟ اور آخری آیت 29 سے پتہ چلتا ہے کہ جب لوگوں نے فرعون کے سامنے حزقیل کی شکایت کی ہوگی تب انہوں نے یہ اقرار کیا ہوگا کہ ''جو کچھ تم سے کہتا ہوں تمہاری بھلائی کے لئے کہتا ہوں یعنی خدا کو رب ماننے میں تمہارا بھلا ہے۔''

جناب حزقیل کی فرعون کے دربار میں جو حیثیت ہے وہ واضح ہو جاتے سے ان سے دربار کی جلن اور حسد کا بھی اندازہ ہوتا ہے بعض روایتوں کے مطابق وہ فرعون کے صرف رشتے دار ہی نہیں بلکہ سب سے اہم شعبہ حکومت یعنی خزانے کے معتمد بھی تھے اسی لئے فرعون کے سب سے راز دار اور با اعتماد مشیر بھی سمجھے جاتے تھے اور ہر مفسر نے اس کی تصدیق کی ہے کہ فرعون کے زمانے میں صرف تین افراد حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے یعنی خود فرعون کی بیوی جناب آسیہؑ جنہوں نے آپ کی پرورش بھی کی تھی مگر ایمان چھپائے رہیں مگر جب بیوی کا ایمان فرعون پر ظاہر ہوا تو اس نے وہی کیا جو وہ ہر اس شخص کے ساتھ کرتا تھا جو اس کو خدا ماننے سے انکار کرتے تھے۔ اسے ''فرعون ذوالاتاد'' کہا جاتا ہے یعنی ''ذوالاوتاد میخیں ٹھکوانے والا'' لوہے کی کیلیں جسم میں ٹھکوا دیتا تھا یہی اس نے حضرت آسیہؑ کے ساتھ کیا اور انہیں زمین پر لٹا کر چاروں طرف سے میخیں ٹھکوا کر ہلاک کر ڈالا۔ دوسرا ایک شخص روایتوں میں نظر آتا ہے جس کا ذکر سورہ قصص کی 20 ویں آیت میں موجود ہے کہ جب فرعون نے درباریوں کے مشورے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنالیا تو جناب حزقیل نے اسے کہا کہ تو موسیٰ علیہ السلام کے دین کی کیا خدمت انجام دے سکتا ہے اس نے کہا جان کا نذرانہ تک پیش کر سکتا ہوں۔ اپ اسے دوڑاتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خبر دو کہ وہ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ وہ یہ پیغام آپ تک پہنچاتے ہیں

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل جاتے ہیں مگر کچھ روایتوں کے مطابق انہیں واپسی پر قتل کر دیا جاتا ہے یعنی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو بچانے میں کامیاب ہو گئے مگر اپنی جان کی قربانی دے کر اور تیسرے مومن خود حضرت حزقیل ہیں۔ اب دیکھئے آیت 30 سے 40 تک جناب حزقیل کا چھپا ہوا ایمان اور ذہانت اس مومن آل فرعون نے اپنی قوم سے کہا ''دیکھو قوم نوح و عاد و ثمود کے قصوں کو تو ایک طرف رکھو جب حضرت یوسف علیہ السلام زندہ تھے تو تم ان کی نبوت کے قائل نہ رہے اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی تم ان کو دنیا کا معمولی بادشاہ سمجھتے رہے مگر جب وہ چل بسے اور جو انتظامات وہ کر گئے تھے اس کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت میں بدنظمیاں پھیل گئیں تو تمہیں یوسفؑ کی قدر ہوئی اور سمجھے کہ واقعی وہ نبی تھے اور کہنے لگے اب ان جیسا کوئی نہ ہو گا مگر اللہ دنیا کی ہدایت سے مایوس نہیں ہوا اور نبی بھیجتا رہا'' اب اہل مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ اب یہ آخری نبی ہے تم ہوش کی دوا کرو اور جس رسول کو ہم نے آخری رسول بنا کر بھیجا ہے اس کی قدر کرو تم اہل مصر کی طرح نہ بنو۔ پھر آیت 37 میں فرعون کی بدعقلی اور ظلم کو دوبارہ دہرایا جا رہا ہے (ظالم احمق بھی ہوتا ہے بالکل عقل سے پیدل) کہ آسمان کو چھت سمجھا اور کہنے لگا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا جانتا ہوں ایک بہت اونچا محل بنواؤ اس کی چھت پر چڑھ کر میں آسمانی راستوں کے ذریعے موسیٰ کے خدا تک پہنچ جاؤں گا مگر فرعون کے چھت پر چڑھنے سے پہلے ہی وہ مینار گر کر زمین پر آ گیا۔ تو اب اندازہ لگائیں کہ تمام قوم فرعون میں صرف ایک شخص مومن تھا اس کو ایسے معاشرے میں رہ کر کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہو گا مگر وہ سب کچھ جھیل گیا اور جو حق بات قوم کے حق میں مفید ہو سکتی تھیں اس کے کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہ کی مگر ایسے انداز ظرافت اور طریقہ بیان کو اختیار کیا کہ فرعون کو ذرا نہ پتہ چلا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا ہے۔

اب اگر ہم اس سورہ کی تفسیر کا خلاصہ تحریر کرتے وقت اس راز کا انکشاف کر دیں تو بہت برمحل وموقع ہے کہ آج کے دور کی انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنی ریاستوں کی نظریاتی سرحدوں اور دوسرے معاملات میں حفاظت کے لئے جو حکمت عملی اختیار کرتی ہیں وہ حکمت عملی ہمیں اس ''مومن آل

فرعون" سے لے کر مومن بنو ہاشم تک اس طرح نظر آتی ہے کہ یہودی اس مومن کی حکمت عملی کو اپنی جہالت منافقت اور رسول دشمنی میں تباہ کرنے میں پیش پیش رہے اور یہاں تک کہ اس مومن بنو ہاشم کو جو محسن اسلام محسن رسالت ہے منافق انہیں (نعوذ باللہ) کافر تک کہنے سے باز نہیں آئے جس کا نقصان خود اُمت مسلمہ کو اس حد تک پہنچا کہ وہ متعدد فرقوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مفسرین قرآن پر جنہوں نے درباروں میں بیٹھ کر قرآن کی تفسیر بادشاہوں کی مرضی کے مطابق لکھی جو تاریخ اسلام کا روپ اختیار کر گئی اور دنیا کی کسی بھی قوم کی مذہبی تاریخ شاید ہی اتنی متنازعہ ہو جتنی تاریخ اسلام ہے۔

اس سورہ مومن میں مکہ کے مسلمانوں کے لئے ایک باقاعدہ تربیتی درس تھا جو آنحضرت ﷺ پر ایمان رکھنے کے باوجود آپ کے زبردست جانی دشمنوں سے بھی دوستانہ مراسم استوار کئے ہوئے تھے تاکہ مشکل کے وقت آپ کے لئے محفوظ مورچہ ثابت ہو سکیں۔ گویا مومن آل فرعون جناب حزقیل اور مومن بنو ہاشم حضرت ابو طالبؑ کو اگر اپنے اپنے زمانوں کا چیف آف انٹیلیجنس بیورو کہا جائے تو سب سے زیادہ مناسب تعریف ہو سکے گی۔ یہ انٹیلیجنس نیٹ ورک جو روحانی تھا یعنی وہ ذہانت اور تدبر جو اللہ کا دیا ہوا تھا اور ان دونوں مومنوں نے اسے اللہ کے راستے میں استعمال کیا اور رسالت خدا اور دین خدا کی حفاظت میں اپنی ذہانت استعمال کی کہ یہی اس کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکرانہ ہے۔

اس ضمن میں دوسرے انبیاء اعظام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا جا سکتا ہے باوجود کہ آپ ایک بہادر شجاع اور نڈر انسان تھے لیکن بتوں کے توڑنے کے موقع پر آپ نے تقیہ کے طریقہ کار سے کام لیا اور اپنے منصوبے کو بت پرستوں سے مخفی رکھا اگر آپ ایسا نہ کرتے تو اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

صدیقین کون ہیں؟

تمام انبیاء کی تاریخ میں اللہ کے دین کو ذہانت اور عقل سے بچانے والے ہمیں تین نظر آتے

ہیں جن کی آنحضرتؐ کی کئی حدیثوں سے تصدیق ہوتی ہے اور قرآن میں پہلے دو کا ذکر کر کے رسولؐ کو تیسرے کی بشارت دے کر تسلی دی جارہی ہے کہ اے اللہ کے رسول تم کبھی پریشان نہ ہونا اس دین کو پھیلانے کے راستے میں جو بھی مصائب آئیں گے ان سے بظاہر نمٹنے کے لئے ہم تمہیں علیؑ جیسا مضبوط اور تقیہ کئے ہوئے ان کے والد حضرت ابو طالبؑ کی صورت میں ایک ذہین و باتدبیر انسان دیئے ہوئے ہیں۔

تقیہ کیا ہے؟

اس کے لفظی معنی تو مقابلے کا موثر ذریعہ یا عقیدہ باطنی کو چھپانا ہے جیسے آج کی موڈرن اکیڈمکس میں Defence Strategy کہا جاتا ہے بلکہ اس موضوع کو باقاعدہ Subject کے طور پر پڑھایا جاتا ہے صرف ہمارے ملک یا اسلامی ممالک ہی میں نہیں بلکہ تمام ترقی یافتہ اقوام کی فوجی تعلیم اس Subject سے منسلک ہے بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ بزدلی یا مطلب براری کا نام ہے تو یہ سراسر جہالت ہے اور حقائق سے منہ چھپانے کے مترادف ہے بزدلی اور حکمت میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ ان کی یہ سوچ مکمل طور پر بے بنیاد اور ہر قسم کی منطق سے دور ہے کیونکہ کسی استثناء کے بغیر تمام مذاہب اور مکاتب فکر میں یہ حکمتِ عملی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ دشمن کے رازوں کا پتہ لگانا ایسے سائنٹفک طریقہ کار کے بغیر ناممکن ہے جس میں تقیہ نہ اختیار کیا جائے۔ دشمن کو غافل کر کے اس کے منصوبوں پر پانی پھیرنا اور اس کے ارادوں پر کاری ضرب لگانا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اپنے منصوبوں کو نہ چھپایا جائے۔ بھلا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان کا اپنا کوئی نہ کوئی دشمن کے گروہ میں موجود ہوتا کہ اس کی چالوں اور منصوبوں کی اچھی طرح معلومات حاصل کر کے ان سے پوری طرح باخبر ہو کر اور بوقتِ ضرورت دوستوں کو اس سے مطلع کرے بلکہ اگر ضرورت پڑ جائے تو دشمن کی سوچ اور فکر تک رسائی حاصل کر کے اس کے منصوبوں اور چالوں کو ناکام بنادے۔

اگر مومن آل فرعون جناب حزقیل ''تقیہ'' کی ٹیکنیک نہ استعمال کرتے اس سے استفادہ نہ کرتے تو کیا وہ اس قدر عظیم خدمات انجام دے سکتے تھے؟

اس سورہ کا دوسرا اہم موضوع آیت نمبر 56 سے 58 تک ہے کہ ''نابینا اور آنکھوں والے برابر نہیں ہوسکتے'' اب اکثر مفسرین نے اسے جوں کا توں ترجمہ کردیا کہ آنکھوں والا اور وہ جو اندھا ہے برابر نہیں ہوسکتے چونکہ ایک کو نظر آتا ہے اور دوسرے کو نظر نہیں آتا لیکن وہ پوری آیت پر غور نہیں کرتے کہ آگے کیا لکھا ہے۔ ''اسی طرح وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے بدعملوں کے برابر نہیں ہیں لیکن تم بہت کم متوجہ ہوتے ہو۔''

مولانا ابوالاعلی مودودی نے اس کی بڑی اچھی تفسیر بیان کی ہے کہ ''آخر کوئی معقول آدمی اس بات کو کیسے درست مان سکتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اندھوں کی طرح جیتے ہیں اور اپنے اخلاق و اعمال سے خدا کی زمین کو فساد سے بھردیتے ہیں وہ اپنی اس غلط روش کا کوئی برا انجام نہ دیکھیں گے اور اسی طرح وہ لوگ بھی جو دنیا میں آنکھیں کھول کر چلتے ہیں اور ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں وہ اپنی اچھی کارکردگی کا کوئی اچھا نتیجہ دیکھنے سے محروم رہ جائیں۔''

اس سورہ کا آخری اہم موضوع آیت نمبر 60 سے 85 تک ''دعا کی اہمیت'' اور عذاب کے بعد ایمان لانے کو بے سود اور فضول بتانے سے متعلق ہے اور سورۃ مومن کا نچوڑ یہ آیتیں ہیں۔ تفسیر آیت 60 سے 63 تک۔ ''مجھے پکارو تاکہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں'' اور وہ جو متکبر ہیں مغرور ہیں اور میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل کردیے جائیں گے'' اب پروردگار دو طرح کے لوگوں کا ذکر کررہا ہے ایک وہ جو مغرور ہیں اور مجھ سے مانگنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ ان آیات میں پروردگار نے اپنے لطف و کرم کے ساتھ توبہ کرنے والوں کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولنے کی نوید دی ہے اور ساتھ ساتھ ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ دعائیں نہیں کرتے وہ میری عبادت سے انکار کرتے ہیں اور وہ بہت جلد ذلت و خواری کے ساتھ جہنم میں داخل ہونگے' دعا کی اہمیت کے حوالے سے متفقہ احادیث موجود ہیں جو ہمارے رسول ﷺ

اور آئمہ طاہرین سے روایت ہیں۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا ''الدعا ھو العبادۃ'' دعا عبادت ہی تو ہے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک صحابی نے سوال کیا کہ ایک مسجد میں دو آدمی داخل ہوں ایک بہت زیادہ نمازیں بجالائے اور دوسرا بہت زیادہ دعائیں کرے تو ان دونوں میں افضل کون ہے؟ آپ نے کہا دونوں اچھے ہیں صحابی نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ دونوں اچھے ہیں مگر افضل کون ہے؟ آپ نے کہا جو شخص زیادہ دعا مانگتا ہے وہی افضل ہے۔ کیا تم نے خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ''ادعونی استجب لکم ھی العبادۃ الکبریٰ'' دعا بہت بڑی عبادت ہے۔ آنحضورؐ نے تو دعا مانگنے اور خدا سے سوال کرنے کو قرآت قرآن سے بھی افضل قرار دیا ہے۔

عذاب کے موقع پر ایمان لانا بے سود ہے۔ آیت نمبر 82 سے 85 تک آخری آیات۔ یہ آیات جو سورہ مومن کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں وہ اس نکتے کو اجاگر کرتی ہیں کہ عذاب کے وقت تائب ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اس کا پس منظر یہ ہے کہ جس زمانے میں یونانیوں کا فلسفہ وحکمت منطق و اخلاقی برتری کی دھوم مچی ہوئی تھی تو وہ انبیاء ومرسلین کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جب ان سے کہا گیا کہ تم ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے تو انہوں نے کہا کہ ہم کو ان کے علم کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح آنحضرتﷺ کے زمانے میں یہودیوں کے علماء نے جب اپنی علمی قابلیت کی دھوم مچار کھی تھی تو وہ کہتے تھے کہ ہم ایک مرد امی کو اپنے اوپر کیسے ترجیح دے سکتے ہیں؟ اس غرور وتکبر کی کئی وجوہات ہوتی ہیں کبھی تو یہ مال و دولت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کبھی افرادی قوت اور فوجی ہتھیار یا دفاعی قوت کی وجہ سے اور کبھی تھوڑی سی معلومات کو علم کا وافر ذخیرہ تصور کرنے والی مضحکہ خیز سوچ کے باعث اور اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہماری اس بیسویں اور اکیسویں صدی میں ترقی یافتہ اقوام کی معاشی اور سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی ہے جس کی بنیاد پر خصوصاً مغربی معاشرے مذہبی علم کو ایک سطحی اور فرسودہ علم سمجھنے لگے ان کی لیبارٹریوں اور یونیورسٹیوں میں خدا کو انہوں نے موجود نہیں پایا اس لئے اس سے منکر ہو گئے انہوں نے بشری

زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کر دیا۔ افسانوی دور، مذہبی دور، فلسفی دور اور سائنسی یعنی موجودہ دور۔

فلسفی اور سائنسی دور کے دانشوروں کو مذہب سے دور کرنے میں بڑا کردار کلیسا چرچ کی خرافات نے کیا گو اس کے لئے اصلاح کلیسا کی تحریک جسے Church reforms movement بھی کہا جاتا ہے وہ چلی مگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا اسی طرح مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے دور کرنے میں منافق اور درباروں کے ہاتھوں بکے ہوئے مفسرین قرآن نے اللہ کے پیغام کو اتنا الجھا ہوا بنا کر پیش کیا کہ مومن اور منافق دو گروہوں میں بٹ گئے منافقوں کی تعداد کثیر ہونے کی وجہ سے ہر دور میں مومنوں کو راستے سے ہٹانے کا سلسلہ جاری رہا جس کے سبب مغرب خصوصاً یہودی اور عیسائیوں کو موقع ملا کہ وہ انبیاء کی تعلیمات کو ہمیشہ کے لئے انسانی زندگی کے پروگرام سے خارج کر دیں۔

مگر یہ مستی اور غرور ناپائیدار ثابت ہوئے۔ ایک طرف تو پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں نے ثابت کر دیا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کو پچھلے ادوار کے مقابلے میں کہیں زیادہ تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔

دوسری طرف مختلف قسم کی اجتماعی اور اخلاقی بے راہ روی' بے اندازہ قتل و غارت نفسیاتی اور جنسی مسائل نے ثابت کر دیا کہ انسانی علوم کتنی بھی ترقی کر جائیں تنہا وہ ان مشکلات کا حل پیش نہیں کر سکتے۔ سائنسی علوم میں بہت سے مسائل پیدا ہو چکے ہیں جن کو حل کرنا انسان کے بس کی بات نہ رہی۔ اس لئے اب انبیاء کی تعلیمات جہاں امید کی واحد کرن ہیں وہاں اسلام اپنی اس جامع تعلیمات کے ساتھ موجود ہے جو مکمل ضابطہ حیات ہے بشرطیکہ اسے اس طرح سمجھا جائے جس طرح سمجھانے کی رسولؐ نے اپنی زندگی میں کوشش کی اور اپنے بعد اسے اپنے وارث علم یعنی امام مبین لوح محفوظ میں عملی شکل میں دیا۔ ہمیں امید کرنی چاہئے کہ وہ وارث قرآن ہیں اس وقت سے پناہ مانگیں جب عذاب الٰہی ایک بار پھر اس دنیا کے لوگوں پر نازل ہو۔ پروردگار ہمیں غرور' تکبر' ضد' ہٹ دھرمی اور خود پسندی سے اپنی امان میں رکھے کہ یہی چیزیں انسان کی ہلاکت' بدبختی اور شرمساری کا سبب

ہیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ" خداوند! ساری دنیا کو اس انسانیت کا سبق پھر یاد دلا جس کی بقا کے لئے نواسہ رسول امام حسینؑ نے اتنی بڑی قربانی پیش کی اور دین اسلام کو بچایا تا کہ انسانیت کو پھر کوئی خسارہ نہ اٹھانا پڑے۔ خداوند! تمام اہل کتاب کو اپنے انبیاء کے محبت بھرے دامن کی طرف لوٹا دے۔ بارالٰہی! ہمیں ان لوگوں میں قرار دے جو دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے ہیں تا کہ ہمارا انجام دوسروں کے لئے عبرت بننے کے بجائے ہدایت کا ماڈل ہو۔" آمین

ایک دینار وہ ہے جسے تو اللہ کے راستے میں خرچ کرے اور ایک دینار وہ ہے جسے تو غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کرے اور ایک دینار وہ ہے جسے تو مسکین پر خیرات کرے اور ایک دینار وہ ہے جسے تو اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرے، ان سب صورتوں میں زیادہ اجر کا باعث وہ دینار ہے جو تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے۔

(حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۴۱ آیات: ۵۴

مقامِ نزول: مکہ

سورۃ حٰمٓ السجدۃ

تعارف : جیسا کہ پہلے سورۃ السجدۃ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی چار سورتوں میں ایک ایک آیت الٰہی ہے جسے پڑھنے اور سننے کے بعد سجدہ واجب ہوتا ہے۔ ان سوروں میں پہلے کی ابتدا الٓمٓ سے ہے اس لئے وہ الٓمٓ سجدہ کہلاتا ہے اس کی پیشانی پر صرف ''السجدۃ'' نام لکھتے ہیں جو اکیسویں پارے میں ہے اور دوسرے سورے کی ابتدا حٰمٓ سے ہے اس لئے اسے حٰمٓ السجدہ کہتے ہیں اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نام نہیں۔ خاص مضامین اس سورہ کے یہ ہیں:

(1) رسول ﷺ کی بشریت کا اعلان الٰہی لفظوں میں جو اس سے پہلے سورہ کہف میں ہے۔

(2) قبیلہ ثمود کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت مگر ان کا گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دینا۔

(3) آنکھوں، کانوں اور کھالوں کا مجرموں کے خلاف گواہی دینا۔

(4) صبر و ضبط اور رواداری کی تعلیم اور اس صفت کو خوش نصیبوں کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

(5) آیاتِ الٰہی کے حوالے سے ایک پلہ میں تمام آفاق اور ایک پلہ میں نفسِ انسانی۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ میں قرآن مجید کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس کتاب کی حاکمیت ہر دور میں باقی ہے اور ہر زمانے میں اس کا منطقی تسلط بحال اور برقرار ہے یعنی یہ ہر دور میں ایک GuidenceBook ہے تا قیامت جیسا کہ اس کی 41 اور 42 ویں آیات میں کہا گیا ہے کہ ''یہ نا قابل شکست کتاب ہے اور باطل ہرگز اس پر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا۔''

اس کتاب میں تحریف نہ ہونے کی بھی خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ اس کی حفاظت امامِ مبین یعنی لوحِ محفوظ کے ذریعے تا قیامت کرے گا۔ اس کتاب میں دشمن کی سخت محاذ آرائی کا بھی تذکرہ

ہے چونکہ ان کی مخالفت کی یہ حالت تھی کہ وہ لوگوں کو آیات قرآنی سننے سے روکا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب بڑے بڑے کافر قرآن کے مقابلے سے عاجز ہو گئے تو اُن کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اطراف کے صحرائی عرب آ کر قرآن سن لیں اور ایمان لے آئیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب حضرت ﷺ قرآن سنانا شروع کریں تو خوب غل مچاؤ' تالیاں بجاؤ اور بیہودہ باتیں کرو۔ آیت نمبر 27 اور 28 میں کفار کی اس بدتمیزی کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے لئے کہا گیا ہے کہ ہم انہیں ان کی اس کارستانی کی سخت سزا دیں گے جو وہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر کرتے ہیں اور وہ سزا دوزخ کی آگ ہے۔

کبھی یہ کفار و مشرکین اعتراض کی صورت میں کہتے کہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے لہٰذا ان کے لئے کون سی مشکل بات ہے اگر ایسی کتاب بنالیں مزہ تو جب تھا کہ کسی غیر زبان فارسی' رومی' عبرانی جسے وہ نہیں جانتے فر فر تقریر کرتے تو ہم جانتے کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ یہ تو ان زبانوں سے واقف ہی نہ تھے اگر خدا ان پر اتنا ہی مہربان تھا تو انہیں یہ تمام زبانیں کیوں نہ سکھائیں۔ آیت 44 سے 46 تک اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ ان کا تو کام ہی شک میں پڑے رہنا اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنا ہے اگر ہم اسے عربی کے سوا کسی اور زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ واہ جی واہ کیا کہنا اس کلام کا جو ایسی زبان میں بھیجا جا رہا ہے جسے ہم سمجھتے ہی نہیں پھر اس کے نازل کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ ہر صورت میں اعتراض کرنا چاہتے ہیں تا کہ مقابلے سے بھاگ سکیں مگر آنحضرت ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ مناظرہ کا بہترین اصول یہی ہے کہ جب کوئی دلیل پیش کرے تو اس کی تردید نہایت شائستہ طریقے سے کی جائے کسی کو برا نہ کہا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن بھی دوست بن جائیں گے۔

اسی سبب سے رسول ﷺ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ اپنی بات دلیل کے ساتھ سمجھائیں اور انہی نصیحتوں سے اس سورہ کا آغاز ہوا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ "تم میری رسالت کو صرف اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں لیکن یہ تو سمجھو کہ اگر میں تم جیسا نہ ہوتا اور

کوئی غیر انسان یعنی کوئی جن یا جانور یا کوئی پرندہ تمہاری ہدایت کے لئے آتا تو کیا تم اس سے مانوس ہو جاتے' ظاہر ہے کہ خدا کا یہ کلام انسانوں کے درس وہدایت کے لئے ہے تو اسے ایک انسان ہی کے ذریعے سمجھا جائے گا۔

جو سب سے بڑی بات اس سورہ میں بتائی جا رہی ہے آیت نمبر 19 سے 22 تک وہ یہ ہے کہ جن اعضاء کو ہم اپنا دوست سمجھتے ہیں وہ دراصل خدا کے جاسوس ہیں اور روزِ قیامت یہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے' کان کہیں گے کہ فلاں فلاں وقت اس نے میرے ذریعے سے غیبت سنی تھی' زبان کہے گی کہ فلاں وقت میرے ذریعے سے غیبت کی تھی' آنکھ کہے گی کہ فلاں وقت حرام چیزوں پر نظر ڈالی تھی' بدن کی کھال کہے گی کہ فلاں فلاں وقت اس نے مجھے نامحرم سے مَس کیا تھا اور میرے اندر حرام شے کھا کر خون دوڑایا تھا اس وقت انسان تعجب سے پوچھے گا تمہیں میرے خلاف گواہی دینے کو کس نے آمادہ کیا سب کہیں گے کہ ہمیں اُسی ذاتِ واحد و یکتا نے قوت گویائی دی ہے جو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ تمہیں دنیا میں کبھی خیال نہ آیا ہو گا کہ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے تم تو اس خبط میں مبتلا رہے کہ تمہاری کارستانیوں کا خدا کو علم ہی نہیں اس وقت تم سوچو گے کہ کاش تم نے ہماری آیتوں اور ہمارے انبیاء کو نہ جھٹلایا ہوتا۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(الحدیث نبوی)

*(چاہے وہ کوئی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۴۲   آیات: ۵۳

مقام نزول: مکہ

سورۃ الشوریٰ

باہمی رائے اور مشورے والی سورہ

تعارف : اس سورہ کا نام اس کی آیت 38 کی وجہ سے ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے امور میں باہمی مشورے کی دعوت دی گئی ہے۔

اس سورہ کا پہلا حصہ وحی الٰہی کا انبیاء پر نزول اور اسی مناسبت سے قرآن مجید اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت کا تذکرہ بھی ہے اور حضرت نوحؑ کی نبوت کے ذکر پر بھی مشتمل ہے اور فرشتے کس طرح اپنے پروردگار کی حمدوثنا کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ توحید کے دلائل اور خدا کے رحیم ہونے اور اس کے دین کو منوانے کے لئے یہ منطق پیش کرتا ہے کہ ''زبردستی ہدایت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کردیتا ہے اور ظالموں کا پھر کوئی والی و مددگار نہیں رہتا' تیسرا حصہ قیامت کے دن کفار کے انجام سے متعلق ہے۔

چوتھے حصے میں اخلاقی مسئلوں پر بحث کی گئی ہے کہ استقامت' عفوودرگزر' توبہ اور آتش غضب کو بجھانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کرنا بہتر ہے اور خدا کی نعمتوں کے حصول کیلئے سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی' دنیا پرستی میں ملوث ہونا خدا کے نزدیک کتنا برا ہے اس کی اہمیت جتائی گئی ہے جبکہ مشکلات کے وقت چیخ وپکار جیسی عادت کو خدا کے نزدیک برا سمجھا گیا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

کفار قریش اپنے اپنے مکانوں' جلسوں اور پرائیویٹ صحبتوں میں بیٹھ کر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جو باتیں یہ شخص بیان کرتا ہے ہم نے اس سے پہلے کبھی سنی ہی نہیں

نہ ہمارے باپ دادا نے کبھی ہمارے سامنے ایسے تذکرے کئے' ہمیں تو یہ من گھڑت کہانی لگتی ہے۔اس ساری بکواس کے جواب میں آغاز ہی کی چھ آیتوں میں کہا جارہا ہے کہ اے رسول ﷺ یہ چہ میگوئیاں کرنے والے سب جھوٹے ہیں تم سے پہلے جتنے انبیاء اور رسول آئے ہماری وحی کے مطابق ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے جیسی آپ بیان کرتے ہیں یہ کوئی عجیب وغریب باتیں نہیں جس پر انہیں تعجب ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور حکمت والا ہے ہر جگہ اس کی حکومت ہے اس نے نہ کسی سے کبھی دب کر بات کی اور نہ اس کا کوئی کلام حکمت سے خالی ہے' خدا کے متعلق جو کفار جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ وہ صاحب اولاد ہے' کبھی کہتے ہیں کہ بت اس کی خدائی میں شریک ہیں' فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر آسمان ان کے سروں پر پھٹ پڑے اس گستاخی کے جواب میں تو کچھ بعید نہیں' انہیں شرم آنی چاہئے کہ یہ اس ذات پاک کے بارے میں ایسی گفتگو کرتے ہیں جس کی تسبیح ملائکہ کرتے ہیں اور اہل زمین جو گناہ کررہے ہیں ان کے لئے یہ فرشتے خدا سے استغفار کرتے ہیں' بے شک اگر یہ توبہ کرلیں تو خدا ان کے گناہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور اے رسول ﷺ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر جن بتوں' درختوں' شیاطین اور دیوی دیوتاؤں کو اپنا سرپرست بنایا ہوا ہے خدا اس کی نگرانی کررہا ہے' اے رسول تم ان کے نگہبان نہیں بلکہ ان کو عذاب سے ڈرانے والے اور اچھے کاموں کی ہدایت کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو تم اپنا کام کئے جاؤ ظالموں سے ہم نمٹ لیں گے۔

اگلی تین آیتوں میں وہی بات دہرائی گئی ہے جو سورہ حم سجدہ میں بھی بتائی گئی ہے کہ یہ قرآن کسی اور زبان میں تو نہیں تمہاری اپنی مادری زبان میں ہے جسے تم آسانی سے سمجھ سکتے ہو اور جب سمجھ سکتے ہو تو پھر اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ یہ تم کو کیا ہدایت دے رہا ہے یہی نہیں کہ تم اعمال بد سے باز آجاؤ ورنہ قیامت کے روز باز پرس ہوگی بلکہ رسول ﷺ تو تمہیں اس سے ڈراتے ہیں تمہاری اخلاقی ابتری اور ظلم پسند طبیعت سے جو مصیبتیں تم پر نازل ہوتی رہتی ہیں اور آئے دن

آپس میں جنگ ٹھنی رہتی ہے رسول تمہیں اس سے بچانا چاہتے ہیں یہ قرآن اسی کے سدباب کے لئے نازل کیا گیا ہے مگر تم ایسے کوڑھ مغز ہو کہ تمہیں سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ اب تم ایک نیا اعتراض لے کر آ گئے کہ اگر خدا کو سب کا مسلمان ہونا ہی پسند ہے تو اس نے سب کو ایک ہی دین پر کیوں نہ پیدا کر دیا سب کے سب مسلمان ہی ہوتے سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا نہ کسی رسول کے آنے کی ضرورت ہوتی نہ کوئی وحی بار بار بھیجنے کی ضرورت ہوتی مگر تمہارا یہ اعتراض احمقانہ ہے اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کی عقلوں کا امتحان کیسے ہوتا؟ مسلمان تو بن جاتے مگر خدا کے احکام کی واقفیت کیسے ہوتی۔ دوسرے اگر اسلام قہر و غضب یا جبر کا مذہب ہوتا تو پھر انسانوں کے دل اور طبیعت کا امتحان کیسے ہوتا خدا کی معرفت کے لئے ان کی جستجو اور جدوجہد کا راستہ کیسے پیدا ہوتا انسانی مدارج میں ترقی اور فضیلت کیسے ہوتی اخلاقی اتار چڑھاؤ کی جانچ پڑتال کیسے ہوتی۔

پیدا تو اس نے سب کو مسلمان ہی کیا ہے لیکن جو دوسرے دین اور مذاہب ہیں اور زندگی گزارنے کے مختلف طریقے ہیں وہ تو خود انسان کے اپنے پیدا کردہ ہیں مگر خدا اپنی رحمت اس پر نازل کرتا ہے جو اس کا زیادہ فرمانبردار بندہ بن کر رہے۔

اب سورہ کے دوسرے حصے میں شریعتِ نوح اور شریعتِ محمدؐ کا ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک احکامِ الٰہی کے متعلق صحیفے انبیاء علیہ السلام پر نازل ہوتے رہے جن کے مطابق وہ اپنی اپنی اُمتوں کو ہدایت کرتے رہے، طوفان کے بعد جب دنیا ازسرِنو پھر زمین پر آباد ہوئی تو پہلی شریعت کا نزول حضرت نوح پر ہوا پھر دینِ اسلام کا ایک مکمل قانون کتاب کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا۔ آیت نمبر 13 سے 14 تک دیکھیں اس آیت میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ شریعت نوحؑ کے بعد شریعت محمدی کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ شریعت ابراہیم کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اوّل و آخر کی دونوں شریعتوں کا ذکر ہے پھر درمیانی شریعتوں کو حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے اس لئے بتایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو تمام قومیں مانتی تھیں اور شریعتِ نوح کے علاوہ ان پر صحیفے یعنی وقتی احکام بھی آتے رہتے تھے

جن سے ان کی شریعت میں تبدیلی ہوئی اور توریت بصورت کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ پہلی شریعت میں اُمت کے ہاتھوں جو تبدیلی ہوئی تھی توریت میں ان کی اصلاح کی گئی ہے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی پھر آپؐ پر قرآن مجید یہ کہہ کر نازل کیا گیا کہ اب یہ آخری کتاب ہے قیامت تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور اس سے پہلے کی تمام شریعتوں کو منسوخ کیا جاتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تیسرا نمبر دیا گیا ہے آیت میں کہ شریعت نوحؑ اور شریعت محمدیؐ کے بیچ میں جتنی شریعتیں آئیں اور کتابیں آئیں وہ امتیں خود تبدیل کرتی گئیں اب قرآن میں کہا جارہا ہے کہ یہ دین ابراہیم ہے اور شریعت محمدیؐ ہے اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں یہ آخری ہے۔

سورہ کے درمیان کے حصے میں کافروں کی ہٹ دھرمی اور پھر حضورؐ کو دنیاوی لالچ دینے سے متعلق گفتگو ہے۔ ایک کافر ولید بن مغیرہ نے ایک دن آپ کو لالچ دیا کہ اگر آپ اس دین کی تبلیغ سے باز آجائیں تو اتنی دولت دوں گا کہ سنبھالے نہ سنبھلے اور شیبہ بن عتبہ نے کہا کہ میں اپنی خوبصورت بیٹی بیاہنے کو تیار ہوں' خدا نے اس کے جواب میں قرآن مجید میں کئی جگہ رسول کو اس موضوع کے حوالے سے مخاطب کیا ہے کہ اے رسول تم ان کافروں کی بکواس پر کوئی توجہ نہ دو بلکہ اپنا کام کئے جاؤ اور کہہ دو کہ میرا ایمان تو بس یہی ہے جو اس کتاب میں ہے۔ پھر آیت نمبر 23 میں تبلیغ رسالت کا اجر مانگ رہے ہیں حضورؐ اور وہ اجر کیا ہے'

"قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی" اس آیت کو آیۂ مودت بھی کہا جاتا ہے یعنی تبلیغ کا اجر محبت کے سوا کچھ نہیں مانگتے رسول مگر یہ محبت کس سے؟ اپنے قرابتداروں سے وہ قریب لوگ جنہیں رسول خدا کے حکم سے قریب سمجھتے ہیں یعنی ان کے اہل بیت حضرت علیؑ' بی بی فاطمہؑ اور ان کے بیٹے امام حسنؑ و امام حسینؑ یہ پانچ ہستیاں جنہیں رسولؐ نے اپنے قرابت دار اور وارثِ دین وعلم قرآن قرار دیا کہ اگر میرے بعد ان سے محبت کرتے رہے تو دین سے جڑے رہو گے اور ان کا دامن چھوڑا تو دین میں فساد کے سوا کچھ نہ ہوگا اور آخر کار وہی ہوا یہ دین

اقتدار کی خواہشوں کی بھینٹ چڑھتے چڑھتے تہتر فرقوں میں بٹ گیا صرف اس لئے کہ ہم نے اسے درباروں میں جمع کی گئی اپنی مرضی کی تفسیروں کے حوالے سے دیکھا۔

ایک اہم بات جو رزق کے حوالے سے اس سورہ میں بیان کی گئی ہے۔ 27 ویں اور 28 ویں آیت میں ایک بار کچھ مسلمانوں نے حضور ﷺ سے کمی رزق کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم مسلمانوں پر خدا نے رزق کیوں تنگ کر دیا ہے حالانکہ ہم اس کے نیک بندے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں قران پاک کہہ رہا ہے کہ ہم روزی کو اس لئے کشادہ نہیں کرتے کہ جو نیک بندے ہیں وہ اس کی زیادتی سے تو خوش ہوں اور پھر حرام حلال کی تمیز کھو بیٹھیں اور جب کمی آ جائے تو بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں حضورؐ کے عہد ہی میں اس آیت کی تصدیق ہوگئی جب فاقہ کش مسلمانوں کے گھر مال غنیمت سے بھر گئے تو ان کے ایمان میں ضعف پیدا ہو گیا اور اعمالِ صالح بجالانے میں سستی کرنے لگے جب باہر کے لوگ تجارت کے لئے مدینہ میں آتے تو وہ لوگ حضور ﷺ کے پیچھے نماز کے دوران ہی ترک نماز کر کے بھاگ کھڑے ہوتے تاکہ جلدی سے مال خرید لیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر میں وہ چیز ختم ہو جائے جسے وہ خریدنا چاہتے تھے۔ اس صورت حال کو نظر میں رکھ کر ہی اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ کا نزول کیا اور سختی سے اس امر کو ناپسند کیا۔ سورۂ جمعہ کی تفسیر آگے آئے گی۔

اس کے بعد کی آیات بھی اہلِ مکہ کی نادانی سے متعلق ہیں کہ جب قحط پڑا تو وہ اس کا الزام خدا پر لگاتے تھے اس کے جواب میں آیت نمبر 29 سے 35 تک بحث ہو رہی ہے۔ خدا جواب دے رہا ہے کہ یہ مصیبت جو تم پر آئی ہے تمہاری ہی غلط کاریوں کا نتیجہ ہے اگر تم خدا پر ایمان لائے ہوتے تو یہ عذاب تم پر نازل نہ ہوتا۔ تم نے ہمارے رسول کو طرح طرح سے ستایا ہماری کتاب کو برحق نہ جانا تم مستحق عذاب تھے مگر ہم نے تمہیں صرف ہلکی سی سزا دی ہے کیا تم ہمیں ہرا سکتے ہو ہمارے مقابلے میں تمہارا کوئی والی و مددگار نہیں۔

تم نے ہمارے احسانات بھلا دیے ہیں جب تم تجارت کی غرض سے بادبانی، کشتی اور جہاز

میں سوار ہوکر جاتے ہو تو بتاؤ تمہیں ساحل پر کون لگاتا ہے اگر ہم ہوائیں نہ چلائیں تو کیا تمہاری کشتیاں آگے بڑھ سکتی ہیں ہم چاہیں تو تمہیں ذرا دیر میں ہلاک کردیں' پانی میں ڈبو دیں' آندھیوں میں اڑا دیں مگر ہم تمہاری خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں تمہیں مہلت دیتے ہیں کہ شاید سنبھل جاؤ۔ اب آیت نمبر 36 سے 42 تک مومنین کی خصوصیات بتاتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں' گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں اس آیت نمبر 38 کی وجہ سے ہی اس سورہ کا نام شوریٰ ہے یعنی مشورہ جب اقتدار کے لئے حاکم کے انتخاب کا مسئلہ کھڑا ہوا تو مسلمانوں نے مختلف طریقہ انتخاب خود بخود اپنے فائدوں کو دیکھتے ہوئے رائج کر لیئے جبکہ اسلام کہتا ہے کہ ایک جاہل اور عالم کی رائے برابر نہیں ہوسکتی اس لئے یہ انگریزی طریقہ انتخاب ناقص ہے اسلام میں نیک' صاحبانِ علم اور متقی افراد کی شوریٰ بنانے پر زور دیا گیا ہے تاکہ وہ نیک نیتی کے ساتھ اس شخص کو اقتدار دیں جو صاحب علم ہو متقی ہو اور صاحب ایمان ہو۔

آخری حصے میں دو موضوعات پر بڑی اہم بحث ہورہی ہے یعنی آیت نمبر 48 سے 51 تک ایک موضوع ہے کہ "رسول کا فرض یہ ہے کہ وہ احکام خداوندی لوگوں تک پہنچا دے کسی کو مجبور کر کے صاحب ایمان نہیں بنایا جاسکتا۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب خدا بندوں پر احسان کرتا ہے تو خوشی میں دیوانے ہوجاتے ہیں اور اگر تکلیف میں مبتلا ہوں تو خدا کے سارے احسان بھلا کر شکایت کرنے لگتے ہیں۔ یہاں بہت اہم موضوع بیٹیوں کی پیدائش کے متعلق بیان ہورہا ہے کہ جب بیٹیاں پیدا ہوں تو یہ رنجیدہ ہونے لگتے ہیں اور خدا کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے وہ قادر مطلق ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ عرب کے لوگ جاہلیت کے زمانے میں لڑکیوں سے بڑی نفرت کرتے تھے اور پیدا ہوتے ہی اس کا گلا گھونٹ دیتے تھے یا زندہ زمین میں دبا دیتے تھے۔ اب قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ اللہ جسے چاہے لڑکا اور جسے چاہے لڑکی دے' جسے چاہے دونوں دے اور جسے چاہے بانجھ رکھے' مگر خدا بھی پہلے اس آیت میں بیٹیوں کا ذکر کر رہا ہے جس کی تفسیر حضورﷺ نے یہ کی

کہ ''وہ عورت بہت بابرکت ہے جو پہلے بیٹی کی ماں بنے پھر آپ نے فرمایا کی بیٹی رحمت ہے بیٹا نعمت ہے اور یاد رکھو کہ نعمت کے بعد ثواب نہیں ملتا' بیٹی محبت ہے اور محبت کا ثواب ملتا ہے۔

اس حصے کی آخری آیت نمبر 51 میں خدا اور بندے کے درمیان کلام کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ خدا اپنے بندے کے دل میں کوئی بات ڈال دے یہ صورت انبیاء کے علاوہ غیر انبیاء کے لئے بھی ہوتی ہے مگر اس کا تعلق امور شریعت سے نہیں ہوتا۔ جیسے خدا نے مادر موسیٰ کو وحی کی بلکہ غیر انسان جیسے سورہ نحل کی 16 ویں آیت ''واوحیٰ ربک الی النحل'' خدا نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پردے کے پیچھے سے آواز سنائی دے جیسے حضرت موسیٰ کے لئے درخت سے آواز آئی تھی۔ تیسرے یہ کہ فرشتے نے احکام خدا رسول تک پہنچائے جیسے حضرت جبریلؑ رسولؐ کو خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔ دل میں ڈالنے کی بھی ایک صورت ''خواب'' ہے۔ حضور ﷺ کو خواب میں بتایا جاتا تھا اسی لئے حضورؐ نے خواب کو نبوت کا چھبیسواں حصہ قرار دیا ہے اور ایسے خوابوں کو ''رویائے صادقہ'' کہا جاتا ہے جو صرف نیک، متقی اور ولی کا درجہ رکھنے والوں کے لئے مخصوص ہے ان کے خواب آنے والے وقت کا مخصوص حوالے سے پتہ دیتے ہیں۔

خدا صاحب جسم نہیں اس لئے وہ کسی سے اس طرح کلام نہیں کرتا جیسے ہم کرتے ہیں اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی قدرت سے جس چیز میں چاہے کلام پیدا کردے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے درخت سے آواز آئی۔

سورۃ نمبر ۴۳ — آیات: ۸۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ الزخرف

تعارف : اس سورۃ کا نام اسی کی 35 ویں آیت کے لفظ ''زخرف'' سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی سونے یا ایسی قیمتی دھات اور اشیاء سے ہے جسے صرف امراء، روساء اور بادشاہ ہی استعمال کر سکیں۔

موضوع کی تفصیل :

اس سورہ کا اہم ترین حصہ اسی آیت سے منسلک ہے جن میں جھوٹی اقدار کا ذکر ہے جو بددیانت لوگوں کے افکار پر بری طرح سوار ہے اور انہیں زندگی کے اہم مسائل کو سمجھنے میں رکاوٹ بنتی ہے حتیٰ کہ وہ اس بات کی توقع کرتے تھے کہ قرآن مجید کو بھی ایک امیر دولت مند شخص پر نازل ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ انسانی عظمت کو دولت سے ناپتے تھے قرآن نے اس سورۃ میں اس احمقانہ سوچ کی نفی کی ہے اور صحیح انسانی اقدار کو اجاگر کیا ہے۔

اس لئے آغاز میں ہی کہہ دیا گیا ہے کہ اس کتاب کی قسم جس کے حقائق آشکار ہیں کہ ہم نے اسے فصیح اور عربی زبان میں بیان کیا تاکہ تم اسے سمجھ سکو اور اگر سمجھ کر بھی اپنا فائدہ دیکھ کر (جیسے تم فائدہ سمجھتے ہو) جب بدلنے کی کوشش کرو تو بدل نہ پاؤ چونکہ یہ لوحِ محفوظ میں ہمارے پاس ہے۔

یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن کی قسم اٹھائی جا رہی ہے اور یہ بات شاید اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے بڑھ کر اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی قسم اٹھائی جا سکے کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی گواہ نہیں۔

پھر اس سورہ کے دوسرے حصے میں کہا جا رہا ہے کہ ہم نے گزشتہ قوموں میں ہدایت کی خاطر بہت سارے انبیاء بھیجے مگر یہ ان کا مذاق اڑاتے تھے تو کیا ہم ان کے اس گستاخانہ رویے پر تنگ آ کر رسول بھیجنے اور کتابیں نازل کرنا بند کر دیتے اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتے اور فیصلے کے

دن یعنی روز قیامت ان کو یہ عذر کرنے کا موقع دیتے کہ ہمارے پاس تو کوئی ہدایت کرنے والا آیا ہی نہیں تھا پھر ہم سے باز پرس کیسی؟ اس لئے ہم اپنا کام کرتے رہے اور یہ اپنا ہم رسول اور کتابیں بھیجتے رہے اور ان کی اُمتوں میں جو سرکش اور گھمنڈی تھے ان کو ہلاک کر دیا تا کہ ان کے قصے لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوں۔

پھر آیت نمبر 19 سے 21 تک وہی بات جو پچھلی سورتوں میں کی گئی ہے لڑکیوں کو فرشتے سمجھنے سے متعلق اس سورۃ میں ذرا دوسرے انداز میں خدا کی طرف سے طنز کی صورت میں ہے کہ یہ کس طرح کے لوگ ہیں کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور خدا کیلئے بیٹیاں۔ ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ جو زیور و ملبوسات کے جھگڑوں میں پلی بڑھی ہو کیا وہ خدا کی بیٹی ہو سکتی ہے بھلا کوئی بتائے کہ ایسی باتیں کرنے والے کیا لڑکیوں کو فرشتہ (ملائکہ) سمجھنے والے ان ملائکہ کی تخلیق کے وقت موجود تھے یا ہم نے اپنی کسی کتاب یا نبی کے ذریعے پہلے انہیں یہ اطلاع دی تھی؟ تو یہ جو اس بات کو پکڑ کر بیٹھے ہیں اور باوجودیکہ ان کو لڑکیوں سے اتنی نفرت ہے پھر بھی یہ ان کی طرف ایسے مائل ہوتے ہیں کہ اپنے بتوں کا نام تک لڑکیوں کے نام پر رکھتے ہیں جیسے نائلہ اور عزیٰ وغیرہ۔ اس کے بعد کی آیات میں کہا جا رہا ہے کہ ان کے پاس اس بے سروپا گفتگو کے حوالے سے کوئی دلیل ہی نہیں سوائے اس کے کہ چونکہ ان کے باپ دادا اس راستے پر تھے اس لئے ہم ان کی پیروی کر رہے ہیں ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقلید انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ حالانکہ ان بت پرست قوموں میں سب جاہل نہیں ہوتے' بڑے بڑے صاحبانِ علم و فہم' سائنس دان فلاسفر موجدین ہیں کیا ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ پتھر کے یہ بے جان بت ان کی دعائیں سن سکتے' یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہیں مگر تقلید کا جو بھاری طوق ان کی گردن میں پڑا ہوا ہے وہ انہیں کچھ نہیں کرنے دیتا اور یہ اسی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں کہ قرآن مکہ اور طائف کے بڑے بڑے اُمراء اور قبیلوں کے سرداروں میں سے کسی پر کیوں نہ اترا جس کی وجوہات صرف یہ تھیں۔

(1) اپنی دولت کے گھمنڈ میں ان کی نظر میں انبیاء کی کوئی وقعت نہ تھی اور وہ انہیں جھوٹا سمجھتے تھے

ان کی باتوں پر غور کرنا بیوقوفی سمجھتے تھے اور اپنے باپ دادا کو انبیاء سے زیادہ عقلمند جانتے تھے۔
(2) ان کے دنیاوی مشاغل انہیں اتنا موقع ہی نہ دیتے تھے کہ وہ انبیاء کی تعلیم پر غور کریں۔
(3) وہ حق و باطل میں تمیز رکھتے تھے مگر نہیں چاہتے تھے کہ عوام پر ان کے سوا کسی دوسرے کی حکومت ہو خواہ یہ جسمانی حکومت ہو یا روحانی

تو پھر معاملہ جب اس حد تک پہنچ جاتا تو پھر خدا ان کی سرکشی اور نافرمانی کی سزا دینے پر آمادہ ہوتا اور سخت سے سخت عذاب ان قوموں پر نازل ہوتے۔

اب اس سورۃ کا مرکزی نکتہ آیات نمبر 33 سے 40 تک جس میں کہا جا رہا ہے کہ اس ''زخرف'' یعنی سونے چاندی کی تمہاری نظر میں بڑی وقعت ہے اور اس کی وجہ سے تم امیروں کو سر چڑھا لیتے ہو اور سمجھتے ہو جو کچھ ہیں سب یہی ہیں اور ان کے مقابلے میں ہمارے رسولوں کو حقیر سمجھتے ہو اگر ہمیں یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ دولت کے بڑھ جانے سے کفر میں زیادتی نہ ہو جائے تو ہم ان کے گھروں کی چھتیں، ان کے درو دیوار، ان کے مکان، ان کے دروازے اور ان کے زینے سب سونے چاندی کے بنا دیتے مگر یہ تو متاع دنیا ہے ہمارے نزدیک اس کی کیا قدر و قیمت ہے۔ جب آخرت کے گھر میں جو کہ متقیوں اور پرہیزگاروں کا گھر ہے یہ اس میں داخل نہ ہو سکیں گے تو پھر شیطان سے کہیں گے کہ تو بدترین ساتھی نکلا مگر اس وقت شیطان سے بیزاری کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سورہ کے آخری حصے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی دلیل کے طور پر ایک علامت کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں دو گروہ بن گئے تھے ایک گروہ ان کی نفرت اور عداوت میں اس حد تک آگے بڑھا کہ ان کو (معاذ اللہ) ناجائز ہونے کی تہمت لگائی اور ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ دوسرے گروہ نے اس حد تک شدت محبت اختیار کی کہ (معاذ اللہ) ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ ان دونوں گروہوں کو خدا نے ظالم کہا ہے، اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے رسولِ خدا نے حضرت علیؑ سے کہا کہ علیؑ لوگ تمہیں پہچانتے نہیں اس لئے ایک گروہ وہ ہے جو تمہاری دشمنی میں جہنم میں جائے گا اور ایک وہ ہے جو تمہاری محبت میں جہنم میں جائے گا اور وہ نصیری تھے جو آپ کو

خدا ماننے لگے تھے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کے سامنے دوبارہ وضاحت فرمائی کہ علی علیہ السلام ایک گروہ وہ ہے جو تمہیں تمہارے مرتبے سے گھٹادے گا اور ایک وہ جو تمہیں تمہارے مرتبے سے بڑھادے گا۔ جب ایک نصیری کا بچہ حضرت علیؑ کی دعا سے زندہ ہوگیا تو نصیری نے اس پر غور نہیں کیا کہ تم صاحب کردار ہو ہمارے وارث علم وعمل ہو اس لئے خدا نے تمہاری دعا قبول کی اور معجزہ دیکھادیا چونکہ معجزہ صرف معصوم دکھا سکتا ہے اور وہ صرف انبیاء اور آئمہ طاہرین ہیں جو نور سے خلق کیے گئے وہ نصیری اس معجزے کی حقانیت کو نہ سمجھ سکے اور شرک کے مرتکب ہوئے۔ اسی طرح جو اقتدار کی ہوس اور تمہاری دشمنی میں حد سے بڑھ چکے ہیں وہ تمہارے مرتبے کو کم کرنے کی کوششوں میں عداوت اہل بیت میں اس حد تک گر جائیں گے کہ میرے بعد تمام انسانی قدروں کو پامال کریں گے اور یہ گروہ بھی جہنمی ہوگا۔

یہ تو تھی رسول ﷺ کی حدیث کے حوالے سے تفسیر پھر انہی آیات کے نزول کا سلسلہ حضور ﷺ کی حدیث کی مزید تصدیق کرتا ہے۔ آیت نمبر 40 سے 64 تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تو خدا کے بندے تھے جن پر خدا نے بہت احسان کیے تھے مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا' کوڑھیوں اور جذامیوں کو شفا دینا' ان باتوں سے وہ خدا یا خدا کے بیٹے تو نہیں ہوگئے۔ ہمارے معصومین جو معجزات دکھاتے ہیں وہ ہمارے حکم سے دکھاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم قیامت کی علامت قرار دیتے ہیں۔ ان آیات کی تفسیر مفسرین کی اکثریت نے بھی کی ہے جو احادیث رسولؐ سے اخذ کی گئی ہیں کہ جب قائم آلِ محمدؐ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو وہ زمانہ قیامت کے قریب ترین کا زمانہ ہے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور امام آخرالزمانؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی واضح اور روشن دلیل قرار دے کر ان کی عبدیت کو ظاہر کر رہا ہے وہ خدا کے خاص بندے ہیں نہ کہ خدا کے شریک۔ لہٰذا تم شرک سے باز آؤ' اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا دونوں کا رب ہے میں اس کے حکم سے اس کی کتاب لے کر تمہیں اس کا پیغام حق پہنچا رہا ہوں چونکہ میں اس کا پیغمبر ہوں۔

سورۃ نمبر ۴۴ آیات: ۵۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ الدخان

تعارف: اس سورہ میں دخان مبین کے لفظ کے ساتھ بطور عذاب الٰہی جو ایک دھوئیں یا قحط سالی کا ذکر ہے اسی ذکر پر اس سورے کا نام ہوا۔

اس کے علاوہ خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) قرآن کا ایک خاص بابرکت رات میں نازل ہونا۔

(2) اس رات میں خاص حکیمانہ فیصلوں کا ہونا جس کی بناء پر اس کا نام "شب قدر" ہونا۔

(3) حیات بعد الموت کے منکروں کا غلط مطالبہ اور اس کا جواب

(4) آخری فیصلہ قیامت میں

(5) دوزخ کے آب وغذا کا ہولناک تذکرہ اور بہشت کی مختلف نعمتوں کا تذکرہ

موضوع کی تفصیل:

یہ حوامیم جیسا کہ پہلے ذکر ہوا حروف مقطعات ہیں اس سلسلے کی سات سورتوں میں سے پانچویں سورت ہے۔ جو حٰم سے شروع ہوئی۔ جیسا کہ آغاز سے ہی ظاہر ہے کہ پھر قرآن مجید کی قسم کھا کر اس کتاب کو ایک خاص بابرکت مبارک رات میں نازل کرنے کی نوید دی جا رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کونسی رات ہے۔ جو تمام اچھائیوں اور پائیدار خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ اکثر مفسرین نے اس سے شب قدر مراد لی ہے۔ اب نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ کیا سارا قرآن اسی ایک شب قدر میں نازل ہوا ہے کہ تمام عالم بشریت کی تقدیر نزول قرآن کی وجہ سے نیا رنگ اختیار کر گئی ہے تو اس کے نزول کا آخر مقصد کیا ہے؟' وہی جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہو رہا ہے کہ "ہم ہمیشہ سے ڈرانے والے تھے (انا کنا منذرین) کہ ہمارا یہ دیرینہ طریقہ کار ہے کہ ہم اپنے

انبیاء اور رسولوں کے ذریعے ظالموں اور مشرکوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لئے مامور کرتے آئے ہیں اور پیغمبرؐ اسلام کو کتاب دے کر بھیجنا بھی اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ انبیاء کرام ''بشارت'' خوشخبری دینے کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ظالم اور مجرم لوگوں کے لئے ان کی دعوت کی اصل بنیاد زیادہ ڈرانے پر ہی استوار ہوتی ہے لہٰذا (اندازِ تبلیغ) پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

یہ بات تقریباً تمام مفسرین نے اپنے اپنے انداز سے کی ہے کہ قرآن کریم آپ کی نبوت کے ۲۳ سالہ دور میں نازل ہوتا رہا ہے اس امر پر تقریباً سب کا اتفاق ہے قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کے نزول کا آغاز جس رات ہوا سے سال کی بابرکت ترین رات کہا گیا ہے۔

اس سورۃ کی آیت نمبر 10 يَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْن کے لفظ دخان کو اس سورۃ کا عنوان اس لئے بنایا گیا کہ یہ لفظ قحط سالی کے سبب عذاب الٰہی کے حوالے سے استعمال کیا گیا ہے جس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب کفار مکہ کی مخالفانہ روش شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی تو نبیؐ نے دعا کی کہ ''اے خدا یوسف کے قحط جیسے ایک قحط سے میری مدد فرما'' حضورؐ کا خیال یہ تھا کہ جب ان پر مصیبت پڑے گی تو انہیں خدا یاد آئے گا اور ان کے دل نصیحت قبول کرنے کے لئے نرم پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سارے علاقے میں ایسے زور کا قحط پڑا کہ لوگ بلبلا اٹھے آخر کار بعض سرداران قریش جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خاص طور پر سردار ابوسفیان کا نام لیا ہے۔ حضورؐ کے پاس آئے اور آپ سے درخواست کی کہ اپنی قوم کو اس بلا سے نجات دلانے کے لئے اللہ سے دعا کریں۔ یہی موقع ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور کفار قریش کو تنبیہ اور ان کی ہٹ دھرمی وعدہ خلافی سے متعلق یہ خطبہ آنحضورؐ پر نازل کیا جس کی اہم باتیں یہ ہیں۔

اول یہ کہ تم اس کتاب کی قدر و قیمت سمجھنے میں غلطی کر رہے ہو تمہارے نزدیک یہ ایک بلا

ہے جو تم پر نازل کر دی گئی ہے۔ حالانکہ در حقیقت وہ گھڑی انتہائی مبارک گھڑی اور انتہائی بابرکت رات ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی بناء پر تمہارے یہاں آخری رسولؐ اور کتاب نازل کرنے کا فیصلہ کیا۔

دوئم یہ کہ اگر تمہارے دادا نے ایک حماقت کی تھی تو ضروری نہیں کہ تم بھی آنکھیں بند کر کے اس غلطی کا ارتکاب کرتے چلے جاؤ حقیقت میں تو ان کا رب بھی وہی تھا جو تمہارا رب ہے۔

سوئم یہ کہ اللہ کی ربوبیت کا تقاضا صرف یہی نہیں کہ تمہارا پیٹ پالے بلکہ یہ بھی ہے کہ تمہاری رہنمائی کا انتظام کرے۔ اس تمہید کے بعد اس قحط کے معاملے کو لیا گیا ہے جو رسول کی دعا سے عذاب کے طور پر آیا اور چونکہ حضورؐ نے یہ دعا اس خیال سے کی تھی کہ مصیبت پڑے گی تو کفار کی اکڑی ہوئی گردنیں ڈھیلی پڑ جائیں گی یہ توقع اس وقت کسی حد تک پوری ہوتی نظر آ رہی تھی کیونکہ بڑے بڑے دشمنانِ حق قحط کے سبب پکار اٹھے تھے کہ پروردگار ہم پر سے یہ عذاب ٹال دے تو ہم ایمان لے آئیں گے اس حوالے سے ایک طرف تو حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ ایسی مصیبتوں سے یہ کہاں سبق لینے والے ہیں۔ انہوں نے جب اس رسول کی طرف سے منہ موڑ لیا جس کی زندگی سے جس کے کردار کے یہ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی گواہ ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کردار کا شخص خدا کے رسولؐ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا تو اب محض ایک قحط ان کی غفلت کو کیسے دور کر سکے گا۔ دوسری طرف کفار کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ تم بالکل جھوٹ کہتے ہو کہ یہ عذاب تم پر سے ٹال دیا جائے تو تم ایمان لے آؤ گے لو ہم اس عذاب کو ہٹائے دیتے ہیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ تم اپنے اس دعوے میں کتنے سچے ہو تم تو ایک بڑی ضرب کے حقدار ہو تمہارے سر پر تو شامت منڈلا رہی ہے۔ ایسی ہلکی پھلکی چوٹوں سے تمہارا دماغ درست نہیں ہوگا۔

دوسرا موضوع آخرت کا لیا گیا ہے جس سے کفارِ مکہ کو شدت سے انکار تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھ کر آتے نہیں دیکھا ہے تم اگر دوسری زندگی کے دعوے میں سچے ہو تو اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اس کے جواب میں عقیدہ آخرت کو کھیل سمجھنے والوں سے

کہا جارہا ہے کہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کا کھلونا نہیں ہے کہ یہ کام روز روز ہر ایک کے مطالبے پر کیا جاتا رہے بلکہ یہ ایک حکیمانہ نظام ہے اس کے لئے اللہ نے ایک وقت مقرر فرمادیا ہے جب وہ تمام نوع انسانی کو بیک وقت جمع کرے گا اور اپنی عدالت میں محاسبہ کرے گا۔ پھر یہ کہہ کر بات ختم کردی گئی ہے کہ تم لوگوں کو سمجھانے کے لئے یہ قرآن صاف اور سیدھی تمہاری اپنی زبان میں نازل کیا گیا ہے، سمجھنا چاہتے ہو تو سمجھو اور انجام بدی دیکھنے پر مصر ہو تو انتظار کرو ہمارا نبی بھی منتظر ہے جو کچھ ہونا ہے وہ اپنے وقت پر سامنے آجائے گا۔

اور اپنا مال جو اللہ نے تمہیں اپنے کاروبارِ زندگی چلانے کے لئے دیا ہے کم عقل لوگوں کے حوالہ نہ کرو۔

(سورۃ النساء ۵:۴)

اپنی ضروریات کے حصول میں کامیابی کے لئے رازداری سے مدد لو کیونکہ ہر صاحب نصیحت محسود ہے۔ (یعنی وہ رشک وحسد کا نشانہ بنتا ہے)

(حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۴۵ — آیات: ۳۷
مقام نزول: مکہ

سورۃ الجاثیہ

تعارف: اس سورۃ کے درمیان میں ۲۸ ویں آیت میں ''جاثیہ'' کا لفظ ہے جس پر اس سورے کا نام ہے اور جاثیہ کے معنی ہیں'' گھٹنے ٹیکنے والا''

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ میں دو اہم موضوع ہیں ایک پہلے بیان کیا گیا ہے آیت نمبر 1 سے 19 تک اور دوسرا 20 سے 37 تک۔ پہلے میں اہم بات جو 18 ویں آیت میں کھل کر بیان کی گئی ہے وہ دین میں اختلاف پھیلا کر اکثر فرقے بنا ڈالنے کے حوالے سے ہے اور پروردگار پہلی پانچ سورتوں کی طرح ''حٰـم'' یعنی اپنی کتاب کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ قرآن مجید کی عظمت اس کی حکمت کی وجہ سے ہے اور جن صاحبان یقین وایمان نے اس کلام کی حکمت کو پہچان لیا بس وہی ہمارے نیک بندے ہیں اور جنہوں نے اس کا مذاق اڑایا انہیں جان لینا چاہئے کہ ان کا کوئی بھی عمل یہاں تک کہ ان کی توبہ واستغفار بھی انہیں قیامت کے عذاب سے نہ بچا سکے گی۔ پھر بنی اسرائیل کو دی جانے والی توریت کے حوالے سے بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے ان کو معاملات کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور کتاب کو سمجھنے کی عقل وفہم دی، ملکی معاملات چلانے کی صلاحیت بخشی، دین کی تبلیغ کے لئے نبوت عطا کی سارے جہاں پر فضیلت دی، معجزات دیئے مگر جواب میں انہوں نے کیا کیا؟

انہوں نے آپس کی ضد اور عداوت کی بناء پر گروہ بندی اختیار کر لی اور اے فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو اے رسولؐ تمہارے دین میں بھی یہ لوگ فرقہ بندی کرائیں گے مگر تمہارا پروردگار قیامت کے دن اختلافات کا فیصلہ کرے گا اور صرف ایک فرقے کو برحق قرار دے کر باقی سب کو عذاب کے شکنجے میں کس دے گا اور وہ فرقہ وہ ہوگا جو اس شریعت پر قائم ہوگا جو ہم تمہیں اس قرآن کے ذریعے دے رہے ہیں وہ شریعت جس پر تم عمل کر کے اس عمل وعلم کو اپنے وارثوں یعنی ولایت وامامت کے حوالے کرو گے ہم نے ایک راستہ قائم کر دیا ہے مگر تمہارے بعد لوگ اس راستے سے

لوگوں کو ہٹانے کی کوشش کریں گے یہ ۱۸ ویں آیت ہے " ثمة جعلنک علی شریعته من اللّه فاتبعها ولا تتبع اهو لذین لا یعلمون O پھر ۱۹ ویں آیت میں کہا گیا ہے کہ اسی شریعت کو ہم نے آخری راستہ مقرر کیا ہے جو اس پر چلے گا وہی متقی اور پرہیزگار ہوگا۔ اس لئے اکثر مفسرین نے اسے سورۃ شریعت بھی کہا ہے۔ دوسرے حصے میں قیامت سے متعلق فیصلے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اے رسولؐ! ذرا دیکھو ان کم عقلوں کو خود ہی بت تراشتے ہیں اس کی عبادت کرتے ہیں پھر کوئی ذرا زیادہ خوبصورت بت تراش لے تو پہلے کو چھوڑ کر دوسرے کی جو زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں تو یہ بتوں کی پوجا نہ ہوئی یہ تو ان کی خواہشوں کی پوجا ہوئی اس لئے اللہ نے ان کو گمراہی میں چھوڑ دیا اور ان کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے کہ فرشتے آسانی سے ان کو پہچان لیں اور ان کی وہ کتاب جو ڈائری کی صورت میں کاتبین یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے لکھ رہے ہیں جب وہ ڈائری جس میں ان کا ایک ایک عمل لکھا ہوگا چھوٹی سے چھوٹی بات بھی درج ہوگی جس کو انجام دیتے وقت یہ سمجھتے تھے کہ کوئی ان کو نہیں دیکھ رہا اور نہ کہیں میرے اعمال کی پوچھ گچھ ہوگی تو یہ جان لیں کہ وہ فیصلے کا دن آ کر رہے گا جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں جیسے یہ جھٹلاتے ہیں اور خدا کو اپنے پیدا کرنے، پالنے والے اور نعمتیں دینے والے کو بھلا بیٹھے ہیں تو جس طرح دنیا میں انہوں نے ہم کو نظر انداز کر دیا تھا اور ہماری کسی بات پر توجہ نہیں دیا کرتے تھے تو اس فیصلے کے دن ہم بھی ان کو نظر انداز کر دیں گے۔ اس وقت ہر امت کے لوگوں پر خوف دہراس طاری ہوگا وہ گھٹنیوں کے بل ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے ۲۸ ویں آیت وتری کل امته جاثیه کل امته تدعیٰ الی کتبها الیوم تجزون ما کنتم تعملون " یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھے اپنے متعلق فیصلے کا انتظار کر رہے ہوں گے اور جو اعمال نامہ جس کسی کا ہوگا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا اس میں سب سچی سچی باتیں لکھی ہوں گی ہر ایک سے ایک ایک بات کا جواب طلب کیا جائے گا اور اسوقت اُن پر جو مصیبت نازل ہوگی اسے کوئی ہٹانے والا نہ ہوگا البتہ جو اعمال صالحہ کرنے والے ہوں گے رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہوگی اور یہ ان لوگوں کے لئے کتنی بڑی کامیابی ہوگی جنہوں نے دنیا میں ناکامی کو آخرت کی کامیابی سے خرید لیا تھا۔

سورۃ الاحقاف

تعارف: اس سورۃ کی آیت نمبر 21 میں ''اذا انذر قومہ بالاحقاف'' سے ماخوذ ہے۔ ''احقاف'' ایک جگہ کا نام ہے جو جزیرہ نما عرب کے مشہور شہر نجد حضرموت اور عمان کے درمیان احقاف ہے ویسے ''احقاف کے معنی اُڑنے والی ریت ہے'' جو ہواؤں کے ذریعے جنگلوں اور بیابانوں میں ڈھیر کی صورت میں جمع ہوتی رہتی ہے چونکہ اس سورۃ کی آیت نمبر 29 سے 32 تک اس ''قوم عادؑ'' کے عذاب کا ذکر ہے جو اس ریگستان میں آباد تھی یہ حضرت ہودؑ کی قوم تھی جسے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب سے دوچار کیا تھا اور یہ قوم بہت طاقتور قوم کہلاتی تھی وہ جسمانی لحاظ سے بھی بہت لمبے قد و قامت کے طاقتور لوگ تھے اور مال و دولت اور وسائل کے لحاظ سے بھی پروردگار نے 21 ویں آیت تک ان قوم عاد کے لوگوں کے بارے میں کہا کہ ''اے اہل مکہ تم قوم عاد سے زیادہ طاقتور نہیں ہو جو احقاف میں آباد تھے ہم نے انہیں وہ قدرت دی تھی جو تمہیں نہیں دی مگر جب ان کی آنکھوں، کانوں اور عقلوں نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور وہ مسلسل خدا کی آیات کا انکار کرتے رہے تو ہم نے آخرکار انہیں ہر طرف سے گھیر لیا، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام الاحقاف ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کے بھی دو بہت اہم موضوع ہیں پہلا تو یہی کہ اہل مکہ جو ہٹ دھرمی پر اترے ہوئے تھے انہیں بتایا جا رہا ہے اسی طرح کتاب کی عظمت کے بیان سے آغاز ہو رہا ہے جیسے پچھلی چھ سورتوں میں ہوا اور یہ اس ''حٰمٓ'' کے حوالے سے آخری اور ساتویں سورۃ ہے کہ یہ کتاب عزیز اور حکیم خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور اے رسولؐ کہہ دیجئے اس قوم سے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں مجھ سے پہلے جو کچھ تم انبیاء کے ساتھ کرتے رہے ان کا انجام دیکھ لو پھر قوم عاد جس کو حضرت ہودؑ نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا مگر وہ سرکش قوم ایمان نہ لائی تو ہم نے ان جیسی

طاقتور قوم کو ہلاک کر ڈالا تو اے اہل مکہ تم تو ان سے بہت کمزور ہو اور تمہاری بدبختی کا سرچشمہ ہی جہالت ہے جس میں غرور و تکبر بھی اس قدر موجود ہے کہ یہ جہالت تمہیں خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اور کتابوں کے مطالعے اور اس پر غور و فکر کی اجازت نہیں دیتی۔

دوسرا اہم موضوع اس سورۃ کا آیت نمبر 29 سے 32 تک جنوں کے قرآن سن کر ایمان لانے سے متعلق ہے اور حدیث و سیرت کی رو سے یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپؐ طائف سے مکہ معظمہ کی طرف پلٹتے ہوئے نخلہ کے مقام پر ٹھہرے تھے۔

جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالب اور بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات حضورؐ کی زندگی کا پہلا اتنا بڑا صدمہ تھا کہ آپ نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا وہ آغاز نبوت سے آپ کے ایسے مددگار ساتھی تھے اور اتنے بڑے محسن اسلام ہیں یہ دونوں شخصیتیں کہ اگر ان کو تبلیغ دین کے وہ دو ستون کہا جائے جن پر اسلام کی بنیادی عمارت قائم ہوئی تو بے جا نہ ہوگا' ان کے انتقال کے بعد کفار مکہ آپؐ کے مقابلے میں اور زیادہ دلیر ہو گئے اور آپ پر مظالم کی وہ انتہا کی کہ آپ کا گھر سے نکلنا بھی مشکل ہو گیا آخر کار آپ اس ارادے سے طائف تشریف لے گئے تا کہ وہاں کے قبیلوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ بھی کریں تو کم از کم انہیں اس بات پر آمادہ کر لیں کہ وہ آپ کو چین سے بیٹھ کر کام کرنے دیں آپ کو اس وقت کوئی سواری تک میسر نہ تھی اور مکہ سے طائف تک کا سفر آپؐ نے پیدل طے کیا مگر طائف کے قبیلے بنو ثقیف کے سرداروں نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اپنے ہاں کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا وہ راستے پر آپ پر آوازیں کسے اور گالیاں دیتے اور پتھر مارتے چلے گئے یہاں تک کہ آپ زخموں سے چور ہو گئے اور آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں اسی حالت میں آپ طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور اپنے رب سے دعا کی کہ ''اے خداوند میں تیرے حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں اے ارحم الراحمین تو سارے کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی رب ہے مجھے کس کے

حوالے کررہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو مجھ سے درشتی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جو مجھ پر قابو پالے؟ اس دعا کے فوراً بعد آپ نے تلاوت قرآن شروع کی ہی تھی کہ آپ کو محسوس ہوا کہ آسمان پر ایک بادل سا چھایا ہوا ہے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام سامنے تھے انہوں نے پکار کر کہا کہ آپ کی قوم نے جو کچھ کیا اللہ اس سے واقف ہے اور آپؐ نے اس کے جواب میں صبر کے ساتھ اسی کی طرف رجوع کیا اللہ نے اسے سن لیا اب یہ پہاڑوں کا منتظم فرشتہ آپؐ کے حکم کا منتظر ہے یہ فرشتہ آپؐ کو سلام پیش کرتا ہے اور آپ فرمائیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ان پر الٹ دوں'' آپ نے جواب دیا نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا کرے جو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کریں اس کے بعد آپؐ نے طائف سے روانگی شروع کی اور مکہ کی طرف واپسی میں سفر کے دوران جب آپؐ ایسی جگہ پہنچے جسے ''وادیِ جن'' کہا جاتا ہے ویسے اس مقام کو جہاں یہ خاص واقعہ پیش آیا ''نخلہ'' کہا جاتا ہے۔ رات ہو چکی تھی آپؐ نے نماز پڑھ کر تلاوت قرآن شروع کی کہ ''نصیبین اور نینوا'' جسے اب کربلا کہا جاتا ہے کربلا کا پہلا نام ''نینوا'' تھا اس جگہ کے رہنے والے سات جنوں کا وہاں سے گزر ہوا آیت نمبر 29 اور 30 کے مطابق وہ قرآن مجید کی تلاوت سن کر ٹھہر گئے چونکہ یہ جنوں کا وہ گروہ تھا جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ موسیٰؑ کے بعد آسمانوں سے خبروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے (اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گروہ جن توریت کا ماننے والا تھا) جب تلاوت کلام پاک کی آیت میں انہیں توریت کی خوشبو محسوس ہوئی تو وہ رک گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش رہو'' جب آپ نے تلاوت مکمل کی تو وہ ظاہر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا پھر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور انہیں اسلام لانے کی دعوت دی ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے اور اپنے مبلغین کے ہمراہ پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے مذہب اسلام کی مکمل تعلیمات حاصل کیں اسی موقع پر مندرجہ بالا آیات نمبر 29 سے 32 تک سورۃ ''جن'' نازل ہوئی۔ چونکہ ان کی قوم کے جو افراد ایمان لاتے جاتے تھے وہ وفود کی شکل میں آپ کے پاس آتے تھے اور اپنے مسائل دریافت کرتے تھے۔ اس سورۃ

میں یہی ایک خاص بات ہے جو بہت اہم ہے کہ اللہ نے آپ کو خوشخبری دی انسان جو اشرف المخلوقات ہیں وہ چاہے تمہاری دعوت سے بھاگ رہے ہوں مگر بہت سے جن ان تعلیمات کے گرویدہ ہو گئے اور وہ اسے اپنی قوم میں پھیلا رہے ہیں۔ اب ایک اور نکتے کی وضاحت ضروری ہے بہت ساری تفسیروں میں جنات کے متعلق غیر ضروری باتیں کی گئی ہیں کہ وہ کون ہیں کیا کھاتے ہیں ان کی ازدواجی حیثیت کیا ہے مگر میں ان سب بحثوں کو نظر انداز کر کے ایک نکتے کی طرف ضرور توجہ دلانا چاہتی ہوں کہ ہماری طرح ان کی بھی ایک شریعت ہے وہ ہم سے کتنی مختلف ہے آیا وہ ہماری ہی طرح نماز ادا کرتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں یا کچھ اختلاف ہے نیز یہ کہ وہ ہمارے ساتھ تمام نعمتوں میں شریک ہیں یا نہیں؟ بہت سی آیات یہ بتاتی ہیں کہ روزِ حشر ہماری طرح ان کا بھی احتساب ہوگا اور سورۃ رحمٰن کی یہ آیت "فبا ای الاء ربکما تکذبٰن" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اللہ کی نعمتوں میں شریک ہیں۔ ایمان لانا بھی ان کے لئے ضروری ہے قرآن جو ہمارے لئے باعث ہدایت ہے ان کے لئے بھی ہے خدا کی توحید اور رسولؐ کی رسالت پر وہ بھی ایمان لاتے ہیں ہاں البتہ ان کا طریقہ عبادت مختلف ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ ہماری جنس سے نہیں ہیں۔ احادیث نبوی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہماری طرح کافر و مومن ان کے یہاں بھی ہوتے ہیں حضرت علیؑ کا بزورِ علم کافر جنوں کو قتل کرنا اس کا ثبوت ہے اور صاحب ایمان مومن جنوں سے لوگوں کو فائدے بھی پہنچے ہیں۔

یہ خوشخبری سنانے کے بعد اس سورہ کے آخری حصے میں کہا جا رہا ہے کہ انبیائے اولوالعزم وہ لوگ ہیں جو صاحب شریعت تھے نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ ان میں سے ہر ایک نبی نے اپنے سے پہلے نبی کی شریعت کو منسوخ کر کے Latest Modern شریعت کو نافذ کیا۔ اس لئے حضورؐ سے بھی کہا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے انبیائے الوالعزم نے اپنی اپنی امتوں کے ظلم پر صبر کیا تم بھی کرو ان کے عذاب میں جلدی نہ کرو جب وقت عذاب ان کے سر پر آ جائے گا تو ان کو اپنی زندگی کا ایک دن ایک گھڑی کے برابر معلوم ہوگا۔

سورۃ نمبر ۴۷

آیات: ۳۸

مقام نزول: مدینہ

سورۃ محمد

تعارف: چونکہ اس سورہ کے شروع ہی میں دوسری آیت میں ہمارے پیغمبر آنحضرت خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام درج ہے اسی لئے اس سورہ کا نام حضرت محمدؐ کے نام پر ہوا اور اس کا ایک نام سورہ قتال بھی تجویز ہوا جو کسی مفسر نے ٹھیک جانا اور کسی نے کہا نہیں محمدؐ ہی مناسب ہے اس لئے یہ سورہ محمدؐ کے نام معروف ہے۔

یہ سورہ مدنی ہے اس سے پہلے ہم دیکھ رہے تھے کہ زیادہ تر سورتیں مکی تھیں اور تبلیغ دین کے آغاز سے دوران تبلیغ نازل ہونے والی سورتیں تھیں اس لئے ان کا لہجہ یا تو افہام یا تفہیم یا نرمی سے بات کرنے اور کبھی سخت تنبیہ اور کبھی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا تھا لیکن اب مدنی سورتوں میں اللہ کے کلام کا لہجہ تبدیل ہو رہا ہے زیادہ تر محتاط رہنے اور خبردار و ہوشیار رہنے اور یہ معلومات فراہم کرنے کے لئے ہے کہ محمدؐ تمہارے آس پاس جن لوگوں کا مجمع جمع ہو رہا ہے انہیں پہچان لو کہ وہ کون لوگ ہیں اسی لئے مدنی سورتوں میں منافقین کا بہت تذکرہ ملتا ہے۔ جبکہ مکی سورتوں میں ایسا نہیں ہے کیونکہ منافقت اور نفاق کا مسئلہ اسلام کی کامیابی اور اس کے مکمل طور پر نافذ ہو جانے کے بعد پیدا ہوا اس لئے کہ مخالفین کی طاقت کمزور ہو گئی تھی اور وہ کھلم کھلا طور پر اسلام کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا وہ بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے دائرے میں آئے تاکہ اس طرح سے وہ مسلمانوں کے غیض و غضب سے بچے رہیں لیکن باطنی طور پر مختلف سازشوں میں مصروف رہے۔ مدینے کے یہودی جو فوجی اور اقتصادی لحاظ سے بہت طاقتور تھے وہ بھی منافقین کی پشت پناہی کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہودیوں نے انہیں ایک منصوبے کے تحت سچے مومنین کی صفوں میں گھسا دیا۔ یہ لوگ جب نماز جمعہ اور دیگر اجتماعات میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قرآنی آیات کے مقابلے میں ان کا ردعمل ان کے دلوں کی بیماری کا آئینہ دار ہوتا لہٰذا اسی سورہ کی

16 ویں آیت میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ "ان منافقین میں سے کچھ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تمہاری باتوں کو کان لگا کر سنتے ہیں لیکن جب تمہارے پاس سے اٹھتے ہیں تو اپنے ساتھ اٹھنے والے اہلِ علم و دانش سے تمہاری باتوں کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے ہیں ابھی اس شخص نے کیا کہا تھا" لہٰذا ایسے ہی لوگوں سے اسلام کو جو شدید خطرہ اور نقصان قیامت تک رہے گا ان کے بارے میں جنگ اور جہاد کے حوالے سے اور کفر اور ایمان کے مسئلے پر اہم گفتگو کی گئی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

مجموعی طور پر تو اس سورہ میں جس اصل مسئلے پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ "جنگ" کا مسئلہ ہے اور باقی مسائل اسی محور کے گرد گھومتے ہیں کیونکہ یہ سورہ مدینے میں اس وقت نازل ہوئی ہے جب دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ عروج پر تھی۔ بعض مفسرین کے خیال میں یہ سورۂ جنگ احد کے دوران یا اس سے تھوڑے عرصے بعد نازل ہوا ہے۔ اس جنگ میں چونکہ کھل کر مومنین، کفار اور منافقین کی صفوں کا فیصلہ ہوا ہے اس جنگ نے اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کیا ہے اس لئے کہ اس میں جنگ کے حربے اور جنگ کی اخلاقیات پر بحث کی گئی ہے۔ اسی لئے اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک فاتح کا رویہ شکست خوردہ کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے، جنگی قیدیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہئے اور جو لوگ جنگی قیدیوں میں امیر یا صاحبِ استطاعت ہوں وہ اگر سزا کی سختی کم کرنا چاہیں تو اس کے بدلے ان سے بھاری رقم وصول کی جائے تاکہ سزا کی سختی بھی برقرار رہے اور انصاف کا تقاضا بھی پورا ہو جائے۔ اب اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے آغاز میں ہی آیت نمبر 1 سے 9 تک کہا جا رہا ہے کہ یہ مشرکین و منافقین روز تمہیں ستانے کے منصوبے بناتے ہیں کبھی تمہارے اونٹ بھگا لے جاتے ہیں کبھی کسی ایک مسلمان کو تنہا پا کر شہید کر دیتے ہیں کبھی تمہارے قافلے لوٹ لیتے ہیں اب بہت ہو گئی تم ڈٹ جاؤ ان کا مقابلہ کرو اور جنگ میں جو لوگ ہاتھ لگیں ان کی کس کر مشکیں باندھ دو اور اتنا مارو کہ یہ زخموں سے چُور چُور ہو جائیں اور جب تک یہ ہتھیار نہ ڈالیں اور تمہارے

مقابل جنگ سے باز نہ آئیں ان کے مقابلے سے ہی نہ چراؤ اور جن کو تم قیدی بنالو یا تو ان پر احسان رکھ کر اور یہ وعدہ لے کر چھوڑ دو کہ آئندہ ایسا نہ کریں گے یا پھر رہائی کے بدلے میں کوئی بھاری رقم ان سے لے لو۔

مکہ والوں نے کونسا ظلم ایسا تھا جو حضورؐ پر نہ کیا ہو مگر آپ مکہ کی محبت میں وہ تمام مظالم جھیلتے رہے لیکن جب یہ ظالم سرحد پار کر گئے اور رسولؐ کے قتل کا ارادہ کیا تب حکم خدا ہوا کہ اے رسولؐ اب تم یہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ آپؐ انتہائی پریشانی میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ راہ میں مُڑ مُڑ کر مکہ کی طرف دیکھتے جاتے تھے اور فرطِ محبت میں فرماتے کہ اے مکہ تو مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے اگر یہاں کے لوگ میرے قتل کا ارادہ نہ کرتے تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔ پھر آپؐ نے اپنے علمؑ امانت اور صداقت کے وارث حضرت علیؑ کے سپرد لوگوں کی امانتیں کیں۔ چونکہ جانتے تھے کہ حضرت علیؑ ہی وہ امین ہیں جو امانتوں کو اس طرح لوٹا دیں گے انہیں اپنے بستر پر سلایا اور مکہ سے نکل گئے۔ حضرت علیؑ سے کہا کہ امانتیں لوٹا کر مدینہ پہنچ جانا۔ اگلی آیتوں میں یہی پیشن گوئی کی گئی ہے۔

آپؐ کے ہجرت کرنے کے بعد مشرکینِ مکہ بہت خوش تھے کہ محمد ﷺ کی وجہ سے ہمارے دین پر جو مصیبت آ گئی تھی وہ ٹل گئی‘ لیکن بہت جلد ان کو پتہ چل گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کا انجام کیا ہوا۔ چند ہی سال کی لڑائیوں میں ان کے نامی گرامی سردار مارے گئے اور ان کا عسکری نظام اتنا درہم برہم ہوا کہ پھر ان میں حضرت سے لڑنے کی طاقت باقی نہ رہی۔ آٹھ ہی سال بعد ان ظالموں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ جس رسولؐ کو انہوں نے بے کس سمجھ کر بے بس بنا کر مکہ سے نکالا تھا وہ کس فاتحانہ انداز سے اُسی مکہ میں داخل ہو رہا تھا اور وہ ظالم کس ذلت کے ساتھ مجرمانہ حیثیت سے ان کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ آیت نمبر 13 میں ہی کہا جا رہا ہے کہ ''اے رسولؐ جس بستی (یعنی مدینہ) سے ان لوگوں نے تمہیں نکالا اس سے کہیں زیادہ طاقت و قوت رکھنے والی بہت سی بستیاں تھیں جو ہم نے تباہ کر دیں‘ ایسی حالت میں کوئی ان کا

ناصر و مددگار نہ رہا۔

مسلمانوں سے اسی سورہ میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ ہم ان کو بغیر لڑائے بھی تباہ کر سکتے تھے لیکن ہم نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ تمہاری قوت ایمانی کا امتحان لے لیں اور یہ دیکھ لیں کہ محبت دین اور حمایتِ حق میں تم کس طرح سر بکف ہو کر لڑتے ہو۔ مسلمانوں یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم میری مدد کرو گے یعنی میرے دین کی حفاظت و حمایت کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور آخر میں جنت اور دوزخ میں جانے والوں کے کردار کا موازنہ کرتے ہوئے دوزخ کی بھڑکی ہوئی آگ اور جنت کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ نعمتیں اور عذاب جن کو ملے گا ان کی پہچان بتاتے ہوئے آیت نمبر 19 سے 21 تک میں کہا جارہا ہے کہ انسان ہر وقت طلب مغفرت کرے۔ صرف اس وقت نہیں جب گناہ سرزد ہو جائے بلکہ یہ بھی دعا کرے کہ پروردگار اسے آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دے۔ جب اس آیت میں یہ کہا گیا کہ رسول تم اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرو تو (نعوذ باللہ) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسولؐ نے گناہ کیے ہیں رسول تو جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ معصوم ہوتا ہے اس سے عمداً یا سہواً کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں۔ اس آیت سے مراد امت کے لوگ ہیں جن کو مخاطب کیا جارہا ہے آخری آیتوں میں منافقین کا پردہ چاک کیا جارہا ہے۔

کفار و مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ہمارے لئے جہاد کا حکم کیوں نازل نہیں ہوتا تاکہ ہم کافروں سے جی کھول کر لڑیں اور مارے جائیں تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو لیکن جب جہاد کا حکم آگیا تو جو منافق مومنوں میں ملے ہوئے تھے اور اپنے کو تیس مار خان ظاہر کرتے تھے وہ اہلِ ایمان سے نظریں چرانے لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ لڑنے والے کہاں تھے بس یوں ہی شیخیاں مارا کرتے تھے۔ حکم جہاد جوں ہی کھلے لفظوں میں آیا تو ان کی جان پر بن آئی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف امید سے دیکھنے لگے کہ شاید حضرت خود ہی جہاد سے گریز کریں یا کم از کم ہمیں جہاد کے قابل نہ سمجھ کر لڑنے کے لئے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ بھلا ایسے لوگ فی سبیل اللہ کہاں لڑتے ہیں اگر شرما شرمی ساتھ چلے بھی جاتے تو سوائے اس کے کہ بھاگنے کے لئے راہیں

تلاش کریں وہ مدینے سے نکلتے ہی نہیں تھے۔ بہانے تراشنے کے ماہر تھے' کبھی کہتے حضورؐ ہمارے گھر خالی ہو جائیں گے صرف عورتیں رہ جائیں گی اور جب کوئی مرد ہی نہ رہے گا تو دشمن آسانی سے لوٹ کرلے جائے گا' کبھی کہتے ہمارے باغوں میں پھل پکے ہوئے ہیں اگر ہم نہ ہوں گے تو کون توڑے گا کون بیچے گا' کبھی کہتے موسم ٹھیک نہیں ہے' کبھی کہتے ہم بیمار ہیں اور وہیں گر پڑتے اور ظاہر کرتے کہ بیماریوں کی وجہ سے قابلِ سفر نہیں۔ مگر جو سچے مومن تھے ان کا حیلہ سازیوں اور فریب کاریوں سے دور دور تک بھی کوئی واسطہ نہ تھا وہ تو فوراً تیار ہو جاتے تھے۔

اس سلسلے کو قائم رکھتے ہوئے آیت نمبر 22 سے 31 تک اس سورہ کے مرکزی نکتے کی نشاندہی ہو رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ''منافقوں کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین میں فساد پھیلانے کے سوا اور کچھ نہ کرسکو یہ وہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے'' ان دس آیات کو کم وبیش سارے مفسرین نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ہی مطلب دینے پر مجبور ہیں۔ کچھ مفسرین اس کے واضح مطلب کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اور سچائی کی اس سے بڑی دلیل اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے آپ کو اپنے دشمنوں سے بھی منوالیتی ہے۔

اب ان آیات میں یہی گفتگو ہو رہی ہے کہ اصحابِ رسولؐ میں کچھ ایسے لوگ مومنین کے ساتھ گھس گئے تھے جن سے یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ حاکم ہو جائیں گے تو اپنی حکومت کے زور پر فساد برپا کریں گے اور اپنی خود غرضی کی بنا پر اپنے رشتے داروں سے نہ صرف قطع تعلق کرلیں گے تاکہ مسلمانوں کو پکا یقین دلا دیں کہ دیکھو ہم اتنے پکے مسلمان ہیں کہ صرف اسلام کی خاطر ہم نے اپنے ان غریب نادار اور مفلس رشتہ داروں کو چھوڑ دیا چونکہ وہ ابھی تک کفر کے راستے پر قائم ہیں اور اس طرح لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسلام کے نام پر ہم جو بھی قانون اور شریعت نافذ کردیں گے لوگ ہمارے ایمان پر انگلی نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ دس آیات ان منافق مسلمانوں کے بارے میں ہیں جو بظاہر دائرۂ اسلام میں تھے اور رسولؐ کے صحابی بھی بنے ہوئے تھے اور باطن میں اسلام کے دشمن بھی تھے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں خصوصاً 24 ویں آیت میں

سخت لعنت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے ان کانوں کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے اور ان کے دلوں پر تالے ڈال دیئے ہیں اس لئے یہ کلمۂ حق سننے اور حقیقت امر کو دیکھنے سے قاصر ہیں یہ لوگ قرآن میں غور کرنے کے بجائے اس سے بیزار رہیں گے اور حکومت ملنے کے بعد ان کی کوشش ہوگی کہ یہ اپنی حکومت کے زور پر اس کلام کے معنی اور مطالب کو بدلوا دیں اور اس قرآن کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیں چونکہ ان پر شیطان کا غلبہ موجود رہے گا تو ہم بھی ان کی تمناؤں اور خواہشوں کو ڈھیل دے چکے ہیں۔

آیات نمبر 27 سے 31 تک انہی اصحاب کے کردار کو دوبارہ واضح کرنے کے لئے پروردگار کہہ رہا ہے کہ اے رسولؐ یہ بظاہرہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور تمہارے صحابی بنے ہوئے ہیں مگر باطن میں اسلام کے دشمن ہیں' فرشتے ان کی پشت اور چہروں پر کوڑے ماریں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ جس چیز سے خدا ناخوش ہے اس کی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس میں خدا کی خوشی ہے اس سے بیزار ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہلا کر مسلمانوں کو تو بیوقوف بنا سکتے ہیں مگر یہ رضوان الٰہی کو کیوں ناپسند کرتے ہیں۔ پھر آیت نمبر 29 میں کہا جا رہا ہے کہ اس لئے کہ یہ رسولؐ کے لئے دل میں کینہ رکھتے ہیں کہ ان کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا ان کے دل کے کینوں اور بغض کو کبھی ظاہر نہ کرے گا مگر خدا سے کوئی کیونکر چھپ سکتا ہے۔ پھر آیت نمبر 30 میں کہا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم ان کے چہرے دیکھتے ہی پہچان لوگے کہ یہ منافق ہیں تم ان کی پیشانی اور گفتگو سے ان کو پہچان لوگے اور ہم تم لوگوں کو جہاد کا جو حکم دیتے ہیں تو اس لئے کہ تم کو جانچ سکیں' آزما سکیں کہ تم میں سے کون سچے دل سے اپنی جان دینے کے لئے تیار ہے اور جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ان پر صبر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی جانچ تو جنگ کے موقعوں پر ہی کی جاتی ہے ورنہ دسترخوان پر تر لقمے اڑانے والے تو بے شمار ہوتے ہیں۔ یہ غزوات اور جنگیں ہی تھیں جنہوں نے مومنوں سے منافقوں کو جدا کیا اور ان کے زبانی دعوؤں کی قلعی کھول دی۔ اب ان آیات میں دوست اور دشمن کی پہچان بتا دی گئی ہے پھر بھی ہم بغیر کسی تحقیق اور غور وفکر

کے تمام اصحاب کو عادل قرار دیتے ہیں مگر یہاں خدا کا کلام کچھ اور ہی کہہ رہا ہے اگر سب عادل تھے تو ان کی شان میں ایسی آیات کا نزول سخت تعجب میں ڈالتا ہے۔

یہ جو جہاد کے موقع پر جانچ کرائی جارہی ہے سچے مومنین کی وہ بھی قیامت تک کیلئے ہے کیونکہ رسولؐ خدا کے بعد جب شریعت تبدیل ہونی شروع ہوئی اور ہوتے ہوتے امیر معاویہ کے دور میں دین مکمل طور پر بادشاہت میں تبدیل ہونے لگا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان لوگوں سے جو خود کو حضرت علیؑ کا شیعہ کہتے تھے (شیعہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دوست اور Supporter) کے ہیں تو آپ ان سے کہتے تھے کہ اگر تم اسلام کے ہی دوست نہیں ہو تو میرے دوست کیسے ہو سکتے ہو۔ جب میں تم سے کہتا ہوں کہ اسلام کو بچانے کے لئے منافقوں سے جہاد کرو تو تم کہتے ہو کہ نہیں دین میں فساد کرنا منع ہے چونکہ ایسا کہنے کے لئے تمہیں امیر معاویہ کہتا ہے اور اس کے بدلے میں تم اس کے دسترخوان پر موجود رہتے ہو۔ چونکہ اس کا دسترخوان بہترین کھانوں سے سجا ہوتا ہے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دسترخوان پر کبھی سوکھی روٹی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور کبھی وہ بھی نہیں ہوتی۔ ہاں تم نماز پڑھنے کیلئے حضرت علیؑ کے پیچھے آجاتے ہو کہ نماز آپ کی ٹھیک ہے تو کیا مجھے بیوقوف بنا کر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم خدا کو بھی بیوقوف بنا لو گے' تم ایسا ہرگز نہ کر پاؤ گے تمہاری جانچ ہو رہی ہے۔ تم نہ میرے شیعہ ہو نہ رسولؐ کے شیعہ ہو اور نہ خدا کے شیعہ ہو' تم تو بس اپنی غرض کے بندے ہو لیکن یہ تھوڑی اور عارضی زندگی ہے جس کو تم مستقل سمجھ رہے ہو۔ تم نے منافق کا ساتھ دے کر اپنے اعمال کو ضائع کر دیا ہے اور آخری آیات میں دنیا کے اعمال کے اجر کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ خدا جانتا ہے کہ تمہیں مال سے کتنی محبت ہے اگر وہ تم سے ساری دولت مانگ لے تو کیا تم دے دو گے۔ نہیں تم بخل سے کام لو گے مگر یاد رکھو جو بخل سے کام لے گا وہ اپنے ہی لئے نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مال کی ضرورت نہیں وہ تو غنی ہے تم سب اس کے محتاج ہو اس لئے اس دنیا کی راحت کو دھیان میں نہ لاؤ اگر تم ایمان اور پرہیزگاری کو اپنائے رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔

سورۃ نمبر ۴۸ آیات: ۲۹

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الفتح

تعارف: اس سورہ کا آغاز چونکہ ''فتح مبین'' عطا کرنے کے اعلان سے ہوا ہے۔ اس لئے اس سورہ کا نام یہ ہوا۔ اس کے خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) تعلیم رسول کا حکم، پیغمبر خدا سے بیعت، اللہ سے بیعت اور آپ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔

(2) کچھ مسلمانوں کی رسول کے لئے بداندیشیاں کہ اب آپ زندہ واپس نہیں آئیں گے۔

(3) بیعتِ شجر کا ذکر اور خالق کا اعلانِ خوشنودی۔

(4) حدیبیہ میں جنگ نہ ہونے دینے کا سبب۔

(5) صلح حدیبیہ سے غیر مطمئن افراد کو مطمئن بنانے کی کوشش اور رسولؐ کے حقیقی ساتھیوں کی شان۔

(انا فتحنا لک فتحا مبینا) ہم نے تیرے لئے واضح کامیابی فراہم کر دی۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں پیغمبرؐ کو ایک عظیم بشارت دی گئی ہے۔ ایسی بشارت اور نمایاں کامیابی جس کے آثار اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں مختصر عرصے میں ظاہر ہو گئے۔ یہاں مفسرین کے درمیان ایک عظیم بحث ہوئی ہے کہ اس فتح سے مراد کون سی فتح ہے؟ اکثر مفسرین نے اس عظیم کامیابی کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو ''صلح حدیبیہ'' سے مسلمانوں کو نصیب ہوئی، ایک گروہ مفسرین اسے فتح مکہ کے مسئلہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور بعض مفسرین نے اسے ''فتح خیبر'' سے تشبیہ دی ہے لیکن محققین کی تفسیر ترجمہ نگاروں کی تفسیر کے مقابلے میں زیادہ دل اور عقل کو متوجہ کرتی ہے اس کی رو سے اس آیت میں ''صلح حدیبیہ'' میں جو حکمت عملی اختیار کی گئی ہے اور اپنے جذبات پر قابو رکھ کر جو معاہدہ مشرکین مکہ سے کیا گیا ہے اس کو ترجیحاً فوقیت حاصل ہے اس لئے

اس سورہ کی تفسیر سے پہلے "صلح حدیبیہ" کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

(حدیبیہ مکہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بستی ہے جو ایک ایسے کنویں اور اس کنویں کے قریب درخت کی وجہ سے اسی نام سے منسوب ہے) اور اس سورہ میں اسی درخت کے نیچے رسولؐ کی اپنے اصحاب وانصار سے بیعت لینے کی وجہ سے ہی اس بیعت کو بیعت رضوان کا نام دیا گیا ہے جہاں رسولؐ نے یہ خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ اس عمل سے راضی یعنی اس وقت کے عمل سے راضی ہوا۔

صلح حدیبیہ:

سورہ فتح کی شروع کی 5 آیات کا پس منظر یہ ہے کہ 6ھ میں حضرت رسول ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا کے حکم سے چند اصحاب وانصار کے ساتھ مکہ گیا ہوں، خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے اور عمرہ بجالایا ہوں۔ آپ نے یہ خواب مسلمانوں سے بیان کیا اصحاب یہ سمجھے کہ اس کی تعبیر اس سال ظاہر ہوگی۔ آپ پہلی ذیقعدہ کو 700 آدمیوں کے ہمراہ عمرہ کو روانہ ہو گئے اور قربانی کے اونٹ بھی ساتھ لے گئے جب مکہ کے قریب پہنچے اور احرام باندھا تو جاسوسوں کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ کفار مکہ آپؐ کی آمد کی خبر سن کر جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مکہ کی سرحد پر بھیج دیا ہے۔ اسی اثناء میں جب حضور ﷺ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو آپ کا اونٹ چلتے چلتے رک گیا۔ چنانچہ آپ نے وہیں قیام کیا۔ حدیبیہ میں ایک خشک کنواں تھا اصحاب نے اسے کھودا مگر پانی نہ نکلا، پیغمبرؐ نے معجزانہ طور پر اس کنویں سے اپنے اصحاب کو پانی فراہم کیا۔ اس دوران جنگ کی خبر متواتر آپ تک پہنچتی رہی تو آپؐ نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ تم لوگ جنگ کرو گے یا جب یہ لوگ حملہ کریں گے تب صرف اپنا دفاع کر کے انہیں جواب دو گے۔ اصحاب نے کہا کہ ہم لوگ تو زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں دوسری ہی صورت اچھی ہے۔ جب ان کو پست ہمت پایا تو صلح کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تم مکہ جاؤ

تو ان لوگوں سے کہو ہم جنگ کرنے نہیں آئے ہیں صرف عمرہ بجالا کر چلے جائیں گے مگر حضرت عمرؓ نے عذر پیش کیا کہ اب میرے خاندان میں سے وہاں کوئی نہیں کہ میری مدد کو اٹھ کھڑا ہوگا' مجھے لوگ مار ڈالیں گے آپ عثمانؓ کو بھیج دیں کہ ان کے بہت سے عزیز موجود ہیں۔ غرض جب حضرت عثمانؓ یہ پیغام دے کر بھیجے گئے اور جب وہ مکہ پہنچے اور آپ کا پیغام پہنچایا تو وہ لوگ جہالت پر اتر آئے اور کہنے لگے ہم محمد ﷺ کو مکہ کے اندر نہ آنے دیں گے اگر تیرا جی چاہے تو تو طواف کر لے وہ جب جواب لے کر پلٹنے لگے تو ان کو قید کر دیا اور یہاں اصحاب میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ تب رسول ﷺ نے اصحاب کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ لڑائی سے کبھی نہ بھاگیں گے ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ مارے جائیں یا فتح ہو۔ جب آپ اس بیعت سے فارغ ہوئے تو طرفین سے صلح کی گفتگو ہوئی۔ کئی آدمی اس میں آگے ہو گئے آخر بڑی تُو تُو میں میں کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کو آپ ﷺ نے صلح نامہ لکھنے پر معمور کیا تو ایک ایک لفظ پر وہ وہ تکرار اور بحثیں ہوئی کہ صلح نامہ لکھنا مشکل ہو گیا۔ حضرت علی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم اس کو نہیں مانتے اس کی جگہ بسم اللہ لکھو۔ غرض رسولؐ خدا نے اجازت دی تو حضرت علیؓ نے لکھا پھر آپ نے لکھا ھذا ماضی به محمد رسول اللہ اس پر کفار پھر جوش میں آ گئے اور کہا اگر ہم محمدؐ کو رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا اسے کاٹو' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تو اسے کاٹ نہیں سکتا چونکہ میں تو آپ کی رسالت پر سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ غرض آنحضرتؐ نے خود اسے کاٹا اور محمدؐ بن عبداللہ لکھا پھر صلح نامہ کی شرائط طے ہوئیں جو حسب ذیل ہیں۔

(1) دس برس تک دونوں فریقوں میں جنگ موقوف رہے گی (یعنی دونوں جنگ نہیں کریں گے)

(2) اس سال حضور عمرہ کے بغیر ہی واپس چلے جائیں گے۔

(3) اگلے سال تین روز کے لئے کفار مکہ کو خالی کر دیں گے مگر کوئی مسلمان مکہ میں تین روز سے زیادہ نہیں رہے گا اور ان تین دنوں میں کوئی مسلمان اپنی تلوار نیام سے نہیں نکالے گا۔

(4) زمانہ صلح میں اگر کوئی کافر مسلمانوں سے جا ملے تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔

(5) اگر کوئی مسلمان یا کافر کسی ضرورت سے مکہ یا مدینے جائے تو جان و مال سے محفوظ رہے گا۔

غرض یہ کہ یہ صلح نامہ جوں توں کر کے لکھا گیا مگر اس قدر دب کر صلح کرنے سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوئی اور چاروں طرف طرح طرح کے وسوسے اور خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی نبوت پر مجھے ایسا گہرا شک (نعوذ باللہ) کبھی نہ ہوا تھا۔

اس صلح کے سیاسی، اجتماعی اور مذہبی نتائج:

صلح حدیبیا اگرچہ بہت دب کر ہوئی تھی مگر حقیقتاً اس میں مسلمانوں کی بڑی جیت تھی اسی وجہ سے خدا نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ جس صلح نامہ کو مسلمان اس وقت اپنے لئے بہتر نہ سمجھ رہے تھے اس کی گہرائی میں جائیں تو دیکھیں کہ ”بزدلی اور حکمت میں کوئی تصادم نہیں“ حکمت کیا تھی اس معاہدے میں؟ دس سال جنگ نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ابتدائے اسلام میں جو آئے دن کی لڑائی سے مسلمان پنپنے نہ پاتے تھے اب دس برس کے لئے اطمینان ہو گیا اتنی لمبی مدت میں مسلمان اچھی طرح نہ صرف اپنا سامانِ جنگ درست کر سکتے تھے بلکہ معاشی طور پر بھی بے اطمینانی ختم ہو چکی تھی، تجارت میں جو ہر وقت جنگ کا خوف رہتا تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔

دوسرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ کفار کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ضرور ہوگی اور اس طرح مسلمانوں کو حجت تمام کرنے میں آسانی ہوگی۔

تیسرا فائدہ اس معاہدے کا یہ ہوا کہ اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے سارے جزیرۃ العرب میں راستہ کھل گیا، اور پیغمبر کی صلح طلب طبیعت نے جو آپ کی ذات اور اسلام کے متعلق غلط نظریہ رکھتے تھے ان پر اسلام کا صحیح موقف اور دین کی آفاقیت کا راستہ ہموار کیا۔

اس معاہدے کی سیاسی افادیت کا شہرہ دور دور تک گیا اور پیغمبرؐ نے بڑے بڑے ملکوں ایران،

روم' حبشہ کے سربراہوں اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو متعدد خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس طرح صلح حدیبیہ نے مسلمانوں میں بے حد خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ آپؐ حدیبیہ سے فارغ ہو کر خیبر کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ وہاں کے یہودیوں نے مسلمانوں کو بہت پریشان کیا ہوا تھا اور خدا کی شان دیکھئے کہ وہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہوں نے یہ صلح نامہ تحریر کیا تھا انہی کے زورِ بازو سے خیبر بھی فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو بے تحاشہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نعمتیں تمام کرنے کا ذکر کرتے ہوئے اس فتح کو فتح مبین کہہ رہا ہے اس لئے کہ فتح مکہ کے بعد خدا نے تمہیں راستے پر لگا دیا چونکہ یہ راستہ تمہارے ہر کام میں سہولت پیدا کرنے والا ہے اب اسلام کی ترقی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوگی مگر پھر میں ان لوگوں پر جو حضورؐ کے بارے میں حدیبیہ سے پہلے بدگمانیاں پیدا کر رہے تھے اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا کہ رسول ﷺ تو ہمیں وہاں لے جا رہے ہیں جہاں سے ہم کبھی واپس نہ آ سکیں گے مگر جب یہ لوگ کامیاب واپس آئے اور حضورؐ نے جنگ خیبر کا ارادہ کیا تو یہ مالِ غنیمت کے لالچ میں چلنے پر تیار ہو گئے۔

اب اگلی آیات میں اسی بیعت حدیبیہ کا سلسلہ چل رہا ہے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی لوگوں نے اس درخت کو ایسا متبرک سمجھا کہ اس کے نیچے دور دور سے آ کر نمازیں پڑھنے لگے۔ جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو بلا کر ڈانٹا اور اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ بیعت ہی بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ خدا چونکہ ان کے دلوں کی حالت جانتا تھا کہ سخت پریشان ہیں لہٰذا اس نے ان پر تسکین نازل کی اور اس کے بعد انہیں مالِ غنیمت دلانے کا وعدہ کیا تا کہ وہ خوش ہو جائیں۔ اب "لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ" جن مومنین نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی اللہ ان سے راضی ہوا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ سے رضامندی کا ساری عمر کا پٹہ لکھوا لیا اور مہر لگ گئی۔ اللہ ان سے راضی ہوا کا مطلب یہی ہے کہ ان کے اس وقت کے عمل سے راضی ہوا نہ کہ عمر بھر جو کچھ وہ کرتے رہیں گے۔ ان سب

اعمال سے خوش ہونے کا اقرار نامہ اس نے لکھ دیا اس میں بھی مومن کی شرط لگی ہوئی ہے جہاں کہیں کسی کے ایمان میں کمزوری پیدا ہوگی رضائے الٰہی کا اس سے تعلق نہ رہے گا۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہوا ان سے جن سے اس سے پہلے ناراض تھا ورنہ راضی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ تیسرے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آئندہ جو اعمال ان سے سرزد ہوں گے وہ ان سب پر راضی ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص تمام عمر اچھے کام کرتا ہے لیکن جب اسے آزمائش میں ڈالے یعنی کوئی طاقت جیسے مال و دولت یا اقتدار عطا کرے تو وہ اپنے حسنِ کردار پر قائم نہ رہ سکے اور ایسے اعمال اس سے سرزد ہو جائیں جن سے اللہ بیزاری اور ناراضگی کا اظہار کرتا ہے تو پھر خدا کی رضا کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ بات تو جب ہے کہ جب آخری سانس تک کوئی گناہ ہی سرزد نہ ہو۔

اسی صلح حدیبیہ سے پہلے جب حضورؐ نے خواب دیکھا۔ 6ھ میں تو مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اس کی تعبیر اسی سال ملے گی حالانکہ حضورؐ نے یہ خبر نہیں دی تھی کہ اسی سال ایسا ہوگا بلکہ فتح مبین کی خبر دی تھی چنانچہ اس خواب کی تعبیر میں ذرا سی تاخیر سے مسلمانوں کے ایمان شیشے کی طرح ٹوٹ گئے اور رسول کی رسالت میں بڑے بڑے شک پیدا ہوئے اور وہ خدا سے بدگمان ہو گئے' آپس میں کہتے تھے حضرتؐ نے یہ خواب غلط بیان کیا ہے' خدا نے تو کفار کو اونچا دکھا دیا کوئی کہتا تھا کہ فتح کی بشارت جھوٹی ہے' کوئی کہتا مالِ غنیمت ملنے کا وعدہ جھوٹا ہے۔ یہ سب باتیں ان لوگوں کے ایمان کو ظاہر کرتی ہیں جو جنگیں جیتنے کے بعد اسلام کی طرف ہو جاتے اور جب ذرا مسلمانوں پر کوئی کڑا وقت پڑتا تو بہانے تراشنا شروع کر دیتے۔ مگر اللہ کا رسول کلم رسالت کی بنا پر ان سب کے دلوں کا حال جانتا تھا اسی لئے خیبر میں آپؐ نے فرمایا کہ کل علم اس کے ہاتھ میں دوں گا جو کرار ہے' غیر فرار ہے حیدر جس کا نام ہے۔

سورۂ نمبر ۴۹ آیات: ۱۸

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الحجرات

حجروں کی سورہ

تعارف: ''حجرات'' یعنی وہ چھوٹے چھوٹے مکانات یا رہنے کے ٹھکانے جنھیں آج کل کی زبان میں ''کوارٹرز'' یا کمرے اور ہمارے معیار زندگی کے لحاظ سے ''کوٹھریاں'' ایسے ہی مکانات میں ازدواج رسولؐ کا قیام تھا' انہیں حجرے کہا جاتا ہے۔

جب آنحضرتؐ بیت الشرف میں ہوتے تھے تو ان ہی حجروں میں سے کسی ایک میں تشریف فرما ہوتے تھے اور کچھ لوگ جو بدتمیزی سے ان حجرات کے پیچھے دیواروں کی طرف سے رسولؐ خدا کو پکارتے تھے اس لئے اس سورہ کا یہ نام ہوا۔ خاص مضامین اس سورہ کے یہ ہیں۔

(1) رسولؐ کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت اور رسولؐ کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھنے کی ہدایت۔ جس کا مقصد تعظیم رسولؐ میں اہتمام ظاہر ہے۔

(2) فاسق اور جھوٹے کی خبر دینے پر تحقیق کی ضرورت۔

(3) مسلمانوں کو اس جماعت سے جو باغی ہو جنگ کرنے کا حکم۔

(4) ایک دوسرے کا تمسخر نہ اڑانا' بدگمانی سے بچنا اور دوسرے کے کاموں کی کھوج نہ لگانا۔

(5) غیبت کی ممانعت اور شدید مذمت۔

(6) اسلام آسان ہے اور ایمان مشکل' ایمان کا اصلی معیار۔

(7) اپنے اسلام اور ایمان کا اللہ پر احسان جتانا غلط ہے بلکہ یہ اللہ کا احسان اپنے اوپر ماننا چاہئے کہ اس نے ہدایت قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔

موضوع کی تفصیل:

پہلی ہی آیات میں عربوں کی پستی کو ذہن میں رکھتے ہوئے خطاب ہو رہا ہے ''اول تو

عرب کی اخلاقی حالت یوں ہی گری ہوئی تھی پھر بدو عرب تو کھلے وحشی تھے وہ رسولؐ کے اعزاز، اکرام کو کیا سمجھتے انہیں خصوصیت سے اور تمام مسلمانوں کو عمومیت سے یہ بتایا جارہا ہے کہ کسی معاملے میں اپنی رائے کو خدا اور رسول کی رائے پر مقدم نہ رکھو اور رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو اور اس طرح رسولؐ کے سامنے زور زور سے گفتگو نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں گستاخانہ انداز میں بولا کرتے ہو ورنہ تمہارے سارے اعمال ضبط ہو جائیں گے۔

اس سورہ میں جس کی صرف اٹھارہ آیات میں پیغمبر سے مربوط اور اسلامی معاشرہ میں ایک دوسرے سے تعلق کے بارے میں بہت اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ خصوصاً اخلاقی مسائل کو عنوان بنایا گیا ہے اور اس سورہ کی چوتھی آیت سے اس کی مناسبت ہے جس میں ان حجرات کا ذکر ہے جب آپ اپنی کسی بیوی کے حجرے میں ہوتے تھے اور جاہل مسلمان آپ کو جلدی اور بے صبری سے ان حجروں کے پیچھے بدتمیزی سے پکارتے تھے جیسے عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے" اسی لئے ان آیات میں آغاز ہی میں کہا جارہا ہے کہ اے رسولؐ یہ لوگ تمہارے مرتبے کو نہیں پہنچانتے یہ کم علم تو ہیں ہی لیکن بے وقوف بھی ہیں۔ اگر یہ تمہیں اس طرح حجروں کے پیچھے سے پکارنے کے بجائے کچھ دیر صبر کرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ آپ خود ہی باہر تشریف لے آتے۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے ایسے گناہ بخش دیا کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ کہا جارہا ہے کہ اے ایمان والوں اگر فاسق اور فاجر تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو' ایسا نہ ہو کہ تم اپنی نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچادو اور اپنے فعل پر خود شرمندہ ہونا پڑے۔ ان آیات کا پس منظر بھی یہی ہے کہ ایک شخص ولید بن عقبہ جو حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے اور حضرت عثمان کی خلافت کے دنوں میں کوفے کے گورنر بھی رہے تھے ان سے پہلے سعد بن وقاص گورنر تھے یہ وہ لوگ تھے جو فتح مکہ کے وقت ایمان لائے تھے تاکہ اقتدار میں حصہ مل سکے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان ہی لوگوں نے ایک دن صبح کی نماز چار رکعت پڑھادی تھی اور پھر پلٹ کر نمازیوں سے پوچھا کہ کہو تو اور زیادہ کردوں اور جب ان کی اس حرکت کی اطلاع حضرت عثمانؓ کو پہنچی تو آپ سخت برہم ہوئے

اور انہیں گورنری سے ہٹادیا تھا یہ تو ان کے اخلاق واطوار کی حالت حضورؐ کے بعد خلافت عثمانؓ میں تھی مگر یہی لوگ جب فتح مکہ کے وقت ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے تو حضور ﷺ کے قریب منڈلاتے رہتے تھے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ ایمان پر قائم رہنے والا بتاسکیں۔ انہی کو ایک دفعہ حضورؐ نے ایک قبیلے بنی معطلق سے زکواۃ وصول کرنے بھیجا۔ یہ دونوں حضرات اس قبیلے کے کچھ لوگوں سے پہلے ہی خلش رکھتے تھے۔ جب یہ اس بستی کے قریب پہنچے اور وہ لوگ ان کے استقبال کے لئے نکلے تو یہ سمجھے کہ وہ انہیں مارنے آرہے ہیں یہ وہیں سے واپس دوڑے اور مدینے میں آکر دم لیا اور حضورؐ کو بے صبری سے یہ خبر دل سے گڑھ کر سنانے کے لئے حجروں کے پیچھے سے آواز لگائی کہ وہ لوگ ایمان سے پھر گئے ہیں اور زکواۃ دینے سے انکار کیا ہے۔ آنحضرتؐ کو یہ سن کر انتہائی رنج ہوا اور ان سے جہاد کا قصد کیا جب یہ خبر قبیلہ بنی معطلق والوں کو پہنچی تو وہ بیچارے دوڑتے ہوئے آئے اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ بات ہمارے اوپر بہتان ہے ہم خدا اور رسولؐ پر ان کے احکام پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی یہ بات سن کر آنحضرتؐ نے ایک شخص کو ان کی بستی ک طرف بھیجا تو وہاں سب کو ارکانِ اسلام بجالاتے پایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اب ذرا سوچیں کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر تحقیق کے جہاد پر آمادہ ہوجاتے تو کتنے مسلمان ناحق قتل کر دیے جاتے۔ اسی لئے آپؐ نے جہاد کا قصد کر کے عمل کرنے سے پہلے حضرت علیؑ سے مشورہ کیا' رائے لی پھر تحقیق کے لئے آدمی بھیجا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدانہ کرے نعوذ باللہ رسولؐ خود عقل یا صلاحیت نہ رکھتے تھے بلکہ آیت اترنے کے بعد امت کو یہ بتانا تھا کہ رائے اور مشورہ صاحب ایمان سے لیا جائے۔ میرے بعد امت گمراہ نہ ہوجائے اور غلط اور جھوٹے فاسق وفاجر کے مشورے پر عمل کر کے پچھتانا نہ پڑے۔

اسی لئے اس سورہ میں ان اخلاق وآداب کو اپنانے پر زور دیا گیا ہے جس کے نہ ہونے سے عرب قبائل کے درمیان ہمیشہ ذرا ذرا سی بات پر لڑائیاں اور خون خرابے ہوجاتے تھے جس میں

بے گناہ خوانخواہ مارے جاتے تھے۔

سورہ کے آخری حصے میں آیت نمبر 15 سے 18 تک پروردگار ''مومن'' کی صفات اور کردار کی وضاحت کر رہا ہے کہ ''عہد رسالت میں یوں تو ہر شخص اپنے کو مومن سمجھتا تھا اور لوگ بھی ایک دوسرے کو مومن کہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مومن اور صادق ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر اس اعتقاد کامل کے ساتھ ایمان لایا ہو کہ پھر کبھی بھول کر بھی نہ تو اللہ کی توحید میں شک کیا ہو اور نہ رسولؐ کی رسالت میں خواہ چھوٹا سا شک کیا ہو یا بڑا اور دوسری صفت یہ ہے کہ اس نے راہِ خدا میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ہو۔ جان سے جہاد تو ظاہر ہے کہ جنگوں میں حصہ لیا ہو اور تبلیغ کے وقت جسمانی تکالیف برداشت کی ہوں مگر مال سے جہاد راہِ خدا میں محتاج بندوں کو اس حد تک دیا ہو کہ اس کی اپنی جان پر بن گئی ہو۔

ایک فرق یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کافر بھی ہو سکتا ہے اور منافق بھی اور مرتد بھی۔ لیکن ایمان کے بعد پھر ان نجاسات کا تعلق مومن سے نہیں رہتا۔ جنگِ اُحد میں جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اور لوگوں کے ساتھ تم نہیں بھاگے تو آپؑ نے فرمایا"لا کفر بعد الایمان "(ایمان کے بعد کفر نہیں ہوتا) اسلام صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور ایمان دل سے ماننے کا۔ ایمان کی علامت یہ ہے کہ ایک دفعہ جو ایمان لے آئے پھر کفر کا کوئی کلمہ منہ سے نہ نکالے۔ آپ کی متفقہ حدیث ہے کہ "یا علی حبک ایمان و بغضک کفر "(اے علیؑ تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہاری عداوت تم سے بغض رکھنا کفر) پھر کسی صحابی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلم اور مومن کا فرق بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو صرف نبوت اور توحید کا اقرار زبان سے کریں وہ مسلم ہیں اور جو نبوت اور توحید کے نمونے عمل اور کردار کی صورت میں ''عدل و امامت'' کو بھی مانتے ہیں وہ مومن ہیں جو عدل اور امامت کا انکار اپنے عمل اور کردار سے کرتے ہوں وہ منافق ہیں۔

سورۃ نمبر ۵۰   آیات: ۴۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ قٓ

تعارف: شروع میں حروفِ مقطعات قرآن میں جو حرف قٓ ہے اسی کے نام پر یہ سورہ ہے۔

موضوع کی تفصیل:

پوری سورہ کا موضوع آخرت ہے۔ آپؐ نے جب مکہ معظمہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو لوگوں کو سب سے زیادہ حیرت آپ کی جس بات پر تھی وہ یہ تھی کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ وہ حیران ہی اس بات پر تھے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہمارا ذرہ ذرہ زمین میں منتشر ہو چکا ہوگا تو تمام پراگندہ اجزاء کو ہزاروں برس گزارنے کے بعد پھر سے اکٹھا کر کے ہمارا جسم از سرِ نو بنا دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں اللہ کی یہ آیات نازل ہوئیں کہ اے رسول ہم اپنے اس کلام قرآن مجید کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ محمد پیغمبر ہیں لیکن ان کافروں کو تعجب ہے کہ انہی میں سے ایک عذاب سے ڈرانے والا پیغمبر ان کے پاس کیسے آ گیا۔ جب یہ ہماری کتاب میں سے ایک سورہ تک اس کے ہم مثل بنا کر نہیں لا سکے تو پھر ہماری رسالت کو یہ کیسے غلط ثابت کر سکیں گے؟ اس لئے کہ ہماری یہ کتاب اور رسالت لوحِ محفوظ میں ہے۔

ذرا ان سے پوچھو کہ جب بھی دینِ حق ان تک پہنچایا گیا تو کیا انہوں نے اسے نہیں جھٹلایا؟ پھر اگلی آیات میں کہا جا رہا ہے کہ یہ جو مُردوں کو زندہ کرنے پر تعجب کرتے ہیں وہ ہماری قدرت کو پہلے پہچانیں تو ذرا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھیں کیسی عمارت ہے جس میں کہیں ستون نہیں، کیسا شامیانہ ہے جس میں ستاروں کے ایسے چراغ جلتے ہیں جو کبھی بجھتے نہیں، کبھی شگاف نہیں پڑتا، بے شمار کرے اس فضا میں پھیلے ہوئے ہیں جو ہماری زمین سے ہزاروں درجے پر ہیں مگر آپس میں

ٹکراتے نہیں۔ اپنے اپنے راستے پر گردش کر رہے ہیں۔ اب اگر آسمان سے نظر نیچے لاؤ زمین کو دیکھو ہم نے اس کس طرح پھیلایا ہے کس طرح پہاڑوں کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ اس پر قائم کر دیا ہے پھر اس زمین پر کیسے لہلہاتے ہوئے کھیت اور خوشنما پودے لگائے ہیں۔ پھر ان پر بادل برسایا ہے' لمبے لمبے درخت اور باغوں سے اناج اُگتا ہے اور لگے ہوئے بور سے نکلتے ہیں یہ سب انسانوں کی روزی کا سامان ہے۔ اے بیوقوفو یہ سب دیکھنے کے بعد بھی تم کو اس کا یقین نہیں آتا کہ ہم مرنے کے بعد مُردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اتنا بھی بیوقوف نہیں کہ وہ ان معجزوں کو دیکھ کر قدرت خدا کو نہ پہنچانتا ہو وہ اپنے ذہن میں یہ نتیجہ ضرور اخذ کرتا ہے کہ کیسی زبردست طاقت کا ہاتھ اس عظیم الشان کارخانے کو چلا رہا ہے اور اس مشین کے بے شمار پرزوں میں سے کسی ایک کی مجال نہیں کہ معینہ قانون کے خلاف ذرا سی بھی حرکت کر سکے مگر وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے اقرار سے اس لئے گھبراتا ہے کہ پھر اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دوبارہ زندہ ہونا کوئی مقصد رکھتا ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی وہ گھبرا جاتا ہے کہ وہ ایک دن جو مقرر ہے اس دن کیوں زندہ کیا جائے گا۔ یقیناً قیامت میں ہر انسان سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ بس یہیں سے اس کی طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ سرے سے قیامت کا ہی انکار کر دے۔ اس سورہ کے دوسرے حصے میں قیامت کے دن کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی علامت بتائی گئی ہے کہ صور پھونکا جائے گا اس وقت لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور عرصہ محشر میں اس طرح آئیں گے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ ہو گا جو اسے ہنکائے ہوئے لاتا ہو گا اور دوسرا فرشتہ اس کا نامہ اعمال لئے ہو گا اور کہے گا کہ اس دن کے متعلق تو غفلت میں پڑا ہوا تھا اب ہم نے تیری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیے ہیں اب دیکھ ان سب چیزوں کو جن کی خبر رسول علیہ السلام نے تجھے دی تھی اور تو ان کو نہیں مانتا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورہ کی 20 ویں آیت میں شہید سے مراد وہ رسولؑ ہیں جو اپنی اُمت کے ساتھ گواہ بن کر آئیں گے۔ یہاں شہید کا مطلب گواہی ہے یعنی شہادت دینے والا وہ گواہی دے گا کہ میں نے اس انسان پر

احکام خدا کی تبلیغ کر دی تھی اور اس کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا مگر اس نے مجھے جھٹلایا تھا اور اس کی تائید سورہ نمل کی 89 ویں آیت سے بھی ہوتی ہے۔ اسی حصے میں 24 ویں آیت میں ''القیافی جہنم'' کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے کہ یہ کون دو ہیں جن سے کہا جا رہا ہے کہ ''اب ان کا حساب ہو چکا تم دونوں اس سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو'' پھر اگلی آیت 26 میں بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ بخل کرنے والا حقوق العباد اور حقوق اللہ کا نہ ادا کرنے والا حد سے بڑھنے والا دین میں شک کرنے والا اور اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنانے والا تھا تو ''تم دونوں'' اسے عذاب سخت میں ڈال دو۔ عام طور پر مفسرین اس ''تم دونوں'' سے مراد کاتبین فرشتے لیتے ہیں لیکن فقہ جعفریہ یعنی شیعہ مفسرین نے اس سے مراد حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ بھی لیا ہے اور اس کی دلیل ان کے پاس وہ آیات واحادیث ہیں جن میں رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنے علم کا وارث اور رہتی دنیا تک ان کو ولایت وامامت کے منصب پر اللہ کی طرف سے فائز ہونے کی اُمت کو بار بار تاکید کی کہ یہ تاقیامت میری کتاب کی کردار وعمل کے ساتھ حفاظت کرنے والے اور ہدایت دینے والے ہیں۔ یہ روز قیامت رسولؐ خدا کے ساتھ روز محشر تمام آئمہ طاہرین کی گواہی دیں گے کہ رسولؐ کے سارے وارثوں نے ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا مگر اُمت میں بہکانے والے شیطان کامیاب ہو گئے اور انہیں صراط مستقیم سے ہٹاتے رہے اور اس سے اگلی ہی آیات میں کہا جا رہا ہے کہ ایسے بھٹکے ہوئے انسان شیطان پر الزام لگائیں گے کہ اس نے ہمیں گمراہی میں مبتلا کیا مگر شیطان اس وقت بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا کہ میں نے انہیں سرکشی پر آمادہ نہیں کیا یہ تو خود ہی گمراہی میں پھنس گئے اور جب دونوں میں جھگڑا شروع ہوگا تو خدا آیت نمبر 29 میں کہہ رہا ہے کہ یہ جھگڑا میرے سامنے نہ کرو میں تو پہلے ہی تمہیں عذاب سے ڈرا چکا تھا پھر تم ڈرے کیوں نہیں۔ اب تو نزول عذاب کے وقت میرا قول بدلنے والا نہیں' خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا جو کچھ عذاب کسی پر نازل ہوگا وہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ یہاں شیطان اپنی صفائی پیش کرے گا اور کہے گا کہ میں کسی کو گمراہ ہونے پر مجبور نہیں کرتا میرا کام تو دل میں وسوسے ڈالنا ہے۔ خدا نے انسان کو عقل دی ہے تو

خود کو اس شک سے آزاد کیوں نہیں کرتا' اپنا برا بھلا خود کیوں نہیں سوچتا۔

سورہ کے آخری حصے میں جہنم کی وسعت کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ جہنم سے خدا کا یہ کہنا کہ کیا تو بھر گئی تو جہنم سے آواز آئے گی کہ نہیں کچھ اور ہے تو دیجئے۔ جہنم میں اتنی وسعت ہے کہ آدم علیہ السلام سے قیامت تک کی مخلوق بھی جب اس میں ڈالی جائے گی تو بھی وہ پُر نہ ہوگی اور یہی آواز آئے گی کہ اور لائیے ابھی نہیں بھری۔ اور جنت متقیوں سے نزدیک کردی جائے گی یعنی وہ خود متقیوں کے پاس آجائے گی متقیوں کو اس کے پاس نہیں جانا پڑے گا۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۵۱

آیات: ۶۰

مقام نزول: مکہ

سورۃ الذاریات

تعارف: یہ سورۃ پہلے ہی لفظ الذاریات سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے "وہ ہوائیں جو بادلوں کو اڑا کر ادھر اُدھر پھینک دیتی ہیں۔"

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کا بنیادی موضوع بھی آخرت ہے اور آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ قسم کھا رہا ہے اپنی ہی قدرت سے چلائی ہوئی ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اڑا کر ادھر سے ادھر لے جاتی ہیں اور پھر بارش برساتی ہیں۔ پر معنیٰ فکر انگیز اور بیدار کرنے والی قسمیں سورہ کے پہلے حصے میں عذاب کا وعدہ اور جزا کا وعدہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی گفتگو میں اپنی ہی صفات اور تخلیقات کی قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے کہ جو وعدے تم سے کئے گئے ہیں یا جن سزاؤں سے تم کو ڈرایا گیا ہے وہ بالکل سچے وعدے ہیں جو ضرور پورے ہو کر رہیں گے جزا اور سزا مل کر رہے گی۔ قیامت کے متعلق جو تم لوگ مختلف خیالات میں پڑے ہوئے ہو اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہتے ہو اور غفلت میں پڑے ہو۔ روزِ حساب کو بھولے ہوئے ہو اور یہ وہی عذاب ہوگا جس کا مزہ تم چکھو گے کہ جب تمہارے پاس انبیاء آ کر اس سے ڈرایا کرتے تھے تو تم ان سے مذاق اڑا کر کہتے تھے کہ ذرا جلدی بلا لو اس دن کو ہم اس سے ڈرتے نہیں تو جب وہ آ جائے گا تو تم سارا تمسخر اور مذاق بھول کر اپنے ہوش کھو بیٹھو گے۔

ہاں جو متقی اور پرہیزگار ہیں وہ دنیا میں ہمیشہ اس دن سے ڈرتے رہے اس لئے ہمارے پاس ان کے لئے نعمتیں ہیں۔ اب سورہ کے دوسرے حصے میں متقیوں کی صفات بتاتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ رات کے بہت کم حصے میں سوتے ہیں، زیادہ حصہ عبادت الٰہی میں بسر کرتے ہیں اور صبح ہونے سے پہلے خدا کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے ہیں،

روروکر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور جو مال خدا نے ان کو دیا ہے اس میں غریبوں کا حق سمجھ کر مانگنے والوں کو بھی دیتے ہیں اور ان غیرت مند غریبوں کو بھی جو شرم کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتے۔ پھر پروردگار زمین میں قدرت کی بے شمار نشانیاں بتاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ جو عقل کے اندھے ہیں وہ ذرا اپنے نفس پر ہی غور کرلیں کہ قدرت نے ان کو کیسے کیسے کمالات سے آراستہ کیا ہے۔ اللہ نے اسے متضاد قوتوں کا مالک بنایا ہے۔ کبھی بخیل ہے تو کبھی سخی، کبھی ظالم ہے تو کبھی مظلوم۔ مگر انسان ان سربستہ رازوں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا اسے اپنے بیکار مشاغل سے فرصت ہی کہاں ہے۔

اب اس سورہ کے تیسرے حصے میں پروردگار کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے بشارتِ اولاد اس عمر میں دی جارہی ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 برس اور ان کی بیوی حضرت سارہ علیہ السلام کی عمر 90 برس ہے۔ یہ قصہ اس طرح ہے کہ جب فرشتے بشکل انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو پہلے فرشتوں نے سلام کیا جس کا جواب حضرت ابراہیمؑ نے دیا مگر وہ ان کو کچھ اجنبی سے لوگ نظر آئے۔ چونکہ حضرت ابراہیم بہت مہمان نواز تھے فوراً ہی بی بی سارہؑ کے پاس آئے اور کہا مہمانوں کے لئے کچھ کھانا تیار کرو۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت تو گھر میں کوئی چیز موجود نہیں۔ میرا ایک بچھڑا ہے اسی کو ذبح کردو چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے وہ بچھڑا ذبح کیا۔ بی بی سارہؑ نے فوراً اس کا گوشت بھون دیا' دسترخوان بچھا تو مہمانوں نے ہاتھ ہی نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ آپ کھاتے کیوں نہیں۔ جو گھر میں تھا' حاضر ہے مگر پھر بھی انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہ بڑھایا تب حضرت ابراہیمؑ ڈرے کیونکہ اس زمانے میں رواج تھا کہ جو دشمن ہوتا تھا اور کسی دشمنی کی نیت سے آتا تھا تو وہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پریشان دیکھ کر کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم خدا کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور آپ کو ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ یعنی ایسا لڑکا جو بطنِ مادر ہی سے علم لے کر آئے گا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء خدا کے یہاں سے علم لے کر آتے

ہیں کسی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ بہرحال حضرت سارہ علیہ السلام نے یہ بشارت سنی تو اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگیں کہ کیا کہہ رہے ہو کچھ ہوش کرو۔ میں نوے برس کی بڑھیا پھر بانجھ اور میاں کی عمر سو برس۔ایسی صورت میں بچہ کیسے ہوسکتا ہے' فرشتوں نے کہا کہ تمہارے خدا نے ایسا ہی کہا ہے لہذا یہ ہو کر رہے گا وہ صاحب حکمت ہے اور پھر حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔

اب یہاں اللہ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جو لوگ خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ نظام حیات کے مرجع قاعدوں سے مستثنٰی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی واقعہ حضرت ذکریاؑ کے ساتھ بھی ہے جو لوگ انبیاء کے معجزوں کا انکار کرتے ہیں ان کو بتانے کیلئے قرآن کہہ رہا ہے کہ دیکھ لو کہ Law of Nature بھی خدا کا ہی بنایا ہوا ہے۔ خدا کسی قانون کو بنا کر عاجز نہیں ہوگیا اپنی قدرت سے استعفٰی نہیں دے دیا اس نے۔ وہ ہر وقت جو تبدیلی چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ نیچر اس کے حکم کے تابع ہے وہ اس کا تابع نہیں۔ انسان لا آف نیچر کے خلاف بے شک کچھ کرنے کا مجاز نہیں مگر خدا پر یہ پابندی عائد نہیں وہ قادر مطلق ہے۔

پھر حضرت ابراہیمؑ کے حوالے ہی سے دوسرا قصہ حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب بھیجنے سے متعلق ہے 31 سے 37 آیات تک کہا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو پھر فرشتوں نے جا کر پیغام دیا کہ ہم ایک گنہگار قوم پر عذاب نازل کرنے کی خبر لے کر آئے ہیں جس کی صورت یہ ہوگی کہ سوکھی ہوئی مٹی کے ٹکڑوں کا جس پر خدا کی طرف سے کوئی نشانی بنی ہوگی ہم ان ٹکڑوں سے تابڑ توڑ ان پر مینہ برسائیں گے کیونکہ یہ بدکاری میں حد سے آگے بڑھ چکے ہیں اور اس لئے کہ کوئی مسلمان اس عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ ہم نے اس بستی میں جو مومن تھے انہیں باہر نکال لیا ہے وہاں ایک گھر کے سوا اور کسی مسلمان کا گھر تھا ہی نہیں۔ حضرت لوطؑ نے 20 برس تک اپنی قوم پر تبلیغ کی لیکن ان بدکرداروں پر کوئی اثر نہ ہوا صرف ایک گھر والے ایمان لائے۔

پھر آخری حصے میں حضرت موسیٰ اور قوم نوحؑ وغیرہ کے عذاب کے ذکر کے بعد جن و انسان کی عبادت کا فرق بتاتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا

ہے وہ نہ توان سے رزق کا طلب گار ہے اور جس طرح عذاب میں انسانوں کا حصہ ہے اسی طرح جن بھی عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہیں مگر صرف جن وانس کو کئی جگہ قرآن میں مخاطب کر کے ان کے احتساب کی بات ہوئی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بے شک ان کا طریقہ عبادت ہم سے پوشیدہ ہے مگر ان کا ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء فرشتے اور قیامت وامامت پر موجود ہے اور اگر وہ اس ایمان سے پھریں گے تو ان سے بھی روز جزا اسی طرح حساب ہوگا جس طرح انسانوں کا حساب کتاب ہوگا۔

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے

(سورۃ الانفال ۸:۲۲)

جو تبادلہ خیال (Loud Thinking) نہیں کر سکتے جو مشورہ نہیں چاہتے اور جو تنقید برداشت نہیں کر سکتے یہ وہ گونگے بہرے لوگ ہیں

(A management guru)

Path of destruction

سورۃ نمبر ۵۲ آیات: ۴۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ طور

تعارف: طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس سے خدا حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا تھا۔ اسی لفظ کی قسم کھا کر یہ سورہ شروع کی گئی اس لئے اس کا نام سورہ طور ہے۔

موضوع کی تفصیل :

اس سورہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ اپنی ہی تخلیق ایک پہاڑ ایک کتاب ''مسطور فی رق منشور'' پھر ایک بیت المعمور پھر ایک سقف المرفوع اور بحر مسجور یعنی خدا پانچ چیزوں کی قسم کھا کر پچھلی دو سورتوں کی طرح کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں باعظمت چیزوں کی قسم کہ قیامت کے دن ہم نے جس طرح عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔ وہ پانچ چیزیں کیا ہیں۔

(1) والطور یعنی وہ پہاڑ جس پر خدا حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔

(2) کتاب مسطور فی رق منشور قدیم زمانے میں جن کتابوں کو بہت عرصہ دراز تک محفوظ رکھنا ہوتا تھا انہیں کاغذ کے بجائے ہرن کی کھال رقیق (رق کے معنی باریک جھلی کے ہیں اس پر لکھا جاتا تھا۔ پس یہاں کتاب مسطور سے مراد ہی کتاب مقدسہ ہے جو اہل کتاب کے یہاں موجود تھی یعنی کتب آسمانی۔

(3) **بیت المعمور:** تفسیر البیان اور کئی اور بڑی تفاسیر میں امام باقر علیہ السلام کے حوالے سے بیت المعمور آسمان پر فرشتوں کے طواف کی جگہ ہے۔ جس طرح خدا نے عرش کے نیچے چار ستون قائم کئے اور ان کا نام حراج رکھا یہی بیت المعمور ہے پھر کچھ فرشتوں کو بھیجا کہ زمین پر ایک مکان اس کی مانند بناؤ اور اہل زمین کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں یعنی زمین پر انسانوں کے طواف کا مقام خانہ کعبہ ہے اور آسمانوں پر فرشتوں کے طواف کی جگہ بیت المعمور ہے۔

(4) سقف مرفوع:۔ اس سے مراد آسمان ہے۔

(5) بحر مسجور:۔ بعض مفسرین نے جوش کھانے والا سمندر مراد لیا ہے اور بعض نے آگ کا بھڑکتا ہوا سمندر۔

اب ان پانچوں باعظمت چیزوں کی قسم کھا کر اللہ کہہ رہا ہے کہ قیامت کے روز حالت یہ ہوگی کہ آسمان چکر کھانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے چلنے لگیں گے تو اس روز ان جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہوگی جو آج باطل چیزوں میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ وہ سب جہنم کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہر سورہ اور آیت کا مرکزی نکتہ توحید اور قیامت ہے۔ قیامت کو طرح طرح سے سمجھایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جن قوموں پر عذاب آنے کا ذکر ہے وہ اس غلطی میں مبتلا تھیں کہ انبیا، جس قیامت کا ذکر کرتے ہیں اور جس عذاب جہنم کے قصے سناتے ہیں یہ سب ہمیں دھمکانے کے لئے ہے اور آنحضرت ﷺ کی اُمت میں بھی بہ کثرت لوگ قیامت تک ایسے ہوں گے جو زبان سے تو قیامت کا اور دوبارہ زندہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل پر اس اقرار کا اثر نظر نہیں آتا ورنہ ایسے اعمال ان سے سرزد نہ ہوتے جن کی سزا جہنم ہے۔

پھر دوزخ اور جنت کے عذاب اور اجر جنت کی نعمتوں کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے آخر میں رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ اے رسولؐ تم ہماری حفاظت میں ہو تم اپنا کام کیے جاؤ' نماز تہجد ادا کرو پھر صبح کی نماز اور پھر مغربین ادا کرو اور جہاں سے اٹھو خدا کی تسبیح کرتے ہوئے اٹھو۔

سورۃ نمبر ۵۳ آیات: ۶۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ النجم

تعارف: چونکہ اس سورے کا آغاز (انجم یعنی ستارے کی قسم) سے ہوا ہے اس لئے اس کا یہی نام ہوا۔ خاص مضامین اس سورے کے یہ ہیں۔

(1) تذکرہ معراج

(2) اس وحی کا اجمالی ذکر جس کی تفصیل قرآن میں دی گئی ہے۔

(3) جبرائیل کا سدرۃ المنتہیٰ پر رہ جانا اور پھر واپسی پر ان سے ملاقات

(4) مشرکین کو اس بات کا جواب کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔

(5) گناہان کبیرہ اور صغیرہ کا فرق۔ یہ سورۃ بھی ان سوروں میں سے ہے جن میں سجدہ واجب ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اصل میں لفظ "نجم" پر تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ تارے کو کہتے ہیں مگر کچھ مفسرین نے اس سے مراد ثریا Pleidas لی ہے اور کچھ نے اس سے مراد Venus زہرا اور کچھ نے اسے علم نجوم سمجھا ہے۔

شیعہ مفسرین کی تقریباً تمام تفاسیر کے مطابق بھی یہ وہ Venus' زہرا ہے جس کو اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرتؐ کے قریب موجود تمام اصحاب و انصار نے اس ستارے کو ٹوٹتے دیکھا۔ اس وقت ابن عباسؓ اور عبداللہ بن جابر انصاریؓ جیسے راوی احادیث سے روایت کی جارہی ہے کہ "ہم ایک روز بنی ہاشم کے کچھ لوگوں اور صحابہ کرام کے ساتھ حضرت رسول خداؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاق سے ایک ستارہ ٹوٹا یہ دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا یہ ستارہ جس کے گھر میں گرے گا وہی میرے بعد میرا وصی اور وارثِ علم ہوگا یہ سن کر لوگ دیکھنے کے لئے اٹھے تو دیکھا وہ علی ابن

ابی طالب کے گھر میں گرا تو کچھ اصحاب نے گستاخانہ لہجے میں کہا کہ "یارسول اللہ آپ علیؑ کی محبت میں (نعوذ باللہ) گمراہ ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "تارے کی قسم تمہارے رفیق نہ گمراہ ہوتے ہیں نہ بہکتے ہیں وہ تو اپنی خواہش نفسانی سے کبھی بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے" اور اس روایت کو امام ابوحنیفہ سے لے کر امام شافعی تک کے School of thoughts کے محققین نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

بدقسمتی سے قرآن مجید جو فکر اور تحقیق کی دعوت دے رہا ہے شروع سے اسے کچھ افراد نے جو اسکالر نہیں بلکہ Translators ہیں اور خود کو مفسر قرآن کہتے ہیں' انہوں نے اس پر بہت چہ میگوئیاں کیں چونکہ نہ وہ اس وقت تک سائنس کی جدید تحقیق Astrology سے واقف تھے اور نہ قرآن کی ان آیات کا مفہوم انہیں سمجھ میں آیا تھا بلکہ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی کبھی ہو سکے گا کہ انسان اس کائنات کو تسخیر کرے گا چاند ستارے سورج' زمین ان سب سیاروں کا علم اس کی دسترس میں ہوگا اسی لئے انہوں نے کہا کہ یہ ہو سکتا ہے ستارہ کوئی چھوٹی چیز تو ہوتا نہیں وہ تو ایک کرہ ہوتا ہے اگر وہ علیؑ کے گھر میں گرتا تو سارا مدینہ تباہ ہو جاتا۔

اب اس بات کو جدید علم سیارہ گان Astrology کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ کوکب کا اطلاق سیاروں پر ہوتا ہے اور نجم کا اطلاق چھوٹے ستاروں اور نجمیہ پر ہوتا ہے جو زمین سے میلوں اوپر فضا میں گردش کرتے رہتے ہیں ان کو "نجم الثاقب" بھی کہا جاتا ہے اس حوالے سے جتنی انسائیکلوپیڈیاز ہیں سب اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ زمین سے جو مواد عرضی بلند ہوتا ہے وہ خلا میں سفر کرتے کرتے چکر کھانے سے گولے کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس پر اور مادہ جمتا رہتا ہے اور اس کا حجم بڑھتا رہتا ہے اس کو میٹیور Meteor کہتے ہیں یہ ہزاروں کی تعداد میں فضا میں گردش کرتے ہیں جب رات کو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو ایک شعلہ سا نظر آتا ہے جسے "شہاب ثاقب" کہتے ہیں ان کے ٹکڑے جب زمین پر گرتے ہیں تو کافی گرم ہوتے ہیں اور بعض ٹکڑے کئی کئی من وزنی ہوتے ہیں یہ ٹکڑے لندن اور کلکتہ کے میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں لہٰذا یہاں

''نجم'' کے گرنے سے بھی میٹور Meteor مراد ہے۔ یہ بھی قدرت کی ایک نشانی ہے اس میں اعتراض کے قابل کوئی بات نہیں۔ یہ میٹور بھی ستارے ہی کہلاتے ہیں کئی انسائیکلوپیڈیاز میں ان کی تصاویر بھی موجود ہیں چونکہ فضا میں گردوغبار رہتا ہے اس لئے یہ گردش کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ کئی Translaters ترجمانوں نے جو خود کو مفسر کہتے ہیں ''والنجم اذا ھویٰ'' میں ھویٰ کا مطلب غروب ہونا لکھا ہے۔ ان مفسروں نے عربی کی لغت تو استعمال کر لی مگر عربی لسانیات Langugestic پر ذرا دھیان نہیں دیا اور نہ ہی قرآن کے ان الفاظ پر غور کیا جن میں صرف چاند اور سورج کے لئے غروب کا اور طلوع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ چاند اور سورج گرتے ہیں وہ ہمیشہ غروب ہوتے ہیں جبکہ تارے ڈوبتے ہیں یا گرتے ہیں۔ ان مفسرین نے اسی آیت کے اگلے حصے پر غور نہیں کیا ستارے غروب ہونے کی بھلا کیا نسبت ہے۔ اس کلام سے کہ تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا نہ بہکا۔ نیز یہ کہ وہ تو وحی کے سوا دوسرا کلام ہی نہیں کرتا جب کسی واقعہ کے متعلق حضورؐ نے کسی سے کچھ فرمایا نہ ہو تو آیت کے اس حصے کو اگلے حصے سے جوڑنے کا کیا مطلب ہے اسی لئے محققین ومفسرین کی اس اکثریت نے جو صاحبان علم ہیں اس آیت نجم کو زیادہ تر اس طرح روایت کیا ہے کہ ''جب حضرت علیؑ کے دروازے کے سوا مسجد کے طرف کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم آیا تو لوگوں کو ناگوار ہوا اور حضورؐ سے عرض کی آپؐ نے سب کے دروازے بند کرا دیئے سوائے علیؑ کے دروازے کے۔ ایک گستاخ نے کہا یا رسول اللہؐ آپ نے فرط محبت میں علیؑ کا رتبہ سب سے بلند کر دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا نہ میں نے اپنی خواہش سے کسی کا دروازہ کھولا تھا نہ بند کیا میں نے جو کچھ کیا خدا کے حکم سے کیا ہے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ ''وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ'' رسولؐ اپنی خواہش نفسانی سے کچھ نہیں کہتے وہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

اب اگلی آیات حضورؐ کی معراج سے متعلق ہیں جو اس طرح شروع ہوتی ہیں کہ اللہ نے جبرئیلؑ کے ذریعے حضورؐ کو تعلیم دی اور جبرئیلؑ جو خدا اور حضورؐ کے درمیان ایک میڈیا کا کردار ادا

کرتے ہیں ان کی امانت اور دیانت کا ذکر ہو رہا ہے کہ خدا نے جیسی تعلیم دینا چاہی حضرت جبرئیلؑ نے بالکل ویسی ہی پہنچا دی۔ یعنی جبرئیلؑ ایک واسطہ ہیں رسولؐ اور خدا کے درمیان نہ کہ معلم حقیقی۔

پھر جبرئیلؑ حضورؐ کو لے کر معراج کی طرف چلے اور ایک مقام یعنی سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے چونکہ انہیں خدا کی طرف سے یہیں تک آنے کی اجازت تھی اور انہوں نے ظاہر کر دیا خدا کے رسولؐ پر کہ میں اگر اب ایک انگلی کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی پرواز کا انتہائی مقام سدرہ ہے اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ **وَ ھُوَ بِالاُفُقِ الاَعلیٰ** یعنی حضورؐ سرکار دو عالم کائنات کے افق اعلیٰ پر تھے وہ عالم مادی کی آخری حد ہے یہاں مادیت کی حدود ختم ہو جاتی ہیں **ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی** یعنی پھر وہ نزدیک ہوتے چلے گئے عالم نور کی طرف بڑھنے لگے جہاں عالم ظہور میں آئے۔ یعنی یہاں پیدائش سے پہلے رہ چکے تھے)

فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنیٰ (یہاں تک کہ دو کمان سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کے اور حضورؐ کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔ خدا کے لئے تو جگہ کا کوئی تعین ہی نہیں ہے وہ تو لامکان ہے یہاں مراد وہ مقام عظمت و جلال ہیں جہاں تک کسی کا گزر ہی نہیں یہ صرف حضورؐ کی خصوصیت تھی چونکہ آپ کی تخلیق نور سے ہوئی تھی اس لئے آپ کا جسم مادی وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں تک کوئی مخلوق جا ہی نہیں سکتی تھی۔ بس جب آپ خدا کے اتنے نزدیک پہنچ گئے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقام پر پہنچ کر غش کھا کر گر پڑے تھے لیکن حضورؐ جو عالم نور میں ہزاروں سال رہ چکے تھے ان کی آنکھوں میں اس عالم تجلی سے جنبش تک نہ ہوئی اور یہی آپ کے نور سے تخلیق ہونے کا ثبوت اور دلیل ہے۔

پھر اس وحی کا ذکر ہو رہا ہے جو حضورؐ کو خدا نے اپنے قریب بلا کر کی تھی نہ تو خدا نے بتایا نہ حضورؐ نے معراج سے آ کر واپسی پر بتایا یقیناً یہ کوئی خاص وحی تھی جس کو ایک خاص وقت تک پوشیدہ رکھنا تھا پھر یہ راز غدیر خم میں سورۃ مائدہ کی آیت میں کھلا جو قرآن کریم کی آخری آیت ہے۔ **اکملت لکم دینکم** اس سے پہلے کہا گیا کہ ''اب جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا

ہے اس کی تبلیغ کرو' سورۂ معائدہ آیت نمبر 67 اور پھر آخری آیت قرآن کی بتادی گئی کہ آج میں نے تم پر دین مکمل کیا اس اعلان کے ساتھ کہ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ رہا قرآن اور قرآن کے وارث علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں اور ان کے بعد ان کی وہ اولاد جسے وہ منتخب کریں چونکہ اولادیں تو بہت ساری ہوتی ہیں مگر وہ اولاد منتخب ہوگی جس کو امام خود منتخب کرے گا۔ یہی فرق ہے امامت اور خلافت میں' خلیفہ کو عوام منتخب کرتے ہیں امام کو امامِ وقت خود منتخب کرتا ہے اور اس انتخاب کی وصیت رسولؐ قیامت تک کے لئے کر گئے ہیں۔ پھر اسی سورۃ النجم آیت نمبر 12 میں افتمرونه علی ما یری ' کہا جارہا ہے کہ جو رسولؐ کو جھوٹا سمجھتے ہو وہ تو جو کلام کرتا ہے وحی سے کرتا ہے یعنی وہ راز جو معراج پر خدا نے عالمِ نور میں رسولؐ کو وحی کے ذریعے دیا اور اسے ایک مقررہ مدت تک پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی کہ جب قرآن اپنی تعلیم کا آخری جملہ کہے گا کہ اے رسولؐ اس وقت سے تھوڑی دیر پہلے تم اپنے علم کتاب کے وارث کا اعلان کرنا اور اس اعلان کے فوراً بعد ہی ہم قرآن کریم کی آخری آیت نازل کریں گے''اکملت لکم دینکم'' تو اللہ کو جو غیب کا علم رکھتا ہے پہلے سے یہ بھی معلوم تھا کہ جب یہ اعلان ہوگا تو اس پر جھگڑا ڈالا جائے گا اس لئے یہ آیت پہلے ہی بتا رہی ہے کہ رسول عالمِ نور میں تمہاری ملاقات خدا اور کچھ ایسی ہستیوں سے کرائی جائے گی جو نور ہی سے تخلیق کئے گئے ہیں تمہارے بعد نبوت کو ختم کیا جارہا ہے اور ولایت علیؑ کا اعلان اور پھر گیارہ اماموں کی امامت کا رہتی دنیا تک ہدایت کے سلسلے سے جڑے رہنے کا اعلان لوگوں میں جھگڑے کا سبب بنے گا۔

اگلا موضوع اس سورۃ کا بتوں کی پوجا سے متعلق ہے اور دوسرا فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے والوں سے مخاطب ہو کر خدا کہہ رہا ہے کہ تم کس قسم کے لوگ ہو کہ بتوں کو مذکر جانتے ہو۔ دو بڑے بت لات وعزیٰ ومنات کو اپنا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتے ہو یہ تو بہت ناانصافی ہے تمہارے باپ دادا نے خود ہی یہ نام گڑھ لیے ہیں بتوں کے مذکر اور فرشتوں کے مونث نام خدا نے تو ایسی کوئی سند جاری نہیں کی۔

پھر اگلا موضوع گناہان صغیرہ اور کبیرہ سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہنے کا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اے رسولؐ اگر تم کو کوئی جانتا ہے تو وہ تمہارا رب ہے پس تم ہی کو یہ زیبا ہے کہ تم انہیں بتا دو کہ اگر یہ بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہے تو خدا ان کے چھوٹے گناہ معاف کر دے گا پھر بڑے گناہ کیا ہیں ان کا زیادہ تر تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد سے متعلق گناہوں کی سب سے بڑی جڑ "تکبر" ہے۔ ساری بڑی برائیاں اس ایک برائی سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کو کسی صورت تکبر نہیں کرنا چاہئے خدا اسے مٹی اور پانی سے بناتا ہے مٹی عاجزی اور پانی نرمی کی علامت ہے۔ اس لئے انسان کو ہر وقت اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہئے کہ اللہ نے اسے مٹی اور پانی سے کیوں بنایا۔

اور یاد رکھو تمہارے ربّ نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔ (سورۃ ابراہیم ۷:۱۴)

جس کو شکر کرنے کی توفیق مِلتی ہے اُسے برکت بھی مِلتی ہے۔

(حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۵۴ آیات: ۵۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ القمر

چاند والی سورۃ

تعارف: چونکہ اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں چاند کے شق ہونے کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ قمر ہوا۔ اس کے مضامین خاص یہ ہیں۔

(1) قیامت کے قریب چاند کا شق ہونا

(2) اتمام حجت ہو جانا اور اس کے بعد پیغمبروں کے فرض کا پورا ہونا۔

(3) کشتی نوحؑ کا ستاروں کے سہارے نہیں بلکہ اللہ کی نگاہوں کے اشارے پر چلنا۔

(4) قوم عاد پر ایسے دن عذاب آنا جو دائمی طور پر منحوس ہے۔

(5) قوم ثمود، لوط، فرعون پر عذاب آنا۔

موضوع کی تفصیل:

یہ سورۃ گزشتہ اقوام سے تعلق رکھنے والے ایسے گروہ کی ہٹ دھرمی اور بدکاری کو بیان کرتا ہے جنہوں نے قیام مکہ کے دوران حضورؐ کو تنگ کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ اس سورہ میں یہی کہا جا رہا ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آسان کیا ہے تو کوئی اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور کوئی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے۔

سورۃ کے آغاز میں شق القمر سے متعلق قرب قیامت اور مخالفین کی طرف سے اس کے انکار پر مبنی ہے اس میں کفار مکہ کو اس ہٹ دھرمی پر متنبہ کیا گیا ہے جو انہوں نے رسولؐ کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کر رکھی تھی۔ شق القمر کا حیرت انگیز واقعہ اس بات کا واضح نشان تھا کہ جس قیامت کے آنے کی خبر رسولؐ اور قرآن مسلسل دے رہا ہے وہ فی الواقع برپا ہو سکتی ہے۔ چاند جیسا عظیم کرہ

ان کی آنکھوں کے سامنے پھٹا تھا اس کے دونوں ٹکڑے پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آیا تھا۔ پھر آن کی آن میں وہ دونوں مل گئے تھے۔ جو اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ نظام عالم ازلی وابدی اور غیر فانی نہیں ہے وہ کسی بھی وقت درہم برہم ہو سکتا ہے۔ بڑے بڑے سیارے اور ستارے پھٹ سکتے ہیں بکھر سکتے ہیں ایک دوسرے سے ٹکرا سکتے ہیں اور وہ سب کچھ ہو سکتا ہے، جس کا نقشہ قیامت کی تفصیلات کے حوالے سے قرآن نے مسلسل کھینچا ہے۔ آپؐ لوگوں کو اس واقعے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ دیکھو گواہ رہو مگر کفار نے اسے جادو کا کرشمہ قرار دیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہجرت سے پانچ سال قبل حج کے زمانے میں چودھویں شب کو ابو جہل ایک یہودی اور چند مشرکوں کے ساتھ رسولؐ خدا کے پاس آیا اور کہنے لگا آپؐ اپنی نبوت کا کوئی معجزہ دکھائیں جو بالکل واضح ہو۔ آپؐ نے پوچھا آخر تو چاہتا کیا ہے' اس نے یہودی سے مشورہ کیا پھر بولا اگر اس چاند کے دو ٹکڑے کر دو تو جانوں۔ حضرتؐ نے دعا کی اور انگلی کا اشارہ کیا چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دونوں میں اتنا فاصلہ ہو گیا کہ دونوں ٹکڑے الگ الگ نظر آنے لگے اور تھوڑی دیر تک یونہی رہا۔ حضرتؐ کا اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر ابو جہل چلانے لگا کہ لوگوں محمد ﷺ نے نظر بندی کر دی ہے' جادو کر دیا ہے یہاں سے جو لوگ باہر گئے ہیں ان سے پوچھو اگر وہ تصدیق کر دیں تو مان لوں گا۔ جب ان لوگوں نے تصدیق کر دی تو بولا حضرت محمد ﷺ نے ساری دنیا کی نظر بندی کر دی ہے ایسے ہی جہالت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے لوگوں ہی کے لئے اس سورہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے عصا کا سانپ بن کر چلنا' حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے شکم میں زندہ رہنا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی سے چڑیا بنا کے اڑا دینا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا گل و گلزار بن جانا کس کی سمجھ میں آیا تھا جو اب حضرت محمد ﷺ کا شق القمر جیسا معجزہ کسی جاہل کی سمجھ میں آسکے گا۔ لوگ معجزات انبیاء کو جھٹلا کر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے رہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کا انجام دکھا دیا۔ ابھی تو مرتے جاؤ اور قبرستان آباد کرتے جاؤ' چھوٹی سی قیامت تو تمہارے لئے یہی ہے پھر وہ وقت آکر رہے گا کہ تم ننگے سر خاک

جھاڑتے ہوئے قبروں سے خود بخود نکل کھڑے ہوگے اور پھر تمہارے ساتھ جو ہوگا وہ الف سے لے کری تک ہمارے پیغمبروں نے تم کو بتادیا' اس کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے' تمہارے انکار سے قیامت ہٹ نہیں سکتی۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ وہ کشتی جو برسوں میں تیار ہوئی۔ خدا نے اس کشتی کو بنانے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کو فن بخاری کی تعلیم دی تھی اس میں تمام کام حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا۔ کسی غیر معصوم کا ہاتھ اس میں نہیں لگا تھا۔ اس لئے یہ کشتی اتنی مقدس و مبارک تھی کہ اس پر جتنے لوگ سوار تھے سب نے نجات پائی اور جس نے اس کشتی کو معمولی سمجھا وہ اپنے اعمال اور شک کی وجہ سے سب غرق ہوگئے۔ اس طرح رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ میرے اہلبیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے ان کے مرتبے کو نہ پہچانا وہ ڈوب گیا ہلاک ہوگیا۔ سورہ کے اس حصے میں حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کو عبرت کہا جارہا ہے چونکہ دنیا میں طوفان نوح کے بعد پھر کبھی ایسا طوفان نہیں آیا کہ زمین کا کوئی حصہ اس سے محفوظ نہ رہا تھا مگر اے رسول ﷺ یہ لوگ اس سے بھی عبرت حاصل نہ کرسکے تو تم ان سے کنارہ کشی اختیار کرلو۔

سورہ کے آخری حصے میں قوم ثمود و عاد اور حضرت صالحؑ کی قوموں کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی قوموں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تو ان کا انجام دراصل قرآن میں آسان زبان میں تمہاری نصیحت کے لئے ہے اگر تم نے اب بھی نصیحت نہ لی تو پھر رسول ﷺ کے بعد اب کوئی اور نبی نہیں' صرف قیامت آئے گی اور قیامت اور رسول ﷺ کے بیچ میں ہدایت کے لئے صرف آئمۂ طاہرین ہیں۔

ایک اہم بات اس سورہ کی آیت نمبر 19 میں ایسی ہے جو کسی اور سورۃ میں نہیں کہ کچھ لوگ کچھ دنوں کو منحوس کہتے ہیں اگرچہ اس نیک یا منحوس ہونے کے تعین کے بارے میں بہت سے اختلافات ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کے نقطہ نظر سے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ دوسرے کیا

یہ نظریہ اسلام سے اخذ کیا گیا ہے؟ دوسرے شریعت محمدیہؐ کے حوالے سے اس سورہ کی آیت نمبر 19 آئی ہے اگر ہمارے پاس اس کی دلیلیں ہوں تو ان کو قبول کرنے میں کوئی دقت نہیں ہونا چاہئے۔

اب جہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ بعض لوگ نیک و بد ایام کے بارے میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ جس کام کو وہ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ دن نیک ہے یا منحوس۔ اس طرح وہ نہ صرف بہت سے ضروری کاموں سے غافل ہو جاتے ہیں اور اپنی ناکامی اور شکست کا الزام اپنی کسی کمزوری اور کم علمی کے بجائے اس دن کی نحوست کو دیتے ہیں اور حوادث زندگی کی بھی یہی نامعقول وجہ پیش کی جاتی ہے۔ اس قسم کے طرزِ عمل کی شدت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ہاں دنوں کے نیک اور بد کی طرف توجہ کرنا نہ صرف یہ کہ انسان کے دل و دماغ کو تاریخ کے بدترین دنوں اور کامیابی و فتوحات کے دنوں سے روشناس کراتا ہے اور حدیث کی رو سے اگر کچھ ایسے ایام ہیں جن کو نحس قرار دیا گیا ہے تو ان دنوں میں ہمیں کوئی بھی کام کرنے سے پہلے صدقہ دینے' دعا مانگنے اور پروردگار عالم سے مدد طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اب اس سورۃ القمر میں 19 ویں آیت کہتی ہے کہ "ہم نے سخت' تیز اور سرد آندھی منحوس دنوں میں ان پر مسلط کی ہے" یعنی قوم عاد کے بارے میں کہا جا رہا ہے اور وہ دن بدھ کا دن ہے اسی طرح مہینے کے آخری بدھ کو قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا اس لئے بدھ کا دن منحوس قرار دیا گیا اور اس کی بدشگونیوں کے بارے میں ایک دفعہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا تو آپؑ نے کہا کہ "اپنی پستی کردار اور کم علمی کا الزام دنوں پر نہ لگاؤ ہاں تاریخ ایسے دنوں کو منحوس کہتی ہے تو اس حادثے کے اسباب جاننے کی کوشش کرو" اسی طرح "مبارک" کی تفسیر انا انزلنہ فی لیلۃ المبارکۃ ہم نے قرآن کو بابرکت رات میں نازل کیا (سورۃ دخان 3)۔ اسی طرح نوروز کو عید کا دن قرار دیا گیا کیونکہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا' آپؑ نے کہا کہ یہ وہ دن کہ کشتی نوحؑ کوہ جودی پر آ کر ٹھہری۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام پیغمبر پر نازل ہوئے اور یہی وہ دن ہے جب حضرت علیؑ نے دوشِ پیغمبر پر سوار ہو کر بتوں کو توڑا اور واقعہ غدیر جب دین

کو مکمل کرنے کی آخری آیت نازل ہوئی تو یہی دن تھا۔ یہ تاریخ ہے اسی طرح پیر کا دن اس لئے منحوس کہلانے لگا کہ امیر معاویہ نے خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کر کے اس دن اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے رسول ﷺ کی اس پیشن گوئی کو درست ثابت کیا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی پھر خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کر دیا جائے گا اور یہ اسلام کو مٹانے کی بدترین کوشش ہوگی وہ دن منحوس قرار دیا گیا' جس دن امیر معاویہ کو سلطنت ملی وہ پیر کا دن ہے۔ ایک صحابی ایک دفعہ امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں پیر کے دن کو انتہائی منحوس سمجھتا ہوں اس لئے کہیں آنا جانا مناسب نہیں سمجھتا مگر اس وقت بہت اہم مہم درپیش ہے موت اور زندگی اور عزت کا سوال ہے کیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ پیر کے دن کے شر سے محفوظ رہے تو وہ نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ ہل اتیٰ جسے سورۂ دہر بھی کہا جاتا ہے اس کی تلاوت کرے تو گویا وہ خدا سے اس دن کی نحوست سے پناہ طلب کرتا ہے۔ یہ پُر معنی حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنوں کی اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ حکمِ خدا کے مطابق ہے مگر ان کے لئے مستقل تاثیر کا قائل نہیں ہونا چاہئے اور اپنے آپ کو پروردگار کے لطف و کرم سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہئے۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(* چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورہ نمبر ۵۵ آیات: ۷۸

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الرحمٰن

اس طرح کی بہت سی سورتوں کی طرح اس کا نام بھی سورہ کی پہلے ہی لفظ پر ہو گیا ہے۔ اس میں خدا کی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ایک کا ذکر کر کے جن و انس کو مخاطب کر کے پوچھا گیا ہے کہ آخر تم کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اور خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) تخلیق انسان اور بیان کا علم یعنی آج کے دور کی اصلاح میں "میڈیا" جیسی نعمت۔

(2) نظام شمسی کا ارادۂ الٰہی کے ساتھ قیام۔

(3) نباتات خالق کے لئے سر بسجود۔

(4) خالق کی طرف سے توازن کا قیام۔

(5) خلق خدا کے لئے سودمند عمل۔

(6) زمین اور اس سے حاصل ہونے والے اناج، پھل اور پھول معدنی وسائل جیسے تیل، کوئلہ، گیس یہ خداوندی نعمتیں ہیں جنہیں یاد رکھنا چاہئے۔

(7) انسان کی تخلیق خاک سے اور جنات کی آگ سے۔

(8) دو مشرق اور دو مغرب۔

(9) دو دریاؤں کی آمیزش اور ان سے موتی اور مونگے برآمد۔

(10) چیزوں کو فنا اور وجہ الٰہی کو بقا۔

(11) قدرت الٰہی کے مقابلے میں انس و جن کی بے بسی۔

(12) قیامت کی دہشت۔

(13) دوزخ کا منظر۔

(14) جنت کی نعمتوں کا ذکر جس کا سلسلہ سورہ کے آخر تک ہے۔

اس سورہ کی خاص بات اس کے بیان کا ردم ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ میں خدا کی لامتناہی رحمتوں اور نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ہر آیت کے آخر میں انسان کی ناشکری طبیعت کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ "**فبای آلاء ربکما تکذبٰن**" اور **31** مرتبہ یہ اس سورہ میں آیا ہے یعنی خدا نے نہ صرف بندوں سے اقرار لیا ہے کہ کیا تم ان نعمتوں کو جھٹلا سکتے ہو؟ نہیں جھٹلا سکتے مگر تمہارا عمل بتاتا ہے کہ تم شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کے کلمات زیادہ ادا کیا کرتے ہو، کبھی تم نے یہ سوچا ہے کہ ان نعمتوں میں سے کسی ایک سے بھی تمہیں محروم کر دیا جائے تو تم کیا کرو گے؟

اس سورۃ کو رسولِ خدا کی حدیث کے مطابق جیسا کہ آپ نے فرمایا "**لِکلِ شی عروس و عروس القران سورۃ الرحمن جل ذکرہ**" ہر ایک کے لئے عروس ہے اور قرآن کی عروس یعنی دلہن سورہ رحمٰن ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ لفظِ عروس اگرچہ فارسی زبان میں صرف عورت کیلئے بولا جاتا ہے مگر عربی لغت میں یہ عورت و مرد دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب تک وہ مراسمِ عروس یعنی میاں بیوی کے رشتے میں بندھے ہوں اور چونکہ عورت اور مرد جب ان مراسم عروسی میں بندھے ہوں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل ترین احترامات کے عالم میں بندھے ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق سورہ رحمٰن کو قرآن کی دلہن کہنا اس قدر خوبصورت اور موزوں ہے کہ جس کی لفظوں کے ذریعے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس سورہ میں خدا نے ایسی شاعری کی ہے، ایسا ردم اس میں ہے کہ اس نے مومنین کے دلوں کو سرور و مسرت سے ہمکنار کر دیا ہے اور غم و تکلیف کے غبار کو ان کے دلوں سے دھو ڈالا ہے۔ اس کے خوبصورت مضامین میں اتنی کشش ہے کہ انسان اس پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس سورۃ کے پہلے حصے میں آغاز ہی میں اللہ کو رحمٰن بتا کر کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمِ قرآن عطا کیا اپنے مخصوص بندوں کو۔ ظاہر ہے کہ وہ عام انسان نہیں بلکہ انبیاء ہی ہو سکتے ہیں اور یہاں خاص طور پر مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہم نے اپنے نبیؐ کو علمِ قرآن اس وقت عطا کیا جب وہ خلقت میں تھے یعنی آدمؑ سے بھی پہلے۔ پھر انہیں اس وقت بیان کرنے کا حکم دیا جب ہم اپنے سب انبیاء اور کتابیں بھیج چکے اور لوگ ان انبیاء اور کتابوں کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ کتابوں میں ترمیم اور اضافہ و کمی بیشی بھی کرتے رہے' تو اب ہم نے اس ذاتِ اقدس سرورِ کائنات ختمی مرتبت محمد ﷺ کو جسے ہم نے اپنے نور سے تخلیق کر کے تعلیم دی پھر سب سے آخر میں دنیا میں بھیجا۔ پہلے چالیس سال تک ان کا کردار لوگوں سے تسلیم کروایا۔ اپنے منہ سے انہیں عرب کے تمام کافر' مشرک اور ملحد امین اور صادق کہتے تھے' اپنی امانتیں رکھواتے تھے اور اپنے مقدموں اور معاملات کا فیصلہ حضرت محمد ﷺ سے کراتے تھے۔ اب جب وہ آپؐ کی تعلیمات کو جھٹلانے لگے تو انہی جھٹلانے والوں نے اپنی ہی تکذیب شروع کر دی اس سورۃ میں اللہ کہہ رہا ہے کہ اے کفار مکہ اب تم ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ اب یہ دین یہ کتاب نافذ ہو کر رہے گی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں راستہ دکھا کر رہیں گے۔ پھر "علمہ البیان" کہہ کر "بیان کے علم" یعنی (Communication) میڈیا کی اہمیت کو اجاگر کیا جارہا ہے۔

اس آیت کو موجودہ دور کے حوالے سے دیکھیں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کو دیکھیں تو "میڈیا" کی اتنی ترقی اور اتنا طاقتور موثر ترین ابلاغ اب ہمارے سامنے ہے کہ دنیا ایک ایسے Global Village میں تبدیل ہو چکی ہے کہ ہزاروں میل دور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہم اپنے بیڈروم میں بیٹھے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ادھر پینٹاگون اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر گر رہے ہیں اور ہم اسی وقت وہ منظر اپنے گھر میں دیکھ رہے ہیں۔ جنگ کے شعلوں میں دنیا کے کسی حصے میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ اور سن رہے ہیں یعنی اب افواہوں اور غلط بیانی سے کسی کو گمراہ نہیں کیا جا سکتا' تو قرآن نے چودہ سو برس پہلے یہ بتا دیا تھا کہ ہمارا علم تمہارے گھروں تک

اس طرح پہنچ جائے گا کہ تم جھٹلا نہ سکو گے اس نعمت کو اور یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمیں پتہ نہیں تھا اس لیے ہم گمراہ ہوئے۔ اب یہ علم بیان یعنی میڈیا کی ترقی ایک نعمت نہیں تو اور کیا ہے۔

انسان کو کسی چیز کی طرف راغب کرنا یا باز رکھنا ہو تو اس کے دو ہی طریقے ہیں۔ کسی فائدے کی امید یا کسی نقصان کا خوف دلانا اور سورہ رحمٰن انسان کو اور جنوں کو مکمل طور پر دونوں چیزوں کا احساس دلا رہی ہے کہ اگر تم ہمیشہ فائدہ چاہتے ہو تو دنیا کو عارضی سمجھو اور جنت میں ملنے والی نعمتوں کو نظر میں رکھو جو ہمیشہ رہیں گی اور جان بوجھ کر اگر ہماری دنیا میں ملنے والی نعمتوں سورج کی روشنی و چاند اور ستاروں کی حقیقت سمندر کی اہمیت' میٹھے پانی کے چشموں' باغات' پھل' پھول اور میوے' جڑی بوٹیاں ان سب کو تم جھٹلاؤ گے اور انصاف کے ترازو کو غلط استعمال کرو گے تو دوزخ کا عذاب ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس لئے ذرا سی عارضی دنیا کے لیے ہمیشہ کی جنت کو مت ضائع کرو اور ہمیشہ کی دوزخ مت خریدو۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنی نعمتوں کا جابجا ذکر کرتے ہوئے بطور استفہام جنوں اور انسانوں سے پوچھا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انسانوں کی خلقت مٹی یا پانی ملی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے اسی طرح جنات کو آگ سے بنایا گیا ہے اور جنتی نعمتیں اس سورہ میں ذکر کی گئی ہیں ان میں جنات ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ میوے' غلے' پھول' پھل ان کے بھی استعمال میں آتے ہیں ورنہ ان سے سوال نہ ہوتا۔

اب آیت نمبر 14 اور 15 میں جو فرق انسان اور جنات میں ہے اسے بیان کیا گیا ہے کہ اگر انسان مٹی اور پانی سے ملا کر بنا ہے تو قرآن نے اس مٹی کے کئی نمونے بیان کیے ہیں کبھی ''تراب'' یعنی خاک کبھی ''طین'' یعنی پانی ملی ہوئی مٹی کبھی ''طین لازب'' لیس دار مٹی کبھی ''حما مسنون'' یعنی بدبودار مٹی اور کبھی ''صلصال کالفخار'' یعنی کھنکھناتی ہوئی مٹی۔ یہ تو سب صورتیں انسانی مزاج کے مطابق ہیں۔ کبھی وہ بہت خشک اور سوکھی طبیعت کا ہو جاتا ہے' کبھی سخت دل بن جاتا ہے' کبھی محبت کا جذبہ ہوتا ہے' کبھی نفرت کرنے لگتا ہے اور قابل نفرت کام کرنے لگتا ہے کبھی اس کے

مزاج میں نرمی اور شگفتگی آجاتی ہے۔

جنات کو آگ سے پیدا کیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے بدن سے شعلے نکلتے ہیں۔ جس طرح ہم مٹی سے بنے ہیں مگر بظاہر ہر ایک کے مزاج میں مٹی کی عاجزی اور نرمی نظر نہیں آتی اسی طرح ان کی خلقت آگ سے ہے مگر آگ ہمیں سرد موسم میں جس طرح فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح گرم موسم میں جھلس بھی دیتی ہے۔ ان کی اور انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف ضرور ہے مگر ہم نے دونوں کو نعمتیں عطا کی ہیں تو ان کو کہاں تک جھٹلاؤ گے۔

دوسرے کہا جا رہا ہے کہ خدا "رب المشرقین و رب المغربین" ہے یعنی جاڑوں میں سورج کا مشرق اور ہوتا ہے گرمیوں میں اور اسی طرح مشرق و مغرب میں موسم تبدیل ہوتے ہیں جن سے تم کو فائدہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مغرب کے لوگوں کو بھی نعمتیں عطا کرتا ہے اور مشرق کے لوگوں کو بھی۔ چونکہ وہ سب کا رب ہے چاہے کوئی اسے مانے یا نہ مانے' وہ سب کا مالک ہے۔ اس لئے کہا جا رہا ہے کہ گروہ جن وانس کیا تمہاری یہ طاقت ہے کہ زمین وآسمان کی حدود سے باہر نکل جاؤ تم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ تم کو ایسی قوت ہی عطا نہیں کی گئی اور تمہاری یہ کمزوری بھی تمہارے لئے ایک نعمت ہے۔ اگر تم ایسا کر سکتے تو دنیا والوں کو تباہ کر کے بھاگ جاتے۔ مظلوم تمہارا کیا بگاڑ لیتے اور تم سے انتقام کیسے لیتے اس لئے ہم نے تم دونوں گروہوں کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر کر دیا کہ ہم مظلوموں کی فریاد سنیں گے اور ظالموں کو سزا دیں گے کیا تم اس نعمت کو جھٹلا سکتے ہو۔

سورہ کے آخری حصے میں چند ایسی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بہت پرکشش دعوت ہے اہل ایمان کیلئے کہ جنت میں ایسی پاکدامن عورتیں ہوں گی جن کو جنتیوں کے علاوہ نہ کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے کبھی چھوا ہوگا اور وہ اتنی جوان اور خوبصورت ہوں گی ایسی چمکتی دمکتی حسن میں ڈوبی گویا یاقوت و مرجان کی مانند نظر آئیں گی (یاقوت اور مرجان قیمتی اور خوبصورت پتھروں کے نام ہیں) وہ ایسی حوریں ہوں گی جو اپنے خیموں میں چھپی بیٹھی ہوں گی اور جنت میں صرف جوان مرد

عورتیں ہوں گی سب گورے ہوں گے کوئی بوڑھا اور کالا نہ ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک واقعہ ہے کہ رسولؐ خدا کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور کہنے لگی حضورؐ دعا فرمائیں کہ خدا مجھے جنت میں جگہ دے۔ آپؐ نے خوشگوار موڈ میں کہا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی اس پر وہ روتی ہوئی حضرت بلال حبشیؓ کے پاس گئیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں رو رہی ہو وجہ بتائی تو حضرت بلالؓ نے کہا میرے ساتھ چلو میں حضور ﷺ سے سفارش کرنے کی درخواست کروں گا۔ جب دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بلالؓ نے کہا حضورؐ اس کی سفارش کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو بلالؓ کالا آدمی بھی جنت میں نہ جائے گا۔ یہ سن کر حضرت بلالؓ بھی رونے لگے اور دونوں حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ کا کہا حضور ﷺ نہ ٹالیں گے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ حضرت عباسؓ انہیں ساتھ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفارش کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا عباسؓ تم کیا کہتے ہو بوڑھے مرد بھی جنت میں داخل نہ ہو سکیں گے اب ان تینوں نے مل کر گریہ وزاری شروع کی تو صحابہ کرام یہ گریہ سن کر جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ نے پھر اطمینان سے سورہ رحمٰن کی ان آیات کی تفسیر بتاتے ہوئے کہا کہ دل گرفتہ نہ ہو جو نیک ہیں دنیا میں ان کی ظاہری حالت پر نہ جاؤ جب وہ اپنے اعمال کے بدلے میں جنت میں داخل ہوں گے تو جوان اور گورے اور خوبصورت ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔ یہی اس کی نعمتیں ہیں جو اچھے اور صالح اعمال کے بدلے ملیں گی۔

سورۂ نمبر ۵۶ | آیات: ۹۶
مقام نزول: مکہ

سورۃ الواقعہ

تعارف: پہلی ہی آیت میں واقعہ کا لفظ ہے اور یہ واقعہ ہے قیامت کا کہ جب وہ واقعہ جب رونما ہوگا جس میں قیامت آئے گی تو وہ کیسی ہوگی۔

قرآن کی تاریخ کی رو سے سورۂ واقعہ چوالیسواں سورہ ہے جو آپؐ پر نازل ہوا اور اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ اور اس کے بعد سورہ شعراء نازل ہوئی اس میں بھی موضوع قیامت ہے۔

موضوع کی تفصیل:

ظہور قیامت کا آغاز اور اس سے ملحق سخت وحشت ناک حادثات کی اطلاع دی گئی یعنی علامات قیامت کی ہیں۔ قرآن مجید آغاز ہی میں کہہ رہا ہے کہ جس وقت قیامت کا عظیم واقعہ رونما ہوگا تو اس کی دہشت اس قدر شدید ہوگی کہ اس کے اثرات دنیا کے ذرے ذرے پر نمایاں ہوں گے یعنی صرف انسان ہی درہم برہم نہ ہوں گے بلکہ پوری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ تکبر کرنے والے' اکڑنے والے' اور کرسی نشین نیچے گرا دیے جائیں گے اور کوئی اس واقعہ کو جھٹلانے والا یعنی تکذیب کرنے والا نہ ہوگا۔ ایک گروہ کو نیچے لے جائیں گے اور دوسرے کو اوپر لے جائیں گے "خافضۃ رافعۃ" خوانخواہ بنے ہوئے عزت دار ذلیل ہوں گے اور بلاوجہ محروم کیے گئے افراد اللہ کو عزیز ہوں گے۔ ایک گروہ جہنم میں گرے گا اور دوسرا گروہ بہشت کے اعلیٰ درجہ میں قیام پذیر ہوگا اور یہی خدا کے اس عظیم انقلاب کی خصوصیت ہوگی۔

امام زین العابدینؑ سے اس آیت کی جو تفسیر منسوب ہے وہ یہی ہے کہ خافضۃ خفضت واللّٰہ یا اعداء اللّٰہ فی النار' رافعۃ رفعت واللّٰہ اولیاء اللّٰہ الی الجنۃ قیامت خافضہ ہے کیونکہ خدا کی قسم وہ دشمنانِ خدا کو جہنم کی آگ میں گرا دے گی اور رافعہ خدا کی قسم اولیاء اللہ کو بہشت میں لے جائے گی' پھر اس سلسلے میں توصیف فرماتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا جب زمین شدت کے ساتھ لرزنے لگے گی یہ زلزلہ اس قدر شدید ہوگا کہ زمین اور پہاڑ

ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور غبار کی شکل میں بکھر جائیں گے۔

پھر دو طرح کے اصحاب کا ذکر ہے کہ "اصحاب میمنہ" بھلا یہ کون لوگ ہیں یہ وہ خوش قسمت ہیں کہ جن کا نامہ اعمال ان کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ انکی خوش قسمتی کی کوئی انتہا نہیں اس لئے اہل نجات مومنین ہوں گے جو بہشت کے ہر میوے ہر نعمت کے مستحق ہوں گے۔

پھر "اصحاب شوم" یہ ایسے لوگ ہوں گے جن کا نامہ اعمال ان کے الٹے ہاتھ میں دیا جائے گا ان کی بدبختی ان کا جرم ان کے الٹے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اعمال نامے سے ہی ظاہر ہوگا۔

پھر تیسرے گروہ کا ذکر ہے کہ یہ سابقین یعنی سبقت لے جانے والے اور یہی مقربین ہیں جو نہ صرف ایمان میں پیش قدمی کرتے رہے بلکہ انسانی صفات اخلاق میں بھی سبقت کرتے ہیں وہ لوگوں کے لئے نمونہ اور مخلوق کے لئے امام و پیشوا ہیں اور اسی لئے خدا کی بارگاہ میں مقرب اور بزرگ و برتر قرار پائیں گے۔

اب سبقت یا پیش قدمی کو وسیع تر معنی اور دلائل کے ساتھ دیکھا جائے تو مفسرین نے اسلامی روایات کے حوالے سے "السابقون" کا مصداق ان چار افراد کو قرار دیا ہے یعنی اول حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل دوسرے مومن آل فرعون حضرت حزقیل تیسرے حبیب نجار جن کا ذکر سورہ یٰسین میں آیا ہے اور چوتھے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالبؑ جو مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور باقی تینوں نے اپنی امت کے مقابلے میں پیش قدمی کی۔

مقربین اور سابقین کے لئے چھ اور سات نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان نعمتوں میں محبت کرنے والی پاکدامن بیویاں' بیری کے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں' میٹھا پانی' دودھ کی نہریں' درخت کے بہترین پھل' خوشنما پھول' پرندوں کا گوشت اور کوئی لغو بات وہاں سنائی نہ دے گی صرف خدا کی حمد اور تسبیح ہوگی۔

جبکہ وہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں گنہگار اور بدکار و منافقین ہیں۔ ان کو دوزخ کی ہولناکی سے دوچار ہونا پڑا تو یاد کریں گے اپنے ان پراگندہ اعمال کو جو وہ دنیا میں کرتے رہے دنیا سے چھپ کر مگر خدا کے سامنے کاتبین سارا ریکارڈ رکھ دیں گے اور پھر ان کی کوئی توبہ اور عذر قبول نہ کیا جائے گا۔

سورۃ نمبر ۵۷ آیات: ۲۹

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الحدید

تعارف: اس سورۃ کے آخر میں ایک جگہ لوہا اتارنے کا ذکر ہے حدید لوہے کو کہتے ہیں اس لئے یہ نام ہوا۔

(1) خدا کے اوصاف اول و آخر اور ظاہر و باطن۔

(2) خدا کے علم کی وسعت۔

(3) ایمان کے ساتھ بلا فاصلہ خیرات کا ذکر۔

(4) فتح مکہ سے پہلے جان و مال کی قربانی کرنے والوں کا جو درجہ ہے وہ بعد میں قربانی کرنے والوں کا نہیں ہے۔

(5) منافقین کی بے بسی اور محتاجی۔

(6) تمام انبیاء کے ساتھ کتاب اور میزان کا اترنا اور لوہے کا آسمان سے اترنا۔

(7) عیسائیوں کی نیک دلی مگر ان کی ایجاد کردہ رہبانیت کی مذمت۔

موضوع کی تفصیل:

یہ سورہ مدینے میں نازل ہوئی اور مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ اس سورہ کی پہلی آیت توحید اور صفات الٰہی کے بیان سے شروع ہوئی ہیں اور جو صفتیں بیان کی جارہی ہیں وہ بیس 20 ہیں اور یہ صفات الٰہی ہیں کہ ان کی معرفت حاصل ہو جانے سے ان پر غور و فکر کر لینے سے بندہ اپنے رب سے روشناس ہو جاتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے علی ابن الحسین جن کا لقب زین العابدین ہے آپ سے کسی نے توحید الٰہی کے بارے میں سوال کیا تو جواب میں آپ نے یہ حدیث ارشاد کی

کہ ''خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانے میں کچھ قومیں آئیں گی جو مسائل میں غور وفکر سے کام لیں گی لہٰذا خدا نے سورۃ قل ھو اللہ اور سورۃ حدید کی ابتدائی آیات علیم بذات الصدور تک نازل فرمائیں لہٰذا جو شخص اس سے ہٹ کر کسی چیز کا طالب ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔''

اس سورۃ کا آغاز اس بات سے ہو رہا ہے کہ ہر چیز جو آسمان و زمین میں پائی جاتی ہے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ پتہ پتہ' حیوان و انسان۔ مگر ہم انسان کے سوا کسی اور مخلوق کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ چونکہ باقی مخلوق کی زبان یا خدا سمجھتا ہے یا اس کے وہ اولوالعزم انبیاء جنہیں اس نے جانوروں کی بولی سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ انبیاء میں حضرت سلمان علیہ السلام اور اولیاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ سورۃ کے پہلے حصے میں توحید' اس کی طاقت اور قدرت کا حال بتایا جا رہا ہے کہ وہ اول ہے وہی آخر ہے نہ اس کے اول ہونے کے وقت کے بارے میں کوئی جانتا ہے نہ اس کی آخریت کے لئے کوئی وقت مقرر ہے' اس نے چھ دن میں دنیا کو بنایا پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا۔ یعنی مخلوقات انسانی میں سب سے بڑی مخلوق عرش ہے وہ بھی اس کا بنایا ہوا ہے مگر وہ اس کے رہنے کی جگہ نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ کوئی جگہ ہے نہ وقت' وہ اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے اور ایسا موجود کہ انسان کی شہ رگ سے قریب مگر نہ نظر آنے والا غائب بھی اور حاضر بھی۔

پھر اگلی آیتوں میں ایک اہم موضوع یہ ہے کہ ''اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے'' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو نبی یا ہدایت خلق کے لئے ولی یا امام کا درجہ دے دیا ہے بلکہ یہاں آگے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ کہہ رہا ہے کہ نائب وہ ہے جو راہ خدا میں خرچ کرتا ہے۔ یعنی تقسیم رزق میں خدا نے اپنا نائب بنایا ہے یعنی اصل چیز کا مالک تو اللہ ہی ہے وہ سب کو رزق دیتا ہے مگر جو اس کے غریب اور محتاج بندوں کو رزق پہنچائے گا وہ گویا اس کا نائب ہوگا۔ حدیث قدسی ہے کہ ''مال تو میرا ہے اور مالدار میرے وکیل ہیں اور محتاج میرے عیال تو اگر میرے وکیل میرے عیال پر خرچ نہ کریں گے تو انہیں جہنم میں داخل کروں گا یعنی جب کوئی انسان اپنی

جائز ضرورتوں سے زیادہ دولت کا مالک ہو تو خدا کے اس احسان کا شکریہ ہے کہ وہ اس کے محتاج اور غریب بندوں کی جائز حاجتوں کو پورا کرے اور بارگاہ الٰہی سے بہت بڑا اجر حاصل کرے۔

پھر کہا جا رہا ہے کہ جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا وہ ان سے افضل ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد راہ خدا میں خرچ کر کے خود کو مسلمان ظاہر کیا اور وہ کبھی بھی ان کے برابر نہیں آسکتے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور اللہ کے لئے جہاد کیا۔

سورہ کے دوسرے حصے میں اسی مضمون کی مناسبت سے قرض حسنہ بغیر سود کے دیئے جانے کے اجر کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینے پہنچے تو دیکھا کہ بہت برا حال ہے مدینے کے یہودی بڑے مالدار لوگ تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے سود پر قرضے دے کر لوگوں کو سود در سود کی بلا میں پھنسا کر سخت مصیبت میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ مدینے کے انصار اس سود کے چکر میں اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصہ ان کو دیتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں جو حال بنیوں کا ہے وہی مدینے میں یہودیوں کا تھا۔ آخر خدا نے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے یہ صورت نکالی کہ اس آیت کے ذریعے قرض حسنہ دینے کی طرف توجہ دلائی یعنی ان میں جو مالدار تھے ان سے کہا گیا کہ اپنے غریب بھائیوں کو اس نیت سے قرضہ دو کہ جب ان کے پاس ہو گا تو وہ رقم جوں کی توں بغیر کسی زیادتی کے لوٹا دی جائے گی اور اگر وہ بغیر کسی ادائیگی کے مر جائیں تو خدا کی خوشنودی کے لئے اسے معاف کر دیا جائے گا۔ خدا نے ان آیات میں وعدہ کیا کہ وہ اس کے بدلے میں کئی گنا زیادہ انہیں دے گا۔

اب سورہ کے آخری حصے میں وہ اہم بات بتائی جا رہی ہے کہ جس کی بنا پر اس سورہ کا نام ''حدید'' ہوا۔ سورہ کا یہ حصہ اس لئے اہم ہے کہ پروردگار حدید یعنی لوہا نازل کر رہا ہے مگر ان پر جو اس کی افادیت سے صحیح کام لے سکیں جو ہدایت یافتہ ہیں یعنی دنیا میں آ کر ہدایت یافتہ نہیں ہوئے بلکہ وہ اولاد نبی ہونے کی وجہ سے تخلیق سے پہلے ہی منتخب کئے جا چکے تھے اور یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے آن واحد کے لئے بھی کفر اختیار نہ کیا ہو اور نہ کبھی کسی بت کے سامنے سجدہ کیا ہو۔

اس ''وہا نازل کرنے'' کو چند مفسرین نے ترجمے کے حساب سے اس لوہے کو سمجھا ہے جو کانوں کے اندر سے نکلتا ہے لیکن آیت میں نازل ہونے سے مراد ہے وہ لوہا جو تلوار کی صورت میں رسولؐ پر نازل ہوئی۔ وہ ذوالفقار جو رسولؐ نے حکم الٰہی سے حضرت علی علیہ السلام کو عطا کی اس تلوار کے متعلق جنگ احد میں جب منافق اور بزدل مسلمانوں نے پیٹھ دکھائی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ندا کی تھی کہ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار جس کی دھاک اور سخت خوف و دہراس کفار کے دل میں ایسی بیٹھی کہ یہ جنگ ہار سے جیت میں بدل گئی۔

آخری بات اس صورت میں عیسائیوں کے اس طریقے کی مذمت کرتی ہے جو انہوں نے خود ایجاد کیا یعنی ''رہبانیت'' یا ترک دنیا یعنی انہوں نے خود پر دنیا کی نعمتوں کو حرام کیا اور جنگلوں اور خانقاہوں میں جا کر بیٹھ گئے مگر اپنی اس روش پر قائم نہ رہ سکے چونکہ وہ انسانی فطرت کے خلاف عمل تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا۔

لوگوں میں کوئی قاطع رحم (یعنی رشتے داری کے تعلقات کو توڑنے والا) ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (حدیث نبوی)

رشتہ داروں سے تعلقات جوڑنے کی فکر رکھنا اگرچہ وہ تجھ سے تعلقات توڑ دیں۔ (حدیث نبوی)

بدمزاجی کام کو اس طرح سے خراب کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔ (حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۵۸ | آیات: ۲۲
مقام نزول: مدینہ

سورۃ المجادلۃ

تعارف : ''مجادلہ کے معنی شدت کے ساتھ بحث وتکرار کرنے کے ہیں'' چونکہ پہلی آیت میں ایک خاتون کا ذکر ہے جسے اس کے شوہر نے اپنی ماں کی پیٹھ کہہ دیا تھا اور اس لئے اس سے قطع تعلق ضروری ہوگیا تھا۔ وہ پیغمبر خدا کے پاس فریاد لے کر آئی تھی اور اس سلسلے میں اپنی مجبوریوں کو پیش کرتے ہوئے بحث کر رہی تھی کہ میری مشکل کا کوئی حل ہونا چاہئے اور اس بحث کو خداوند عالم نے مجادلہ کے لفظ سے بیان کیا ہے یعنی وہ آپ سے مجادلہ کر رہی تھی۔ اس سورہ کے خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) خدا اور رسولؐ کی مخالفت کا انجام۔

(2) خفیہ مشوروں کے وقت اللہ کا حاضر و ناظر ہونا۔

(3) خفیہ سرگوشیوں کی مذمت۔

(4) نیک امور میں باہمی مشوروں کی اجازت۔

(5) آیہ نجویٰ جس پر عمل صرف حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کیا۔

(6) سرگوشی اور پرہیزگاری۔

موضوع کی تفصیل:

ایام جاہلیت میں مرد اگر اپنی بیوی سے ناخوش ہوتے تھے تو یہ کہہ دیتے تھے کہ تیری پیٹھ میری ماں کی سی پیٹھ ہے تو جاہلیت کی قواعد کی رو سے وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ اسلام کے بعد بھی یہ رسم مسلمانوں میں جاری تھی ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ خولہؓ زوجہ ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھیں کہ ان کا شوہر گھر میں داخل ہوا اور کسی بات پر غصے میں آ کر ان سے یہ جملہ کہہ دیا کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی سی ہے۔ یہ سن کر حضرت خولہؓ بہت پریشان ہوئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ رسم جاہلیت کی بنا پر تم دونوں ایک

دوسرے پر حرام ہوگئے۔ وہ فریاد کرنے لگی کہ میں بڑھیا ہوں کئی بچوں کی ماں ہوں میں شوہر سے جدا ہوکر کیسے بچے پرورش کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں حکمِ خدا کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اس نے رورو کر خدا سے فریاد کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ظاہر ہے یہ ایک جاہلانہ رسم تھی جسے ''ظہار'' کہا جاتا تھا کہ کسی نے ظہار کیا تو بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ پھر اسلام نے اس کو جاری کیوں رکھا؟ بات یہ ہے کہ قرآن اسی لئے 23 برس تک نازل ہوتا رہا کہ آہستہ آہستہ جتنی چیزیں جہالت پر مبنی تھیں ان کے بارے میں احکامات آتے رہیں اور جو انسانوں کی فطرت کے خلاف ہوں اور ان کے لئے دین اور دنیا میں نقصان کا باعث ہوں ان مسائل کو حل کرنے کے احکامات دیتا رہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ غصہ شوہر کی طرف سے تھا جس کا اثر پورے خاندان پر پڑ رہا تھا اس لئے کفارہ بھی مرد کو ادا کرنا تھا تو اس سورہ کے پہلے حصے میں یہی کہا گیا ہے کہ وہ شخص اب صرف اس صورت میں اپنی بیوی سے مل سکتا ہے جب وہ اپنی اس حرکت کا کفارہ ادا کرے یا ایک غلام آزاد کرے اور اگر غلام آزاد نہ کرسکے تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ اسی وجہ سے حضرت خولہؓ کی لوگوں نے عزت شروع کی کہ وہ حق پر تھیں اور خدا نے ان کی بات سن لی تھی۔

خفیہ سرگوشیوں کی مذمت:

سورہ کا دوسرا حصہ آدابِ مجلس اور منافقوں کی دوسری بری عادات سے متعلق ہے یعنی چپکے چپکے محفل میں سرگوشیاں کرنا' کہا جارہا ہے کہ تم چپکے چپکے جو سرگوشیاں کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ کوئی نہیں سن رہا۔ منافق یہ نہ سمجھیں کہ وہ اپنے خفیہ مشوروں سے مومنین کو نقصان پہنچاسکیں گے اس لئے کہ خدا ان سے واقف ہے۔ منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب جہاد پر جاتے تو باہم سرگوشیاں کرتے جس سے مومنین یہ سمجھتے کہ شاید مجاہدوں پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ اس سے ان کو رنج پہنچا اور لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے' حضورؐ نے ان منافقوں کو بار بار اس سے روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اس سرگوشی میں وہ جہاد سے فرار کی ترکیبیں ایک دوسرے کو بتاتے مجاہدوں کو اذیتیں

پہنچاتے اور رسول کی برائیاں کی جاتیں۔ جبکہ یہودیوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہوا تھا کہ جب حضور کی خدمت میں آتے تو السلام علیکم کے کہنے کے بجائے دبی زبان سے ''السام علیکم'' کہتے جس کے معنی ہیں کہ ''تم پر موت آئے''۔ حضور ﷺ اس کے جواب میں صرف علیکم کہتے یعنی تم پر آئے۔

سرگوشی اور پرہیزگاری:

اسی لئے آیت نمبر 9 میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر سرگوشی نیک امور کے متعلق کی جائے مثلاً یہ اندیشہ ہو کہ کسی امر میں مومنین کو نقصان پہنچ جائے گا تو اس سرگوشی کی اجازت ہے لیکن اگر یہ سرگوشی کسی شرارت یا بغض پر مبنی ہو تو عملِ شیطان ہے اور ایسا کرنے والا داخل جہنم ہو گا۔ اب اس چھوٹے سے لفظ ''سرگوشی اور پرہیزگاری'' کو اگر آج کے دور تک لے آئیں چونکہ قرآن قیامت تک کی کتاب ہے ہر زمانے کے لئے ہے۔ تو یہ لفظ ایک پورے ادارے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہ آیت اپنے اندر پورے ادارے کے Conduct کے معنی لئے ہوئے ہے۔ اس پر جو مثال صادق آتی ہے وہ خفیہ ایجنسیوں کی ہے یعنی جب یہ کہا جا رہا ہے کہ 'وتناجو بالبر والتقوی'' سرگوشی اور پرہیزگاری مومنوں کے فائدے کے لئے کرو تو اس کو وسعت دے کر ادارے تک لے آئیے یعنی اسلامی مملکت کے قیام میں فوج' عدلیہ' انتظامیہ اور مقننہ کی جو اہمیت ہے اس سے انکار نہ قدیم دنیا میں تھا نہ جدید دنیا میں ممکن ہے تو انتظامیہ کو کام کرنے کے لئے ایسے اقدامات بھی کرنے پڑتے ہیں جو اگر کھل کر کئے جائیں تو ملک دشمن عناصر انسانیت سے اخلاق سے گرے ہوئے کام کرنے والے لوگ حکومت کی حکمت عملی سے واقف ہو جاتے ہیں اور دشمن تک وہ حکمت عملی پہنچا دیتے ہیں جس سے دشمن اپنے شیطانی عمل کا دفاع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مثلاً اگر کسی شہر میں چوری ڈاکے بڑھ جائیں تو حکومت کا وہ ادارہ جو لوگوں کی جان و مال و عزت کا محافظ ہے (حضورؐ کے زمانے میں یہ ادارہ فوج ہی تھا جو اندرونی اور بیرونی طور پر محافظ تھا مگر خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں پولیس کا محکمہ قائم کیا تھا) تو اگر اس محکمے

کے افراد ڈاکوؤں کو پکڑنا چاہیں تو ایک خفیہ حکمت عملی تیار کرتے ہیں اور یہ خفیہ حکمت عملی تیار کرنے کے لئے پولیس کا ہی ایک علیحدہ محکمہ جو مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے بنا ہے' پاکستان میں یہ اسپیشل برانچ C.I.A اور F.I.A کے نام سے کام کرتا ہے جبکہ دوسری خفیہ ایجنسیاں جیسے I.B' ISI اور MI وغیرہ کا کام کرنے کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ جب یہ ادارے ایک خفیہ حکمت عملی تیار کرتے ہیں اس کو آخر وقت تک ان افراد سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے جن سے یہ خدشہ لاحق ہو کہ وہ ملک دشمن عناصر تک یہ راز پہنچادیں گے چونکہ ایسا عوام کے مفاد میں ہوتا ہے یعنی ہر سرگوشی ہر ایک سے نہیں کی جاسکتی تو خفیہ ادارے کا یہ عمل اس آیت کے ضمن میں اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوگا جبکہ اسی عمل کو اگر شیطان کے بہکاوے کے حوالے سے دیکھیں تو انہی خفیہ اداروں کا کوئی اہلکار اگر اس حکمت عملی کو ڈاکوؤں دہشت گردوں یا دوسرے ملک دشمن عناصر تک اس لئے پہنچادے کہ اس طرح اسے ان عناصر سے اس مال میں سے حصہ مل جائے گا تو اس کا یہ عمل امانت میں خیانت کے مترادف ہوگا۔ چونکہ یہ سرگوشیاں جو اس کے اور ادارے کے افراد کے درمیان ہوئیں انہیں ملک کی ریاست اس امانت یعنی "سرگوشی کی حفاظت" کی تنخواہ دیتی ہے لیکن جب وہ اس سرگوشی کو مجرموں تک پہنچادیتا ہے تو وہ صرف خود کو فائدہ ہی نہیں پہنچاتا بلکہ مجرموں کے نہ پکڑے جانے کی وجہ سے سینکڑوں افراد کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس میں برابر کا حصے دار ہوتا ہے اور اس کے اس عمل کو خدا ہرگز ہرگز معاف نہ کرے گا وہ جہنم کا حقدار ہوگا۔ اسی طرح اس سورہ میں خاص طور پر ان سرگوشیوں کو موضوع بنایا گیا ہے جو جہاد کے دوران منافقین کیا کرتے تھے جس کا مطلب صاف ہے کہ وہ خفیہ ادارے جن کا تعلق ملک کے دفاع سے ہوتا ہے وہ اپنے دفاعی رازوں کو ملک کی بقا کے لئے چھپاتے ہیں اور اگر یہی راز غیر ذمہ داری سے ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں جو ہماری ریاست کی سالمیت کے دشمن ہوں تو پھر یہ ایک ناقابلِ تلافی نقصان کی صورت میں پورے ملک کو بھگتنے پڑتے ہیں اور اس امانت میں دوسری خیانت یہ ہے کہ ان اداروں کے لوگوں کی یہ بھی ایک ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی نشاندہی حکومت کو کرتے ہیں جو ملک و قوم کی معیشت و سالمیت کے لئے

نقصان دہ ہیں یا وہ ایسی کارروائیوں میں ملوث ہیں جس سے ملک کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کام کے لئے اگر خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار اپنے ذاتی دشمنوں یا ایسے افراد کے خلاف رپورٹ بنائیں جو انہیں ذاتی طور پر ناپسند ہوں تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ 1

آداب مجلس کو اس سورہ میں خاص موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ آیت نمبر 11 سے لے کر 15 تک اس عادت کا ذکر کیا گیا ہے جس کو رسول خدا سخت ناپسند کرتے تھے۔ اصحاب رسولؐ کی یہ عادت تھی کہ جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس آتے تو آپ کے گرد گھس کر بیٹھتے کسی دوسرے کو جگہ نہ دیتے تھے ایک دن جب جمعہ کے روز مسجد میں سب اصحاب جمع تھے حضرت مسجد کے در میں تشریف فرما تھے کہ بعد میں کچھ لوگ آگئے اور آپ کو سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مگر اصحاب نے ان کو بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور ان کو جگہ دینے کا حکم دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کرو تو کر دیا کرو خدا تم کو کشادگی عطا کرے گا'' یہ یاد رہے کہ یہ آیات مدینے میں اس وقت نازل ہو رہی ہیں جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی ہے اور حضور علیہ السلام کی حیثیت ایک بادشاہ کی سی ہے۔ اصحاب جو گرد جمع رہتے ہیں اور دوسروں کو آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی جتنی شہرت مال ومتاع ہے وہ بادشاہ سے وصول لیں چونکہ وہ حضور کو دنیا کا بادشاہ تصور کر رہے ہیں اور یہ بات بھول چکے ہیں کہ سرور کائنات دین کے بادشاہ ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نیتوں اور ارادوں سے باخبر ہیں اس لئے اس سے اگلی آیات انہی عادات و اطوار کے حوالے سے مسلسل آ رہی ہیں کہ ''سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ آیت نمبر 12

اب اس آیت کا پس منظر وہی ہے مگر اللہ تعالیٰ ایک تلافی کا موقع بھی دے رہا ہے۔

1۔ آیت نمبر 9 میں ''سرگوشی اور پرہیزگاری'' کو پہلے اس تناظر میں کسی تفسیر میں نہیں دیکھا گیا اگر کسی عالم دین یا مفسر صاحب کا اس حوالے سے کوئی تجزیہ موجود ہو تو نظر قارئین کیا جائے۔

اصحاب رسول کی عادت تھی کہ بار بار حضورؐ سے تخلیہ چاہتے تھے اس سے اوّل تو حضورﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی دوسرے با اثر حضرات غریب لوگوں کے پاس آنے اور گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے ہر روز یہی سلسلہ رہتا تھا۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی کہ تخلیہ سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی مگر صدقہ دیتا کون۔ بادل چھٹ گئے مطلع صاف ہو گیا مقصد اس صدقہ دلوانے کا یہ تھا کہ جن غریبوں کو حضورﷺ سے بات چیت کا موقع نہیں ملتا اور وہ دل شکستہ ہو کر واپس جاتے ہیں کم سے کم ان کو مالی فائدہ ہی پہنچ جائے گا۔ اس آیت کے حوالے سے مفسرین کی اکثریت نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ان تمام عاشقان رسولؐ میں صرف حضرت علیؑ ایسے تھے جنہوں نے دس دن تک مستقل حضورؐ سے تخلیہ کی اجازت چاہی اور دس دن تک صدقہ دیتے رہے اور ان دس دنوں میں کوئی شخص حضرت علیؑ کے سوا صدقہ دے کر خلوت کی درخواست نہ دے سکا۔ گیارہویں دن آپ کو تخلیے میں حضورؐ سے بات چیت کی اجازت ملی اور آپؐ نے اسرار ربانی کی تعلیم اس تخلیے میں حاصل کی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آیہ نجویٰ پر حضرت علیؑ کے سوا اور کسی نے عمل نہیں کیا یہ اس آیت کی کتنی توہین تھی اور حضرت علیؑ نے اس پر عمل کر کے رسولؐ کی زندگی ہی میں اس آیت کو توہین سے بچایا تو آخر اس وقت دوسرے اصحاب کرام ایمان کے کون سے درجے پر فائز تھے کہ چند درہم صدقہ دینا گوارا نہ کیا سب ایسے محتاج نہ تھے کہ دس روز تک چند پیسے نہ دے سکتے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ وہ غریب جو روزمرہ آ کر ان کے تخلیے میں مخل ہونا چاہتے تھے۔ ان غریبوں پر غصہ تھا تو پھر ان کو فائدہ کیوں پہنچاتے۔ اس لئے اب کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہ رہا کہ کُل قرآن پر اس کا عمل رہا ہے ماسوائے آئمہ طاہرین کے جو سنت رسولؐ کی عملی تصویر ہیں۔

اسی تسلسل میں اگلی آیات پھر ان منافقوں کے حالات بتا رہی ہیں۔ 14 سے 18 آیات تک میں کہا جا رہا ہے کہ "کیا تم نے ان کے حال پر بھی غور کیا جو ایسے لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب نازل کیا وہ نہ تو تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ منافق جھوٹی قسموں کو اپنی ڈھال بناتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے کہا جا رہا ہے جو یہودیوں سے بھی ملے

ہوئے تھے اور مسلمانوں سے بھی۔ یہ ایسے مکار لوگ تھے کہ مسلمانوں کی برائیاں کر کے پھر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم نے تو ایسے نہیں کیا۔ عہد رسولؐ میں ایسے لوگوں کی تعداد جب بڑھنے لگی تو ایک پوری سورہ منافقون ان کی مذمت اور ان کو پہچاننے اور احتیاط برتنے کے لئے اتری۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ رسولؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی اللہ جانے ان منافقوں کو آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی یا سب کے سب مومن ہو گئے۔ ہمیں اس نکتے پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

جو استخارہ کرے
ناکام نہیں ہوتا۔
جو مشاورت کرے
شرمسار نہیں ہوتا۔
جو میانہ روی اختیار کرے
مفلِس نہیں ہوتا۔

(حدیث نبویؐ)

سورۃ نمبر ۵۹ آیات: ۲۴

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الحشر

حشر (اکھٹا کرنے کی سورہ)

تعارف : وہ حشر جو عموی اولین اور آخرین کا ہے جو قیامت میں ہوگا یہاں یہود کے ایک قبیلے کو اجتماعی طور پر جو سزا دی گئی ہے وہ اس سورہ کی دوسری آیت میں حشر سے تعبیر کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس سورہ کا یہ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کا آغاز بھی اس بات سے ہو رہا ہے کہ وہ خدا جس کی آسمان و زمین تسبیح کرتے ہیں تم اس کی حکمت سے واقف نہیں وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب (بنی نضیر) کو ان کے اپنے گھروں سے نکال باہر کیا جبکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کے مستحکم قلعے ان کو عذاب سے بچالیں گے، پس اے آنکھوں والوں اس واقعہ حشر سے عبرت حاصل کرو۔

ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں کے دو بڑے قبیلے نبی عامر اور بنونضیر مدینے سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے ایک شخص عمر بن خمیری نے نبی عامر کے دو آدمیوں کو مار ڈالا اور چونکہ یہ دونوں قبیلے آپ کو امین صادق اور اپنا حج مانتے تھے اس لئے آپؐ چند اصحاب کے ساتھ دونوں کا خون بہا دلوانے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس آئے اور ان سے مدد چاہی انہوں نے بظاہر تو اطمینان دلایا لیکن خفیہ طور پر یہ مشورہ کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے اس کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ پر گرا کر آپ کا کام تمام کردیں گے آپ کو بالہام غیبی علم نبوت کے ذریعے اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپؐ وہاں سے اٹھ کر مدینے آئے اور اصحاب نے وہیں قیام کیا تا کہ ان کی شرارت کھل جائے کچھ دیر بعد وہ بھی مدینے آئے آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ بنی نضیر کے یہاں

قاتل شخص کعب ابن اشرف کا سرکاٹ لائیں یہ چند آدمیوں کے ساتھ گئے اور کامیاب لوٹے اس کے بعد آپ نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب تمہاری مکاری ظاہر ہوگئی ہے لہٰذا آج سے تم ہماری حکومت سے نکل جاؤ یا لڑنے پر تیار ہو جاؤ اور دس روز کی مہلت دی گئی ادھر ابن ابی نے ان کا دل بڑھایا اور دو ہزار کی کمک کا وعدہ کیا وہ لڑنے پر تیار ہوئے مگر جب مسلمانوں کا حملہ ہوا تو اپنے قلعے میں محصور ہو گئے اور جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو جلاوطنی پر مجبور ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس شرط پر کہ اپنے ہتھیار یہیں چھوڑ دو اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ اگر بنی نضیر جلاوطن نہ ہوتے تو خدا ان پر دوسرے طریقے سے عذاب نازل کرتا چونکہ انہوں نے خدا اور اسکے رسولؐ سے دشمنی مول لی تھی۔

اس سورۃ کا دوسرا اہم موضوع مال کی تقسیم کا ہے ایک وہ مال جو کفار سے جنگ میں فتح کے بعد حاصل ہو یعنی ''مال غنیمت'' اس میں سے خمس تو بنی ہاشم کا حق ہے اور باقی کل مجاہدوں کا اس لئے کہ بنی ہاشم پر غیر بنی ہاشم کی زکوٰۃ اور صدقہ حرام ہے دسویں پارے میں اس کا ذکر آچکا ہے دوسرے ''مال فے'' جو دشمن سے بغیر لڑے حاصل ہو وہ رسول کا حق خاص ہے اور ان کی مرضی ہے کہ وہ جسے چاہے دیں مگر اس کے مستحق بھی بنی ہاشم ہی ہیں۔

جب بنو نضیر جلاوطن ہوئے تو اپنے قلعے میں جتنے ہتھیار چھوڑ گئے تھے وہ سارا مال مال غنیمت نہیں تھا بلکہ مال فے تھا جو خاص طور سے رسول کا حق تھا کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہے دیں اس لئے آپ نے کل مال وہاں تین مہاجروں ابو دجانہ سہیل بن حنیف اور زید بن ظہیر میں تقسیم کر دیا اسی طرح جنگ خیبر کے بعد فدک کا علاقہ جو یہودیوں سے بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا وہ مال فے تھا کل کا کل رسول کی ملکیت تھا اس کا ایک حصہ باغ فدک تھا جو حضورؐ نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمۃ الزاہرہ صلوات اللہ علیہا کو دے دیا تھا اور اس کے متعلق دستاویز لکھ دی تھی لیکن افسوس کہ رسولؐ کے بعد اسلامی حکومت نے بی بی فاطمۃ الزاہرا سے وہ حق چھین لیا بلکہ حضرت عمرؓ نے تو وہ دستاویز ہی پھاڑ ڈالی کہ ہمیشہ کیلئے اس سلسلے کو ہی ختم کر دیا جائے اسی لئے اس سورۃ میں اچھی طرح

وضاحت کردی گئی تھی آیت نمبر 71 میں کہ ''جو مال خدا نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے بغیر لڑے دلوایا ہے وہ خاص خدا اور رسولؐ ان کے قرابت داروں یتیموں اور محتاجوں کا ہے پردیسیوں کا ہے تاکہ تم میں جو دولتمند ہیں وہ گھوم پھر کر دولت ان ہی کے پاس نہ رہے اس لئے رسولؐ جو تمہیں دیں وہ لے لیا کرو اور جس کے لئے منع کریں اس سے باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو۔''

اب قرآن پہلے ہی سے مطلع کر رہا ہے کہ حق تو یہ کن کا ہے اور حق مارنے والے کون لوگ ہونگے اسی لئے مال فے پر صرف رسول کی زندگی میں عمل ہوا مگر حضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سادات نبی ہاشم کو اس مال سے محروم کر کے بیت المال میں داخل کیا جانے لگا (یہ بھی یاد رہے کہ بیت المال نام کی کوئی چیز رسولؐ کے زمانے میں نہ تھی یہ بھی خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں قائم کیا تھا)

خدا نے جب زکوۃ سے نبی ہاشم کو استثنیٰ قرار دیا تو اس کے بدلے بسر اوقات کے لئے خمس رکھا تھا یہ خاندان رسولؐ کیلئے ایک خاص رعایت تھی لیکن جن لوگوں کو خاندان رسولؐ بالخصوص علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ کوئی رعایت منظور ہی نہ تھی انہوں نے اس جائز حق کو ان سے روک لیا تاکہ وہ مفلوک الحالی میں اپنی زندگی بسر کریں اور اس قابل ہی نہ رہیں کہ اہل حاجت ان کے دروازے پر جا کر اپنی حاجتیں طلب کریں مگر یہ رسولؐ کا گھرانہ تھا جس نے اپنے نفس پر دوسروں کے نفس کو ہمیشہ ترجیح دی آپ کی بے نظیر سخاوت پر ہی سورہ دھر نازل ہوئی جسے سورۃ ہل اتیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

مال غنیمت میں جو کچھ ملا کرتا تھا لوگ اس سے اپنے گھر بھر لیتے تھے ذخیرہ اندوزی کر لیتے تھے مگر تمام مورخین نے اس بات کا برملا اقرار کیا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے حصے کو کبھی اپنے گھر نہ لے گئے دروازے پر کھڑے کھڑے ہی تقسیم کر دیتے تھے۔ مدینے کے محتاج اس بات کا انتظار کرتے تھے کہ کب آپ کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے اور ہم دست سوال دراز کریں۔

اس سورۃ کا اختتام پھر بنی نضیر کے قبیلے کی طرف آتے ہوئے دوبارہ منافقوں کی ایک اور کارستانی پر ہو رہا ہے جب لشکر اسلام نے بنو نضیر پر چڑھائی کی اور ان کو جلا وطنی کا حکم حضورؐ نے دیا

تو کچھ منافقوں نے خفیہ طور پر جن میں ایک شخص عبداللہ ابن ابی کا نام خاص طور پر ہر مفسر نے لیا ہے کہ اس نے بنونضیر کو کہلا بھیجا کہ گھبرانا مت ہم ہر طرح تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں اگر تم ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر تم مغلوب ہو گئے اور تم کو جلاوطن ہونا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطن ہو جائیں گے لیکن یہ سب زبانی جمع خرچ تھا نہ وہ ان کے ساتھ مل کر لڑنے والے تھے نہ جلاوطن ہونے والے ان کا منشاء تو یہ تھا کہ ان کے جوش دلانے سے بنی نضیر لڑ پڑیں اور مسلمان تو تعداد میں کم ہیں وہ مارے جائیں اور ہمارا مطلب حاصل ہو جائے لیکن خدا کی شان سے تھوڑے سے مسلمانوں کی ایسی ہیبت بنی نضیر پر ہوئی کہ ان میں لڑنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی اور جلاوطنی اختیار کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ منافق مسلمانوں کی جنگ کے ہر موقع پر یہ دلی خواہش ہوتی تھی کہ مسلمان شکست کھا جائیں ان کے دلوں میں خدا کی نہیں بتوں کی محبت جڑ پکڑے ہوئے تھی اپنی جان کے خوف سے یا مال غنیمت کے لالچ میں بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اس لئے خدا نے ہر موقع پر ان کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھا اور ان کے نفاق کا پردہ چاک کیا۔

قرآن اس سورۃ میں ان منافقوں کا انجام بتا رہا ہے کہ ان کا حال بھی وہی ہوگا جو ان سے پہلے والوں کا ہوا تھا اور آخر میں ان مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ قرآن جو ہم نے رسولؐ پر نازل کیا اگر پہاڑوں پر نازل کرتے تو وہ بھی کانپ اٹھتے اور خوف سے پھٹ جاتے مگر تمہیں کچھ احساس نہیں قرآن پڑھتے ہو سمجھتے نہیں۔ سمجھتے ہو تو اس پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی اس ذمہ داری کا احساس ہے کہ تم سے اس کتاب کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

سورۃ نمبر ۶۰ آیات: ۱۳

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الممتحنۃ

تعارف: اس سورۃ میں ایک آیت میں فـامتحنوھن کا لفظ ہے یعنی ممتحن کہتے ہیں امتحان لینے والے کو اس آیت میں ان عورتوں کا امتحان لینے سے متعلق ہدایت دی جا رہی ہے کہ جو کافر شوہروں کو چھوڑ کر ادھر آ جائیں اور کہیں کہ ہم مسلمان ہو رہے ہیں تو ان کا یہ امتحان لے لو کہ وہ صرف اپنے شوہروں سے بگڑ کر ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آئی ہیں یا واقعی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہی ہیں۔

موضوع کی تفصیل:۔

اس سورۃ کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے مسئلہ اور مشرکین سے دوستی کرنے سے ممانعت کی گئی ہے مسلمانوں کو خدا کے پیغمبر سے ہدایت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور پہلی آیت ہی یہ کہتی ہے کہ اے ایمان لانے والو! تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے لئے محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس حق کا انکار کرتے ہیں اور مشرکین کی دوستی کتنی نقصان دہ ہے اس کا اندازہ اس واقعے کی حساسیت سے لگایا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے یہ آیات نازل ہوئیں۔

مفسرین کی اکثریت نے اس واقعے کو بالکل اسی طرح بیان کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت جس کا نام ''سارہ'' تھا اور وہ مکہ کے کسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی وہ مدینے میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ پیغمبرؐ نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے فرمایا کیا تو مہاجرت کے عنوان سے آتی ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تو کیوں آئی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرے قبیلے کے سارے لوگ مارے گئے' سب سرپرست فتح مکہ

کے بعد غائب ہو گئے' میں سخت محتاج ہو گئی ہوں اس لئے آپ کے پاس آئی ہوں تا کہ آپ مجھے کچھ عطا کریں اور لباس اور سواری سے نوازیں۔ آپؐ نے فرمایا مکہ کے جوان کہاں چلے گئے۔ (یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ عورت گانے والی تھی اور جوانوں کے لئے گانا گایا کرتی تھی) اس عورت نے کہا جنگ بدر کے بعد کسی نے مجھ سے گانے کی خواہش نہیں کی (اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ بدر کی ضرب مشرکین مکہ پر کتنی سخت تھی) آنحضرتؐ نے اولاد عبدالمطلب کو حکم دیا کہ اسے لباس' سواری اور کچھ رقم دے دی جائے۔ یہ اس موقع کی بات ہے جب آپؐ فتح مکہ کے لئے تیاری کر رہے تھے اس موقع پر حاطب ابن ابی بلتعہ جو ایک مشہور مسلمان تھا اور جنگ بدر و بیعت رضوان میں شریک تھا وہ سارہ کے پاس آیا اس نے ایک خط لکھ کر اسے دیا اور کہا اہل مکہ کو دے دینا اور اس کام کی اجرت یا رشوت کہہ لیں اس نے دس دینار اور ایک یمنی کپڑا بھی اسے دیا۔ حاطب نے اہل مکہ کو خط میں یہ لکھا تھا کہ رسولؐ خدا تمہاری طرف آنے کی تیاری کر رہے ہیں لہذا تم اپنے دفاع کیلئے تیار ہو جاؤ۔ سارہ نے خط لیا اور مکہ کی طرف چل پڑی۔ جبرئیلؑ نے اس واقعے کی اطلاع پیغمبر کو پہنچائی۔ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ' حضرت عمرؓ حضرت عمار یاسرؓ زبیر و طلحہ کو حکم دیا کہ وہ سوار ہو کر مکہ کی طرف جائیں ان سے یہ بھی فرمایا کہ تمہیں راستے میں ایک منزل پر سارہ نامی ایک عورت ملے گی جو مشرکین مکہ کے لئے حاطب کا ایک خط لے کر جا رہی ہے تم اس سے وہ خط لے لو۔ وہ لوگ وہاں سے چل پڑے اور اس جگہ پر جا پہنچے جہاں رسولؐ خدا نے فرمایا تھا۔ اس عورت نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کوئی خط نہیں ہے' ان لوگوں نے اس کے سامان سفر کی تلاشی لی لیکن انہیں کوئی چیز نہ ملی تو سب نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا ''نہ تو ہمارے پیغمبرؐ نے جھوٹ کہا ہے اور نہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں اور تلوار نکال لی اور اس سے کہا خط نکالو ورنہ خدا کی قسم میں تمہاری گردن اڑا دوں گا'' سارہ' حضرت علیؑ کے لہجے کی ہیبت سے کانپ گئی اور وہ خط جو اس نے اپنے بالوں میں چھپا رکھا تھا باہر نکالا اور حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا۔ آپ تک جب یہ خط پہنچا تو آپؐ نے حاطب کو بلوایا اور فرمایا یہ خط پہچانتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں آپؐ نے فرمایا

کہ یہ کام تم نے کس لئے کیا؟ وہ حضورؐ کے پیروں پر گر پڑا اور روتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی کافر نہیں ہوا اور کبھی بھی آپ سے خیانت نہیں کی ہے۔ جب سے میں مشرکین سے جدا ہوا ہوں کبھی ان کی دعوت قبول نہیں کی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بھی مہاجرین کے کچھ نہ کچھ لوگ مکہ میں ہیں جو مشرکین کے مقابلے میں ان کے گھر والوں کی حمایت کرتے ہیں مگر میں ان کے درمیان بالکل اجنبی اور اکیلا ہوں اور میرے گھر والے ان کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس طرح سے اپنا ایک حق ان کی گردن پر رکھ دوں تا کہ وہ میرے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آخر کار خدا انہیں شکست دے گا اور میرا خط انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر طیش میں آ کر کہا کہ یا رسولؐ اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر بن خطاب یہ منافق نہیں' یہ اس کی بشری کمزوری تھی یہ بدر کے غازیوں میں سے ہے اور خدا ان پر خاص نظر کرم رکھتا ہے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ مسلمان مشرکین سے دوستی ترک کر دیں اور خصوصاً پہلی آیت مہاجر عورتوں کے بارے میں "سارہ" کے رویے کی وجہ سے نازل ہوئی کہ اے ایمان والوں جب مومنہ عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں واپس نہ کیا کرو بلکہ امتحان کر لیا کرو۔ انہیں مومنات کہنے کے باوجود امتحان کا حکم دینا اس لئے تھا کہ' ظاہری طور پر کلمے کو زبان پر جاری کر کے شہادت دیتی تھیں مگر امتحان لینا اس لئے مقصود تھا کہ ان کی ہجرت اسلام قبول کرنے کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے نہیں تھی یعنی انہیں یہ قسم کھائی چاہئے کہ انہوں نے شوہر کی دشمنی یا کسی دوسرے مسلمان مرد سے تعلق یا مدینے کی سرزمین سے لگاؤ کی وجہ سے تو ہجرت نہیں کی۔

سورۃ نمبر ۶۱ آیات: ۱۴

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الصفت

تعارف: تقریباً شروع ہی میں ایک آیت میں صفا کا لفظ آیا ہے کہ صف باندھ کر جہاد کرو۔

اس سورۃ کے خاص مضامین یہ ہیں:

(1) ایسے دعوے نہ کرو جن کی تصدیق تمہارے عمل سے نہ ہو

(2) راہ خدا میں اس طرح صف جما کر لڑو جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔

(3) حضرت عیسیٰ کی اپنی قوم کو آنے والے رسول کی بشارت یہ کہہ کر کہ اس کا نام احمدؐ ہوگا۔

(4) دین اسلام کو تمام مذاہب پر غالب آنے کا وعدہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(5) تجارت کے نام سے ایمان اور جہاد کی دعوت آیت نمبر 10 سے 13 تک کی تشریح جو پہلے کسی اور سورہ میں اس طرح نہیں کی گئی۔

موضوع کی تفصیل:

مفسرین نے "... لم تقولون مالا تعقلون " کی شان نزول میں جو روایات بیان کی ہیں ان میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہے اکثریت کا اتفاق ہے۔ لشکر اسلام میں کچھ ایسے شیخی خورے مسلمان بھی تھے جو آپس میں بیٹھ کر ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ فلاں بات خدا کو ناپسند ہے تو ہم اس کے لئے جان و مال نثار کرنے میں کبھی دریغ نہ کریں اور جب ہم دشمن کے مقابل ہوں گے تو پشت نہیں پھیریں گے اور فرار نہیں ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے قول کو پورا نہ کیا اور جنگ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر کی پیشانی زخمی ہو گئی آپ کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے یعنی جب خدا نے جنگ بدر کے شہداء کا ثواب بیان کیا تو ایک جماعت نے کہا کہ اچھا یہ معاملہ ہے تو آئندہ جنگوں میں ہم اپنی تمام تر توانائیاں صرف

کردیں گے پھر جب وہ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تو اوپر والی آیت نازل ہوئی کہ یہ فعل خدا کے نزدیک عظیم غضب کا موجب ہے کہ تم وہ باتیں کہو جن پر عمل نہیں کرتے' مجالس عموی میں بیٹھ کر داد تحسین دیتے ہو لیکن جب میدان عمل کا وقت آتا ہے تو پھر ہر شخص ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ سچے مومنین کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی گفتار و کردار سو فیصد ہم آہنگ ہو چونکہ جس قدر انسان حقیقت سے دور ہوتا ہے اسی قدر ایمان سے دور ہوتا ہے۔

سورۃ کے اگلے حصے میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر اس لئے چھیڑا گیا ہے تا کہ امت رسولؐ کے نافرمانوں کو یہ بتایا جائے کہ تم امت موسیٰ جیسے نہ ہو جنہوں نے حضرت موسیٰ کو طرح طرح سے ستایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس رسولؐ کے بارے میں تمہارے دل میں شبہات ہیں یہ وہ رسولؐ ہیں جن کے آنے کی بشارت عیسیٰ ابن مریمؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو دے چکے ہیں کہ وہ تمہاری کتاب توریت کے مُصدِق یعنی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام احمدؐ ہوگا یعنی سب سے زیادہ حمد خدا کرنے والے' تو جن کی تصدیق عیسیٰؑ ابن مریم کر چکے ہوں جن کی دُعا ابراہیم کر چکے ہوں اُن کی رسالت میں شک کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

حضورؐ سرکار دو عالم اس دنیا میں آنے سے پہلے احمد تھے اور خدا محمود تھا لیکن جب وہ اس دنیا میں آئے تو محمدؐ (تعریف کئے ہوئے) بن کر آئے اور خدا حامد بنا ان کا۔ یعنی تعریف کرنے والا۔ افسوس کے یہودی جن کی آمد کے منتظر تھے اپنی توریت کی بشارت کی بنا پر اور جب وہ بشارت پوری ہوگئی آپ تشریف لائے اور اعلان نبوت کیا تو یہودیوں نے ان کی تصدیق کرنے کے بجائے الٹی سیدھی ہانکنی شروع کردی اور آپ کے خلاف سازشوں میں ملوث ہوگئے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرتؐ سے پہلے کسی کا نام احمد نہیں ہوا جب انجیل میں احمدؐ نام بتایا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نام خدا کا رکھا ہوا ہے یہ خصوصیت صرف محمدؐ اور ان کے اہلبیت کو حاصل ہے کہ ان کے تمام نام اللہ کے رکھے ہوئے ہیں علیؑ' فاطمہؑ' حسنؑ' حسینؑ اور یہی وجہ ہے کہ بارہ اماموں کے نام ان پانچ ناموں سے باہر نہیں گئے کیونکہ یہ خدا کے رکھے ہوئے ہیں۔

عیسائیوں نے انجیل میں اس قدر ترمیم و تنسیخ کی گویا انجیل باقی نہ رہی۔ چنانچہ یہ پیشن گوئی بھی اب ان الفاظ کے ساتھ انجیل میں نہیں لیکن اصل انجیل جو عبرانی میں ہے اس میں یہ پیشن گوئی پائی جاتی ہے باوجود تحریف کے مثلاً انجیل یوحنا کے باب نمبر 14 میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''اگر تم مجھے عزیز جانتے ہو تو میرے یہ احکام کو یاد رکھو میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تم کو دوسرا وکیل تسلی دینے والا دے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔'' پھر باب 15 میں ہے کہ ''جب وہ وکیل شافع جسے میں باپ کی طرف سے بھیجوں گا وہ میرے لئے گواہی بھی دے گا کیونکہ میں اگر نہ جاؤں گا تو وہ فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا'' (فارقلیط عبرانی زبان میں تسلی دینے والے وکیل کو اور گواہی دینے والے صادق کو کہتے ہیں یعنی احمدؐ کو حضرت عیسیٰ نے فاقلیط کہا) (اسی طرح عبرانی زبان میں آپ نے اپنے خالق کو باپ کہا تو عیسائیوں نے مستقل حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ پھر قرآن نے سورۃ توحید میں اس کی تصیح کی اور تردید کی کہ وہ اللہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا) حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ جب وہ روح صدق (محمدؐ) آئیں گے تو میری ستائش کریں گے اور مجھ میں جو چیزیں باپ کی ہیں وہ میری چیزیں لے لے گا اور تم کو دیکھلائے گا راستی کا گھر یعنی برے عمل کے لئے دوزخ کی اور اچھے عمل کے لئے راستی کے گھر جنت کی پیشن گوئی کرے گا۔ سورۃ کے آخری حصے میں کہا جا رہا ہے کہ اے ایمان والوں میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی۔

تجارت میں کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے خدا اور بندوں کے درمیان تجارت کی صورت یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اپنی جان اور مال سے راہ خدا میں جہاد کرو اس کے بدلے میں جو کچھ تمہیں خدا کی طرف سے ملے گا وہ ایسے باغات ہوں گے جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور پھر ان میں تمہارے لئے نہایت شاندار سجے سجائے مکانات ہوں گے اور اللہ کی نصرت تمہیں حاصل ہوگی۔ اور اگلی آیت میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ باوجود الوالعزم پیغمبر ہونے کے وہ حواریوں سے مدد مانگ رہے ہیں براہ راست اللہ سے مخاطب نہیں ہیں بلکہ

وسیلہ تلاش کر رہے ہیں۔ اگر خدا کو چھوڑ کر صرف وسیلے پر ہی اکتفا کرلیا جائے تو شرک ہے لیکن سورۃ کی آیت نمبر 35 میں خدا کہتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلہ (اس کی طرف جانے کے لئے وسیلہ تلاش کرو) مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کے محبوب ترین بندوں سے سفارش کراتا کہ وہ ہماری حاجت کو پورا کرادیں یا خدا کے اذن سے اس کے نمائندے ہو کر خود ہمیں عطا کردیں اور یہ وسیلہ محبوب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل یعنی چہاردہ معصومین ہیں اور پھر وہ لوگ جنہیں اللہ کے رسولؐ نے اعمال اور کردار کی بنیاد پر ایسے مسلمان مومنین کی فہرست میں شامل کیا جنہوں نے راہ خدا میں سخت اذیتیں اٹھانے کے باوجود اپنے ایمان میں خلل نہ ڈالا اور دین اسلام کو بچانے کے لئے اپنی پوری زندگی جہاد میں بسر کی یا جہاد کرتے کرتے شہادت پائی۔ ان میں سب سے بڑی شہادت عظمیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اپنے 72 عزیز و رفقاء کے ساتھ شہادت ہے اور ان کے بعد سارے ائمہ طاہرینؑ پھر اولیاء اللہ و اصحاب رسولؐ و اصحاب ائمہ طاہرین ہیں جیسے رسولؐ کے وہ اصحاب جنہوں نے اسلام کے راستے میں بے تحاشا تکالیف اٹھائیں۔ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت ایوب انصاریؓ، حضرت اویس قرنیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلیمان فارسیؓ، حضرت کمیلؓ، حضرت میسم تمارؓ وغیرہ۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(*چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۶۲ آیات: ۱۱

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الجمعہ

جمعہ کے دن کی سورہ

تعارف: اس سورۃ میں روز جمعہ کی خصوصیت خاص طور پر نماز جمعہ کا حکم ہے اس لئے اس کا یہ نام ہوا اس میں تبلیغ الٰہی کے بعد پیغمبر خداؐ کے ذمے خالق کی طرف سے جو کام ہیں وہ بیان ہوئے ہیں جن کا اس سے قبل پہلے اور دوسرے اور چوتھے پارے میں بھی بیان ہو چکا تھا مگر یہاں ایک خاص بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی رسالت زمانہ مستقبل کے آنے والوں پر بھی حاوی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ان صحابہ کرام کے کردار پر سرزنش کی گئی ہے کہ وہ رسول کو چھوڑ کر نماز جمعہ کو چھوڑ کر تجارتی باجے کی آواز سن کر چلے جاتے تھے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اس نماز کی ادائیگی کے لئے اپنے کاروبار اس سے پہلے بند کر دو پہلے نماز کی ادائیگی کرو پھر وہاں جمعہ کا خطبہ سنو پھر خطبہ سے فارغ ہو کر تجارت کرو تو اللہ برکت دے گا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ میں پہلا اہم موضوع کتاب الٰہی قرآن مجید کی حقانیت سے متعلق ہے اور یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ ''جن لوگوں پر توریت لادی گئی انہوں نے اس کے بار کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی کتابیں لدی ہوں'' آیت نمبر 5 سے 8 تک

یہودیوں کا حال یہ تھا کہ وہ توریت کو اس طرح لادے پھرتے تھے جس طرح گدھے پر سامان لادا جاتا ہے یعنی قرآن کتنی بری مثال پیش کر رہا ہے قرآن ان امتوں کی جو اپنی کتاب الٰہی کو اس سامان کی طرح سمجھتے ہیں جسے گدھے پر لاد دیا جائے۔ یعنی ان لوگوں کو گدھا کہا گیا ہے جن کے پاس انبیاء کتابوں کے ساتھ آئے مگر ان لوگوں نے اس نبی کو بھی تنگ کیا اور کتابوں کو ان کے

بعد اٹھا کر ایک سامان کی طرح سمجھا اور شیخی یہ مارتے تھے کہ ہم تو توریت کے عالم ہیں حالانکہ وہ اس کے علم سے قطعاً بے بہرہ تھے دوسرے ان پر یہ خبط سوار تھا کہ بس وہ ہی خدا کے نرالے دوست ہیں ہم ہی اللہ کی اولاد ہیں بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ ہمیں جہنم میں جلا ڈالے لہٰذا ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو ذرا تمنائے موت تو کرو جب قیامت میں تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ تمنائے موت کرنا اولیائے خدا کا کام ہے۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں اوّل وہ جو موت کے نام سے کانپنے لگتے ہیں دوسرے وہ جو سمجھتے ہیں کہ یہ چیز پلٹنے والی نہیں اس لئے بغیر کسی اضطراب کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں اور تیسرے وہ ہیں جو بقائے الٰہی کے شوق میں موت کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت اہل بیتؑ رسولؐ کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔ جب موت کا پسینہ آتا ہے تو بڑے بڑے قوی دل کانپنے لگتے ہیں حضرت عیسیٰؑ جیسے نبی موت کی صورت دیکھ کر پریشان ہو گئے اور کہنے لگے اے میرے معبود اس تلخی کے لئے مجھے کیوں چھوڑ دیا اگر اہل بیتؑ رسولؐ نہ ہوتے تو ان کا یہ بیان بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا۔ حضرت علیؑ کو جب سجدے میں ابن ملجم نے تلوار کا زخم لگایا اور خون سے نہا گئے تو ابن ملجم یعنی قاتل ہی کے بیان کے مطابق فرماتے ہیں کہ فزت برب الکعبہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ ہے کوئی جو موت کو کامیابی کہے اب سورۃ کے اس حصے میں جب توریت کی مثال یہودیوں کے لئے گدھے پر لادے ہوئے سامان سے دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن اپنے استاد کے حوالے سے یہ بھی بتا رہا ہے کہ اس امت مسلمہ نے بھی اگر یہودیوں کی طرح اس کتاب اور اس کی تعلیمات کو اٹھا کر ایک کونے میں رکھ دیا تو اس کی مثال بھی یہی ہوگی جیسے گدھے پر بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری یعنی امت مسلمہ کی حالت یہی ہو چکی ہے کہ قرآن ہمارے لئے صرف ایک موت کی کتاب بن چکا ہے ہم اسے مرنے والے کے ثواب کیلئے پڑھتے ہیں جبکہ یہ موت کی نہیں زندگی کی کتاب ہے جب زندگی ہی اس کے مطابق نہ گزری تو ہماری موت کے بعد کوئی اس کو ہمارے اجر کیلئے پڑھے تو پڑھنے والے کی محبت کو دیکھتے ہوئے اس کے

اجر میں شاید خدا کوئی مقام مقرر کر لے مگر جس شخص نے زندگی میں اس کتاب کی تعلیمات کو فراموش کیا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کے لئے یہ کتاب ایسے ہی ہے جیسے گدھے پر سامان لاد دیا جائے تو پھر اس کی موت کے بعد بھلا اسے اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے یہ تو کوئی ایسا عالم دین ہی بتا سکتا ہے جو شیخیاں تو بہت مارے یہودیوں کی طرح کہ میں عالم دین ہوں مگر وہ اس کتاب کا نہ تو علم رکھتا ہو اور نہ اس کا عمل ایک عالم کتاب قرآن کا سا ہو۔

آخری حصہ میں روز جمعہ جس وجہ سے اس سورہ کا نام ہوا اس دن کی عبادت کی افضلیت کے بارے میں ہے آنحضرت کو مومنین کہلوانے والوں کو بتانا پڑا کہ مومن کو اپنا رازق صرف اللہ کو سمجھنا چاہیے۔ کہا جا رہا ہے آخری آیت 9 سے 11 تک کہ '' اے ایمانداروں جب نماز جمعہ کیلئے اذان دی جائے تو ذکر خدا کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے جب نماز پڑھ لی جائے تو روئے زمین پر جہاں چاہو جاؤ اور اپنی روزی تلاش کرو۔ اور ان لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ جب سودا بکتا یا تماشہ ہوتا دیکھتے ہیں تو تمہیں کھڑا چھوڑ کر جھٹ چلے جاتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اللہ کے نزدیک اس تماش بینی اور تجارت میں کوئی بہتری نہیں اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

ان آیات کے نزول کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ جمعہ کے روز مسجد میں ظہر پڑھا رہے تھے کہ شام کا ایک تجارتی قافلہ ڈھول بجاتا آ پہنچا بس پھر کیا تھا نماز توڑ توڑ کر لوگ اس کی طرف گئے اور ساری مسجد خالی ہو گئی صرف بارہ آدمی حضرتؐ کے پیچھے رہ گئے۔ کوئی خریداری کے شوق میں بھاگا اور کوئی ڈھول کی آواز سن کر دوڑا کہ دیکھیں کیا تماشہ ہے۔ ختم نماز کے بعد حضرتؐ نے مڑ کر دیکھا تو صحابہ کرام کی یہ شان نظر آئی کہ کوئی بھی موجود نہ تھا آپؐ نے غضبناک لہجہ میں بقیہ لوگوں سے فرمایا اگر تم بھی چلے جاتے تو خدا ایک ایسی آگ بھیجتا کہ تم سب جل کر خاک ہو جاتے۔ اسی لئے نماز جمعہ میں خطبہ بہت ضروری ہو گیا کہ اس دن کی فضیلت کو نمازیوں کو بتانا اور نماز جمعہ کو فریضہ کی حیثیت دینا پیغمبرؐ کی سنت واجب قرار دی گئی۔

ایسے روح پرور مناظر ایک بار نہیں کئی بار پیش آئے اور ایسا تو اکثر ہوا کہ لوگ حضرتؐ سے پہلے ہی رکوع میں چلے جاتے تھے چنانچہ ایک بار حضورؐ نے فرمایا ''تم مجھ سے پہلے رکوع میں نہ جایا کرو میں پیچھے سے بھی تم کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں''۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام نماز میں حضورؐ کا اتباع کوئی ضروری امر نہ سمجھا جاتا تھا۔ ان غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ دینی غفلتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضورؐ نے مدینے میں باجماعت نماز کے اجتماع کے لئے جمعہ کا دن اور اس نماز جمعہ میں خطبہ کے انعقاد کو ضروری واجب کہا تا کہ اس خطبے سے ان برائیوں کی نشاندہی کی جائے جو وقت کے ساتھ ساتھ ایمان والوں میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار

اور خدا واسطے کے گواہ بنو

اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتے داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ (سورۃ النساء ۱۳۵:۴)

سورۃ نمبر ۶۳

آیات: ۱۱

مقام نزول: مدینہ

سورۃ المنٰفقون

منافقوں کے حال کی سورہ

تعارف: اس سورۃ سے پہلے کم و بیش ہر سورۃ ہی میں سورۃ بقرہ کے آغاز سے ہی منافقوں کا ذکر قرآن میں اس نام سے نہیں بلکہ منافقوں کے اوصاف کے حوالے سے جابجا؛ کہیں المنافقون اور کہیں المنافقین کہہ کر بار بار ہوتا رہا مگر یہ پورا سورہ ان کے نام پر اتار دیا گیا جس میں منافق کے اوصاف و علامات بھی ہیں اور ان کے حوالوں کا جواب بھی کہ کھلے ہوئے کافر اسلام کے لئے اتنے ضرر رساں نہیں اتنے خطرناک نہیں تھے جتنے وہ جو ظاہراً مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے دل کافر تھے۔

موضوع کی تفصیل:

نام ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ آیات خاص طور پر منافقوں کی عادات' مزاج اور رویہ کے حوالے سے ہیں کہ یہ کیسے اپنا الو سیدھا کرتے ہیں اور خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اس خاص سورۃ کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن ابی انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کا سردار تھا بڑا صاحب اثر تھا۔ جب حضورؐ مدینے تشریف لائے اور انصار نے آپؐ سے بیعت کرنی شروع کی تو عبداللہ کو اپنی سرداری خطرہ میں نظر آئی لوگوں کو حضرت کی بیعت سے روکنا چاہا مگر حق پرستی کا جذبہ لوگوں پر اس حد تک غالب آ چکا تھا کہ اس نے اپنی کوشش میں ناکام ہو کر مجبوراً بیعت تو کرلی مگر اس کے دل میں حضورؐ کی مخالفت کی آگ بھڑکتی رہی اور در پردہ یہودیوں اور مشرکوں کو حضرتؐ کے خلاف بھڑکاتا رہا اور مسلمانوں میں جو لوگ اس کے زیر اثر تھے ان کو بھی حضرتؐ کے خلاف بھڑکاتا رہا وہ اسلام کے احکام کو ان کی نظر میں بے وقعت کرنا چاہتا تھا' وہ انصار کے گھر گھر

جا کر انہیں سمجھاتا کہ ان مہاجروں کو پناہ دے کر تم نے ایک آفت مول لے لی ہے تم نے ان کو گھر دیئے دولت دی مگر اس پر بھی یہ تمہارے نہ ہوئے یہ لوگ لڑائیوں میں تمہیں کنوا کر تم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ تمہاری اتنی بڑی جماعت پر غالب آ گئے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے بچے ان کے دروازوں پر بھیک مانگیں گے۔ اس کی زہریلی تقریروں اور پروپیگنڈے کا اثر یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے منافقوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور حضورؐ کو اس کی سازشوں کا پتہ بھی چل گیا تھا اور آپؐ کے اصحاب خاص خصوصاً حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت عمار یاسرؓ اویس قرنیؓ بلال حبشیؓ حضرت ایوب انصاریؓ نے اس کے نفاق کی قلعی کھولنے کی ذمہ داری نبھائی تو لوگوں نے اس کے قتل کی اجازت حضرتؐ سے چاہی مگر آپؐ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں لوگوں سے یہ کہلوانا پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ پہلے تو لوگوں کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں پھر خود ہی انہیں قتل کرا دیتے ہیں۔ یہی وہ شخص تھا جو جنگ احد میں اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مدینے واپس آ گیا تھا۔ اب ان منافقین کی آخرت ان کے انجام اور دنیا میں ان کے رویوں سے متعلق یہ سورۃ نازل ہو رہی ہے کہ ان کی توبہ اور مغفرت کی سفارش اگر رسولؐ بھی کریں تو اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ تو جن لوگوں پر اللہ اس حد تک غضبناک ہو کہ اپنے محبوبؐ کو بھی آیات الٰہی میں منع کریں کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ کرو تو اہل علم وفکر سوچ سکتے ہیں اور قرآن انہیں یہاں غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے کہ ''منافق کی بخشش کا معاملہ کتنا اہم ہے اور اللہ کے نزدیک منافق اس کافر سے بھی بدتر ہے جو لاعلمی کی بنیاد پر کافر ہے اور علم آتے ہی وہ توحید پر ایمان لا سکتا ہے اور وہ اہل کتاب جو اسلام اور حضورؐ پر صرف لاعلمی کی بنیاد پر ایمان نہیں لائے وہ دونوں یعنی مشرک وکافر اور اہل کتاب منافق سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اب سورۃ منافقوں کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں آیات کا مضمون غور سے دیکھیں، چاہے ترجمے کے لحاظ سے دیکھ لیں یا تفسیروں کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیں ایک ہی بات سامنے آ رہی ہے کہ جب کوئی منافق Expose ہوتا ہے اس کا راز فاش ہوتا ہے اور اہل ایمان اس سے کہتے ہیں کہ آؤ رسولؐ اللہ کے پاس چلیں تاکہ وہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں تو یہ اس بات کو توجہ سے

نہیں سننا چاہتے اور اپنا سر پھیر لیتے ہیں از راہ تکبر منہ موڑ لیتے ہیں۔ یعنی یہ سننا بھی ان کو گوارہ نہیں کہ حضورؐ ان کیلئے استغفار کریں گویا یہ خدا سے مغفرت طلب کرنا اپنی توہین تصور کرتے ہیں تو اے رسولؐ ان کیلئے تمہارا استغفار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے چونکہ منافق کیلئے اگر رسول بھی استغفار کریں تو قبول نہ ہوگا یہ وہ منافق ہیں جو لوگوں سے کہتے ہیں کہ رسولؐ کے جو ساتھی مہاجرین ہیں ان کی مدد کرنا چھوڑ دو پریشان ہوکر یہ خود بھاگ کھڑے ہونگے ان بدبختوں کو یہ پتہ ہی نہیں کہ آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک تو خدا ہے۔ ان کے پاس ہے ہی کیا کہ اگر یہ مدد کرنا بند کردیں تو کوئی آسمان ٹوٹ پڑے گا۔

پھر اگلی آیت 8 سے 11 تک میں یہ منافق جس طرح مہاجرین کے لئے تحقیر آمیز جملے استعمال کرتے تھے کہ اصل عزت دار تو ہم ہیں (نعوذ باللہ) رسولؐ اور ان کے ساتھی تو عزت نہیں رکھتے ان احمقوں کو خبر ہی نہیں کہ خالص عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایمان والوں کیلئے ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان سے کہا جارہا ہے کہ جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ مرنے سے پہلے راہ خدا میں دو ورنہ جب موت مہلت نہ دے گی تو پھر حسرت بھرے لہجے میں یہی کہتے رہ جاؤ گے کہ کاش تھوڑی سی مہلت مل جاتی۔

وقت معلوم کی دہشت سے لرزتا ہوا دل
ڈوبا جاتا ہے کہ مہلت نہیں ملنے والی

سورۃ نمبر ۶۴ آیات: ۱۸

مقام نزول: مدینہ

سورۃ التغابن

(ایک دوسرے کے مقابلے میں گھاٹا اٹھانے کی سورہ)

تعارف: کفر اور ایمان کے مقابلے کے بعد خسارے کا راستہ کونسا ہے جسے انسان فائدہ کا راستہ سمجھتا ہے درحقیقت جسے وہ خسارے کا سودا سمجھتا ہے اہل ایمان کے لئے، وہ آخرت میں ان کا بہترین سودمند ساتھی ہوگا جبکہ اہل کفر کے لئے دنیا میں جو فائدے کا سودا ہے وہ آخرت میں گھاٹے کا سودا ہوگا۔

موضوع کی تفصیل:

تمام انسانوں کو خطاب کر کے چند مختصر فقروں میں انہیں چار بنیادی حقیقتوں سے آگاہ کیا گیا ہے، سارا خطاب ایمان اور اخلاق کی تعلیم پر مبنی ہے۔

(1) اوّل یہ کہ یہ کائنات جس میں تم رہتے ہو یہ بغیر کسی چلانے والے کے نہیں ہے اور یہ چلانے والا ایک ایسا قادر مطلق خدا ہے جس کے کامل اور بے عیب ہونے کی گواہی اس کائنات کی ہر بے جان اور جاندار شے دے رہی ہے۔

(2) دوئم یہ کہ یہ کائنات بے مقصد اور بے حکمت نہیں ہے کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ ایک فضول تماشا ہے جو اپنے وقت پر ختم ہو جائے گا۔

(3) سوئم یہ کہ تمہیں اللہ نے جس بہترین صورت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور پھر جس طرح کفر و ایمان کا اختیار تم پر چھوڑ دیا ہے یہ کوئی لاحاصل اور بے معنی کام نہیں ہے کہ تم خواہ کفر اختیار کر دیا ایمان دونوں صورتوں میں اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو بلکہ دراصل خدا یہ دیکھ رہا ہے کہ تم اپنے اس اختیار کو کس طرح استعمال کرتے ہو یعنی صرف اپنی خواہشوں کے پیچھے دوڑتے ہو یا عقل کو بھی

استعمال میں لاتے ہو یا نہیں۔

(4) چوتھے یہ کہ تم غیر ذمہ دار نہیں ہو آخرکار تمہیں اپنے خالق کی طرف پلٹ کر جانا ہے جہاں تمہارے ایک ایک عمل کی جواب دہی کا ایک بہت موثر نظام موجود ہے اور تمہارے انجام کا فیصلہ اسی جواب دہی کے نظام کے تحت ہوگا۔

کائنات اور انسان کی حقیقت کے یہ چار بنیادی اصول بتانے کے بعد اب کلام کا رخ ان لوگوں کی طرف مڑتا ہے جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا جو حق سے منہ پھیرے رہتے ہیں اور رسولؐ کا کام تو بس اتنا ہے کہ واضح طریقے سے خدا کا پیغام پہنچا دے۔ پھر اہل ایمان سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ جو مصیبت انسان پر نازل ہوتی ہے اگر خدا چاہے تو اسے روک دے وہ اپنی مصلحت کی وجہ سے کبھی روکتا ہے کبھی نہیں روکتا مگر جو صاحب ایمان ہیں خدا ان کے دل کو صبر کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔

پھر مال اور اولاد کو آزمائش کا ذریعہ کہا جا رہا ہے کہ کبھی تو مال تم کو نیک امور سے روکتا ہے اور کبھی اولاد کی صحت اور کبھی ازدواج یعنی بیوی یا عورت کا منہ تمہیں نیک اعمال سے روکتا ہے۔ آخر میں خدا کی حکمت اور اس کے غفور الرحیم ہونے کی بات کی جا رہی ہے کہ اس کو غیب کا علم ہوتا ہے وہ اپنے بندوں کو پہچانتا ہے اس لئے کبھی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ جتنی جس میں طاقت ہو اللہ سے ڈرے اور اپنے نفس کو حرص سے بچائے رکھے کہ اس کی کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

سورۃ نمبر ۶۵ آیات: ۱۲

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الطلاق

تعارف: اس سورۃ میں شروع سے احکام طلاق پر بحث کی گئی ہے اور اس حوالے سے کچھ وعظ و نصیحت کی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کا نام یہ ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

ویسے تو یہ سورۃ خالصتاً طلاق کے فقہی اور شرعی پہلوؤں کی تعلیم دے رہا ہے مگر چونکہ طلاق ایک ناپسندیدہ سماجی مسئلہ ہے جسے اللہ نے بھی انتہائی ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے اور اس کے رسولؐ نے بھی کہا کہ یہ وہ جائز برائی ہے جس کا انجام دیا جانا ہی اس مسئلے کی سنگینی کا حل ہے۔ طلاق کو انتہائی درجہ کی مجبوری قرار دیا گیا ہے جب میاں بیوی کے درمیان اتفاق کا ہر راستہ بند ہو جائے تو پھر اس راستے کو اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے مگر اس میں بھی مرد کیلئے تنبیہ یہ ہے کہ اس کی طلاق کی عدت تک مرد اسے گھر سے نہ نکالے اور عورت کو چاہیے کہ وہ گھر سے باہر قدم نہ رکھے۔ عدت کے دوران اور مقررہ شرعی وقت تک روکنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شاید اس مدت میں مرد اور عورت کے درمیان صلح کا کوئی راستہ نکل آئے اور غصہ کی حالت میں کیے گئے فیصلے پر دونوں کو جو پچھتاوا ہو اس پر نادم ہو کر اس مکروہ فعل سے باز رہیں۔

پھر قرآن صاف لفظوں میں یہ کہہ رہا ہے کہ عدت ختم ہونے کی مدت سے پہلے یا تو شائستہ عنوان سے اسے روک لو اور اگر علیحدگی کی ٹھان ہی لی ہے تو شریفانہ طریقے سے اسے رخصت کر دو اور عدت تک اس کے سارے اخراجات مرد کے ذمہ ہیں۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ صرف زبان سے کہہ دینے یا کاغذ پر لکھ کر بھیج دینے سے کہ میں نے تمہیں طلاق دی کافی نہیں بلکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ

یعنی جب تک باقاعدہ صیغہ طلاق جاری نہ کیا جائے یعنی ایک عالم صیغہ طلاق پڑھے اور دو عادل گواہ اس کے سننے والے نہ ہوں اور پھر گواہوں سے بھی کہا جا رہا ہے کہ عدل سے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا کہ جو خدا سے ڈرے گا اور آخرت پر ایمان رکھے گا تو وہ آخرت میں اس عادل گواہ کے نجات کی صورت نکال دے گا۔ یہ دو گواہوں کی موجودگی اور شرط ہے عادل گواہوں کی تا کہ اتنا بڑا اور اہم فعل اگر اکیلے میں انجام دے لیا جائے تو اس کے نتائج ایک پورے گھر کی بربادی کا باعث بنتے ہیں اسی۔ لئے دو عادل گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے مگر افسوس کہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ غصے میں کوئی شخص تین بار کہہ دے کہ میں نے تمہیں طلاق دی تو خواہ اس کا کوئی گواہ ہو یا نہ ہو اس طلاق کو حتمی سمجھ کر ایک گھر اجڑ جاتا ہے اور کوئی قرآن کے الفاظ پر غور نہیں کرتا، فکر نہیں کرتا کہ آخر ان دو گواہوں کی شرط کیوں رکھی گئی ہے تا کہ ان کی موجودگی میں وہ میاں بیوی کو اس مکروہ فعل سے باز رکھنے کی نصیحت کر سکتے ہیں اور ان کا غصہ ٹھنڈا کر کے اس طلاق کے نتائج سے انہیں ڈرا کر ایک گھر برباد ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے جس طرح ہمارے کچھ مفسرین نے قرآن کے دوسرے حساس معاملات کو علم کے حوالے سے نہیں بلکہ اپنے تعصبات کے حوالے سے دیکھا ہے اسی طرح ہمارے علماء اور مفتیوں نے بھی بغیر سوچے سمجھے فتوؤں کی بھرمار کی ہوئی ہے نہ عقل کو استعمال کیا گیا ہے اور نہ حکمت کو کہ آخر ایک رشتہ جوڑنے کے لئے جب ایک نکاح پڑھانے والا عالم اور دو گواہوں کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے تو وہی رشتہ صرف غصہ میں اکیلے میں تین بار ایک لفظ "طلاق دی" کہنے سے کیسے ٹوٹ سکتا ہے۔ ظاہر ہے رشتہ جوڑنے کا جو طریقہ کار ہے رشتہ توڑنے کا بھی وہی طریقہ کار ہوگا تبھی تو رشتہ ٹوٹے گا۔ آخر کوئی مرد کسی عورت سے اگر اکیلے میں یہ کہہ دے کہ میں نے تم سے نکاح کیا، نکاح کیا تو کیا ایسے نکاح کو سماج مان لیتا ہے، ظاہر ہے نہیں مانتا تو پھر رشتہ توڑنے کیلئے یہ الفاظ جن کا کوئی گواہ نہ ہو انہیں سماج کیسے صحیح تسلیم کر لیتا ہے؟ یہ لمحہ فکر ہے کہ قرآن ہمیں غور و فکر اور تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔

صورت کے آخر میں عورت کے حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے قرآن کہہ رہا ہے کہ عورت

کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرو ایسا ظلم نہ کرو کہ بس طلاق کے الفاظ ادا کرتے ہی انہیں گھر سے نکال دو اور اسکے اخراجات سے بے نیاز ہو جاؤ اگر عورت بچوں کے ساتھ ہے تو اس کا خرچہ بچوں کے ساتھ اپنی حیثیت کے مطابق طے کرو خدا کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اگر احکام خداوندی کا پاس رکھا جائے تو اللہ بہت جلد تنگدستی کو فراخ دلی سے بدل دے گا۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں
اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن
ہیں اُن سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو و درگزر سے
کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور و رحیم ہے
تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک
آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس
بڑا اجر ہے

یعنی دنیاوی لحاظ سے اگرچہ یہ وہ لوگ ہیں جو انسان کو
سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن دین کے لحاظ سے
یہ تمہارے "دشمن" ہیں۔ یہ دشمن خواہ اس حیثیت سے
ہوں کہ وہ تمہیں نیکی سے روکتے اور بدی کی طرف مائل
کرتے ہوں یا اس حیثیت سے کہ تمہیں ایمان سے
روکتے اور کفر کی طرف کھینچتے ہوں یا اس حیثیت سے کہ ان کی
ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہوں بہرحال یہ ہے ایسی چیز کہ
تمہیں اس سے ہوشیار رہنا چاہیے اور اُن کی محبت میں
گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب
نہیں کرنی چاہیے

سورۃ نمبر ۶۶ آیات: ۱۲

مقام نزول: مدینہ

سورة التحريم

اس سورۃ کا آغاز واقعہ ''تحریم'' سے ہوا ہے اس لئے اس سورے کا یہ نام ہوا اس سورۃ میں خاص مضامین یہ ہیں۔

(1) رسول خداؐ کی دو بیویوں کو شدید تنبیہ اور ضمناً ان کے انتہائی خطرناک ہونے کا بیان۔

(2) اہل ایمان کی ذمہ داری کہ وہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی جہاں تک ممکن ہو عذاب الٰہی سے بچائیں۔

(3) پرخلوص توبہ کی ہدایت۔

(4) اچھے شوہروں کی بری بیویوں کی مثال میں زوجہ نوح اور زوجہ لوط کو پیش کرنا اور اس موضوع کے لحاظ سے ازواج رسولؐ کے غرور شرف پر تازیانہ۔

(5) برے شوہر کی اچھی زوجہ کے لئے زوجہ فرعون کی مثال۔

موضوع کی تفصیل:

یہ بڑا حساس موضوع ہے جسے اکثر مفسرین نے الفاظ کی کاریگری اور کچھ نے حد سے زیادہ احتیاط 'اتنی احتیاط کہ سچ چھپ جائے اور جھوٹ سامنے آنے سے شرمائے' کے مصداق اس طرح پیش کیا ہے کہ نہ صرف اس سے نبی کی معصومیت اور عصمت و حرمت کو سمجھنے میں دقت پیش آئے بلکہ اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی اور عمل کی ہوئی چیزوں کو درست قرار دینے میں بھی مدد مل سکے۔ یعنی وہی بات کہ تحقیق غور و فکر اور تعصب سے پاک ذہنوں کے فقدان نے بدقسمتی سے کئی ترجمہ نگاروں کو مفسر کہلوا دیا مگر اس صدی کے بہت بڑے اسکالر جناب ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر اس سورۃ کے حوالے سے ہمیں عقل و حکمت سے بہت زیادہ قریب دکھائی دیتی ہے۔ گو کہ تعصب اور اپنے

بزرگوں اور گردونواح کے صاحبانِ علم ودانش کا خوف مولانا کی تفسیر میں بہت جگہوں پر نمایاں ہے اسکے باوجود مولانا ابوالاعلیٰ کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ تحقیق کے پہلو کو جہاں جہاں اولیت دیتے ہیں وہاں وہاں سچائی ان کے قلم سے اپنے آپ کو خود لکھوا دیتی ہے چاہے اس میں ان کی نیت کا دخل ہو یا نہ ہو چونکہ علم قرآن پر تحقیق عبادت سے کم نہیں اور اس عبادت کا اجر خدا ضائع نہیں کرے گا۔ وہ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا بشرطیکہ یہ محنت خالصتاً اس کی خوشنودی اور رضا کے لئے ہو اور دنیا کے ہر خوف سے آزاد ہو۔ تبلیغ دین کے زمانے میں ہر مفسر اور ترجمہ نگار نے یہ اقرار کیا ہے کہ جاہل عرب دل سے مانتے تھے کہ رسولؐ امین اور صادق ہیں توحید کی حقانیت ان کے دل کے حساس تاروں کو چھیڑتی تھی عقل تسلیم کرتی تھی کہ محمدؐ صحیح کہہ رہے ہیں مگر وہ خوفزدہ تھے اپنے بزرگوں کے دین کو چھوڑ کر اپنے عزیز و اقارب دوست احباب سے رشتہ توڑنے سے ڈرتے تھے اور اس عارضی دنیا اور ان عارضی رشتوں کیلئے احمقوں نے اپنی ہمیشہ کی آخرت تباہ کی۔ اسی طرح کوئی محقق اگر علم دین کو سمجھ کر پھر بھی دنیا سے خوفزدہ ہو جائے اور سچائی نڈر ہو کر اس کے قلم سے نکلنے کو اس طرح بے چین ہو کہ بقول غالب ''کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے'' لہٰذا اس سورۃ کے حوالے سے جو بات ہمارے دل کو لگی وہ جناب ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن سے ماخوذ ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے بزرگوں کی احترام کی صحیح حدود سے آشنا کرنا چاہتا ہے صحابہ کرام ہوں یا ازواج مطہرات یہ سب انسان تھے فرشتے یا فوق البشر نہ تھے ان سے غلطیوں اور گناہوں کا سرزد ہونا ممکن تھا ان کو جو بھی احترام حاصل ہوا وہ حضورؐ کی قربت کی بنا پر تھا نہ کہ وہ کچھ ایسی ہستیاں تھیں جو غلطیوں اور گناہوں سے مبرا تھیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں جب بھی صحابہ یا ازواج مطہرات سے غلطیاں اور گناہ سرزد ہوئے ہیں انہیں ٹوکا گیا ہے ان کی بعض غلطیوں کی اصلاح حضورؐ نے خود بھی کی جس کا ذکر احادیث میں بکثرت آیا ہے اور بعض سنگین غلطیاں جو گناہ کے حدود سے بھی آگے نکل گئیں ان کا ذکر قرآن مجید نے کر کے اللہ تعالیٰ نے خود ان کی اصلاح کرنے کا حکم دیا تا کہ مسلمان کبھی بھی بزرگوں کے احترام میں مبالغہ آمیزی

کر کے انہیں ان کے مقام سے بڑھانہ دیں۔ آپ قرآن پاک کا مطالعہ آنکھیں کھول کر عقل وفہم سے کام لے کر اور جذباتیت سے ہٹ کر کریں تو آپ کو جابجا اللہ تنبیہ، مذمت اور آخرت میں ان کے مقام کا تعین نظر آئے گا۔ جس میں جنگ احد کے صحابہ کی دوڑ کی مذمت، سورۂ نور میں حضرت عائشہ پر تہمت کا ذکر، سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات سے خطاب جس میں رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تم دنیا کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں۔'' پھر سورہ جمعہ میں صحابہ سے متعلق فرمایا کہ جب انہوں نے کاروبار تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف دوڑے اور اے نبیؐ تم کو خطبے میں کھڑا چھوڑ دیا ان سے کہو جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔'' سورۃ کی تفسیر سے پہلے اسی تمہید میں مولانا فرماتے ہیں کہ ان امور کے علاوہ ایک اور اہم حقیقت جو اس سورۃ سے ہمیں معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیؐ کے پاس صرف یہی علم نہیں آتا جو قرآن میں درج ہوا ہے بلکہ آپ کو وحی کے ذریعے سے دوسرا علم دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں اور اس وحی کو جو قرآن کا حصہ بن سکتی تھی حدیث قدسی کہا جاتا ہے۔ اسی صورت کی آیت نمبر 3 میں نبی کو اس بات کا علم ہو جانا کہ جو بات انہوں نے ایک بیوی سے راز رکھنے کیلئے کہی مگر انہوں نے وہ راز افشا کر دیا تو حضورؐ کو جب وحی کے ذریعے علم ہوا تو بیوی کو تنبیہ فرمائی بیوی نے پوچھا کہ آپ کو میری یہ غلطی کس نے بتائی آپ نے فرمایا اس علیم وخبیر نے جو عالم الغیب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پورے قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جو یہ بتائے کہ "اے نبیؐ تم نے اپنی بیوی سے جو بات راز میں کہی وہ افشا ہو چکی ہے۔ تو یہ اس بات کا ثبوت اور دلیل ہے کہ قرآن کی آیتوں کے علاوہ بھی حضورؐ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

وہ واقعہ وحالات جن کی بناء پر یہ سورۃ نازل ہوئی:

آنحضورؐ نے تبلیغ دین کی خاطر بہت زیادہ نکاح کئے۔ کچھ روایتوں کے مطابق '9' کچھ کے

مطابق 11 اور کچھ کے مطابق 15 اور بیک وقت کئی بیویاں آپ کے نکاح میں تھیں، صرف حضرت خدیجہؓ جو آپ کی پہلی بیوی ہیں وہ واحد خاتون اُم المومنین ہیں جن کی موجودگی میں حضورؐ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا ان کی وفات کے بعد آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا اور بی بی خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ اعتماد آپ انہی پر کرتے تھے جب جنگیں زیادہ ہوئیں اور مسلمانوں کی فتوحات بڑھیں تو مال غنیمت میں دشمن کی عورتیں بھی آتی تھیں جن کو کنیزیں بنالیا جاتا تھا اور حضورؐ کے حکم سے کچھ لوگ ان سے نکاح یا متعہ بھی کر لیتے تھے۔ سن 7 ھ میں روم کے بادشاہ نے آپؐ کو ایک کنیز ماریہ قبطیہ کو تحفتاً آپؐ کی کنیزی میں دیا، چونکہ وہ عیسائی اہل کتاب تھیں مگر دل ہی دل میں حضورؐ کی تعلیمات کو پسند کرتی تھیں اور اکثر اس کا اظہار کیا کرتی تھیں اسی بناء پر جب سلطان روم مقوقیس نے اپنی سب کنیزوں سے پوچھا کہ میں حضورؐ کی خدمت میں ایک کنیز کا تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں تو ماریہ قبطیہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ اے بادشاہ اگر میری خدمات اور وفاداری کا کوئی صلہ آپ دینا چاہتے ہیں تو یہ شرف مجھے بخش دیجئے کہ یہ آرزو برسوں سے دل میں پل رہی ہے کہ میں آپ کی خدمت کروں۔ سلطان نے یہ بات مان لی اور آنحضرت کو وحی کے ذریعے علم ہو چکا تھا کہ ایک عیسائی نژاد خاتون کے بطن سے آپ کو پروردگار فرزند عطا کرے گا۔ آپؐ نے بی بی ماریہ قبطیہ کو اپنی تمام بیویوں سے الگ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اس گھر میں جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے قیام فرمایا تھا، وہاں ماریہ کو اتارا اور رفتہ رفتہ آپ کا بھروسہ ان پر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپؐ نے اپنے پینے کے پانی کا انتظام بھی انہی کے یہاں رکھا اور جس قدر آپؐ کی ذاتی چیزیں تھیں وہ بھی انہی کے پاس رہتی تھیں اسی وجہ سے اس گھر کا نام مشربہ ام ابراہیم مشہور ہو گیا۔ اس لئے کہ ان خاتون سے حضورؐ کو جو فرزند اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا ان کا نام ابراہیم تھا اور آپ اُم ابراہیم کہلاتی تھیں۔ بی بی ماریہ قبطیہ کا بلند مقام دیکھ کر خصوصاً حضورؐ کے بیٹے کی ماں ہونے کی فضیلت پر دو بیویاں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹیاں تھیں ان میں بغض وحسد پیدا ہوا ان دونوں نے ویسے بھی باقی بیویوں

کے خلاف آپس میں ہاتھ ملائے ہوئے تھے ایک دوسرے کی ہمراز تھیں۔ آنحضرتؐ کا دوسری بیوی کے پاس بیٹھنا انہیں کبھی گوارہ نہ تھا ان کے حسد کا یہ حال تھا کہ زندہ بیویوں پر ہی نہیں بلکہ حضورؐ کی وہ زوجہ محترمہ جو آپ کے ہر برے وقت کی ساتھی اور محسن اسلام تھیں جن کی دولت نے دینِ اسلام کی آبیاری کی تھی۔ حضورؐ جب ان کی سچی محبت اور خالص الایمان ہونے کی وجہ سے اکثر ان کا ذکر خیر کرتے تو حضرت عائشہؓ کو بہت ناگوار گزرتا تھا وہ جل کر کہتیں کہ آپ بار بار ایک بوڑھی عورت کو کیوں یاد کرتے ہیں' کیا وہ آپ کو میری جوانی سے زیادہ عزیز ہیں اور کئی مرتبہ اس سے بھی زیادہ سخت کلمات ادا کرتیں جنہیں سن کر بی بی فاطمہؑ رونے لگتیں۔ آپؐ ہمیشہ ایسی باتوں پر مصلحتاً خاموشی اختیار کرتے مگر جب بی بی فاطمہؑ کو تکلیف پہنچائی جاتی تو آپؐ بی بی عائشہؓ کو مخاطب کر کے نصیحت فرماتے کہ فاطمہؑ کو تکلیف نہ پہنچانا وہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے' جس نے فاطمہؑ کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ مگر افسوس کہ آپؐ کے بعد سب سے پہلے جس ہستی کا کلیجہ چھلنی کیا گیا' جس کا حق مارا گیا جس کی اولاد کو دین کی حفاظت کرتے ہوئے شہید کیا گیا وہ بی بی فاطمہؑ رسولؐ کے جگر کا ٹکڑا ہی تھا۔ بہر حال سورۃ تحریم کی وجہ نزول جن دو ازواج رسولؐ کا رویہ ہے اس کا تعلق بھی بی بی عائشہؓ اور بی بی حفصہؓ کا وہی حسد ہے۔ ایک بار حضورؐ کو کسی نے بہت عمدہ شہد بھیجا جو آپؐ نے حضرت ام سلمیٰؓ کے پاس رکھوا دیا تاکہ جب وہاں جائیں تو نوش کریں۔ حضورؐ کی اتنی سی صحبت بھی کسی اور بیوی کے ساتھ ان دونوں خواتین کو برداشت نہ تھی۔ دونوں نے مل کر ترکیب سوچی کہ کسی طرح سے یہ شہد آپ سے چھڑوایا جائے تاکہ وہاں کا بیٹھنا چھوٹے اور اس منصوبے اور ترکیب پر اس طرح عمل کیا کہ حضورؐ جب ام سلمیٰؓ کے پاس سے واپس آئے تو حضرت عائشہؓ نے اپنی ناک پر رومال رکھ لیا آپؐ نے سبب پوچھا تو کہنے لگیں آپ کے منہ سے تو مغافیر کی بو آتی ہے اس کے بعد حفصہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ آپؐ کے منہ سے بو آتی ہے آپؐ نے کہا مگر میں نے تو صرف شہد کھایا ہے اب یہ نہ کھاؤں گا' مگر اس خیال سے کہ جن بیوی کے پاس یہ شہد رکھا ہے ان کی دل آزاری نہ ہو۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے راز کے طور

پر فرمایا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا ورنہ اگر اُم سلمہؓ تک پہنچ گئی تو انہیں افسوس ہوگا جو مجھے منظور نہیں۔ مگر حضرت عائشہؓ سے کہاں برداشت ہونا تھا' انہوں نے فوراً حضرت حفصہؓ اپنی ہمراز سے کہا لو ہم کامیاب ہوگئے آج سے وہاں (یعنی اُم سلمیٰؓ) کے پاس اٹھنا بیٹھنا ختم۔

دوسرا واقعہ جو مفسرین اور محدثین نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ ایک روز حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے میکے گئیں حضرت عائشہؓ سے کہہ گئیں کہ آج میری جگہ تم آنحضورؐ کا خیال رکھنا آپؐ جب رات کو گھر واپس آئے تو گھر کو خالی پایا۔ آپؐ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو بلا بھیجا آپ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ بھی آپ کی گود میں تھے' حضورؐ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے شانوں پر بٹھالیا اور ان سے کھیلنے لگے کہ اتنے میں حضرت عائشہؓ تشریف لے آئیں۔ آپؐ نے عائشہؓ سے کہا کہ دیکھو ابراہیمؑ میں میری کتنی مشابہت ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے تو ذرا بھی مشابہت نہیں معلوم ہوتی۔ آپؐ نے فرمایا کیا جسم میں بھی مناسبت نہیں تو انہوں نے طنزاً کہا جو بچہ بکری کے دودھ پر پلے گا اس کا جسم تو خوبصورت ہوگا ہی' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت حفصہؓ غصے میں بھری ہانپتی کانپتی وہاں پہنچ گئیں' کسی مخبر نے خبر کردی تھی کہ آج آپ کے حجرے میں ماریہ قبطیہ کو بلایا گیا ہے۔ ایک تو ان دونوں ازواجِ مطہرات یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو بی بی ماریہ اور خصوصاً آپ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی موجودگی ویسے ہی کھل رہی تھی' پھر اپنے حجرے میں ماریہ کی موجودگی حضرت حفصہؓ سے برداشت نہ ہوئی کہنے لگیں۔ آپؐ نے میری عزت و حرمت کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور ایک کنیز کو میرے برابر لا کے کھڑا کردیا' یہ کیا اندھیر ہے کہ میرا ہی گھر میرا ہی حجرہ اور ایک کنیز میری جگہ لے۔ آپؐ نے صرف اس لئے ماریہ کو سر چڑھالیا ہے کہ ان سے آپؐ کو فرزند عطا ہوا ہے جبکہ میں اور عائشہؓ بانجھ ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے' یہ کہہ کر دونوں نے رونا پیٹنا شروع کردیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت ماریہ قبطیہ تو حضرت ابراہیمؑ کو گود میں اٹھا کر چلی گئیں' ان کے جانے کے بعد حضرت عائشہؓ بھی اپنے حجرے میں واپس چلی گئیں۔ آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو اکیلے میں سمجھایا کہ دیکھو کیا تم سمجھتی ہو کہ ماریہ میرے لئے حلال نہیں ہیں اور کیا وہ

میرے بیٹے کی ماں نہیں ہے، مگر تمہارے اس طرح شور مچانے سے صرف ان کی ہی نہیں میری بھی دل آزاری ہوئی ہے، میں تمہاری ناراضگی کی وجہ سے تم سے قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ماریہ سے نہ ملوں گا مگر اس بات کو راز رکھنا کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے حضرت حفصہ مارے خوشی کے بے قابو ہو گئیں اور جا کر حضرت عائشہ سے سارا قصہ بیان کر دیا کہ تم نے شہد چھڑا کر ام سلمیٰ کے پاس زیادہ آنا جانا بند کرایا تھا اور میں نے تو آج وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ ماریہ کی جڑ ہی اکھاڑ پھینکی اب انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ماریہ سے کبھی نہ ملیں گے۔ جب یہ دونوں واقعے گزر گئے تو خدا نے وحی کے ذریعے سے قلعی کھول دی اور سورۃ تحریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان دونوں کو سخت عتاب کے ساتھ سرزنش کی گئی ہے اور حضرت کو حکم ہوا کہ آپ قسم کا کفارہ دے کر ماریہ سے تعلق باقی رکھیں اور شہد بھی کھائیں دیکھیں آیات نمبر 1 سے 5 تک "کہ اے نبیؐ جو چیز خدا نے تم پر حلال کی ہے تم اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی کیلئے کیوں کنارہ کشی اختیار کر رہے ہو اور خدا تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے خدا نے تم لوگوں کیلئے قسموں کو توڑ ڈالنے کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا مولیٰ ہے وہی علیم وخبیر ہے نبیؐ نے ایک بات اپنی بیوی (حفصہ) سے چپکے سے کہی تو اس نے باوجود ممانعت کے یہ بات (عائشہ) کو خبر دے دی۔ خدا نے اس بات کو رسولؐ پر ظاہر کر دیا اور جب حضورؐ نے اس افشائے راز پر اپنی بیوی (عائشہ) کو تنبیہ کی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ میں نے شہد والا قصہ (حفصہ) سے بیان کر دیا ہے آپؐ نے فرمایا مجھے اس واقف کار نے بتایا ہے جو خبر دینے والا ہے۔ اگر تم دونوں (عائشہ حفصہ) اللہ سے توبہ کرتی رہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں اور تم نے اللہ کے نبیؐ کے مقابلے میں جتھہ بندی کر لی ہے ایک دوسرے کی ہمراز بن چکی ہو تو جان رکھو کہ اس نبیؐ کا اللہ سرپرست ہے جبرئیل اور تمام صالح اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی ہیں مددگار ہیں۔ بعید نہیں کہ اگر نبی تم بیویوں کو طلاق دیدے تو اللہ اسے ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرمائے گا جو تم سے بہتر ہوں، بچی ہوں ایسی مسلمان ہوں جو صاحب ایمان اور اطاعت گزار و عبادت گزار

روزہ رکھنے والی بیاہی اور کنواری ہوں گی۔

اس واقعے سے چونکہ حضرت ؐ کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور ان آیات کا نزول آپ کیلئے حکم کا درجہ رکھتا تھا آپ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی اور تمام بیویوں سے الگ ہو کر ماریہ قبطیہ کے گھر میں 29 روز تک رہے اور کسی بیوی کے پاس نہ گئے جس سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ آپؐ نے ساری ہی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس لئے آپؐ نے 29 دن بعد وضاحت فرمائی کہ صرف حفصہؓ کو طلاق دی ہے اور باقی سے کچھ عرصے علیحدہ رہنے کی وجہ یہ بتائی کہ باقیوں کو یہ تنبیہ ہے کہ اگر انہوں نے بھی آئندہ عائشہؓ اور حفصہؓ جیسا رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی تو انہیں طلاق کا سامنا کرنا ہوگا اور جیسا کہ Divorce اور Sepration میں ایک واضح فرق اب ہمیں نظر آتا ہے یہ حضورؐ ہی کی سنت ہے کہ بیویاں جب اس حد تک منھ زور سازشی ہو جائیں حرام اور حلال کی اس حد تک تمیز کھو بیٹھیں کہ ان کی وجہ سے شوہروں کو دین اور دنیا دونوں میں خفت کا سامنا ہونے کا ڈر ہو تو پہلے علیحدگی اختیار کرو پھر بھی عبرت حاصل نہ کریں تو طلاق دے دو۔

اب یہ لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے اور دل لرزتا ہے کہ رسولؐ کی بیویاں مومنین کی مائیں اور ان کے دل ٹیڑھے مگر کیا کیجئے آیت صاف بتا رہی ہے تمام مفسرین نے یہی ترجمہ کیا ہے اور جو خطائیں ان سے سرزد ہوئیں انہیں تسلیم کیا ہے اور آیت میں دو بیویوں کی تفسیر پر مفسر نے (حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ) کو بتایا ہے ایک سے Sepration اور دوسری سے طلاق کے بعد ہر محدث نے حضرت عمرؓ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے کہ '' مجھے اس بات کا شدید رنج ہے کہ حفصہؓ نامراد ہے جس نے عائشہؓ کے ساتھ مل کر رسولؐ کو غضبناک کیا جس کی وجہ سے اللہ غضبناک ہوا اور یہ آیات نازل ہوئیں۔'' اس حد تک غضبناک کہ ان دونوں خواتین کے سازشی منصوبے اور راز افشا کرنے پر اس مصیبت کو دفعہ کرنے کیلئے اپنے رسولؐ کی مدد کیلئے خدا نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی تمام فوج مقابلے پر لانے کا اعلان کیا۔ جبرئیل جیسا فرشتہ جس نے پر مار کر بستیوں کی بستیاں الٹ دیں پھر صالح مومنین میں فاتح خندق و خیبر جس کی تلوار کی دھاک نے تمام عرب میں

ہل چل ڈال دی تھی اس کے سارے ملائکہ جن کی تعداد صرف اللہ ہی کو معلوم ہے اس سے بڑی دھمکی ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس راز افشائی کی حساسیت سے کیا کچھ ہونے والا تھا جس کی روک تھام کیلئے یہ فوج بلائی جانے والی تھی۔ ہم تو اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ امہات المومنین تھیں ہمیں انہیں کچھ کہنے کا کوئی حق نہیں رسولؐ کے گھر کی بات ہے خدا جانے اور اس کا رسولؐ ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر اور غور وفکر کرنے سے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مقدس خواتین سے جو امہات المومنین کہلاتی ہیں جو دوسروں کو اخلاقی تعلیم دینے کی ذمہ دار تھیں احادیث رسولؐ کی راوی تھیں رسولؐ کی محبت ان کو حاصل تھی ایسے اعمال جو ان کی شان کے خلاف تھے وہ ان سے کیسے سرزد ہوئے اس کا جواب خدا اور رسولؐ ہی دے سکتے ہیں ہمارے دائرہ عقل وفہم سے باہر ہے ہم صرف تحقیق اور فکر کی بنیاد پر یہ سمجھ پائے ہیں کہ جس طرح اس سورۃ میں آگے چل کر دو اور نافرمان بیویوں کا تذکرہ ہے جن میں ایک حضرت نوحؑ کی بیوی دوسری حضرت لوطؑ کی بیوی دونوں انتہائی درجہ کی نافرمان تھیں۔ یہ دونوں کافروں سے ملی ہوئی تھیں اور انہیں اپنے شوہروں کے خلاف ابھارتی تھیں ان دونوں کیلئے اس سورۃ کی آیت نمبر 9 میں کہا گیا ہے کہ دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے کافر دوست اور شوہروں کی معافی کچھ کام نہ آئی اور ان کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔

اس تمام قصے سے ایک بات تو یہ سمجھ میں آتی ہے اور جیسا کہ قرآن کے سارے مضامین کے مخاطب تو محمدؐ ضرور ہیں مگر یہ پیغام کا ذریعہ ہیں یعنی ان کے حوالے سے لوگوں کے لئے احکامات ہیں اور پھر رسولؐ کو معصوم مانا جا چکا ہے تو ان سے ایسا عمل سرزد ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیں یا صرف ایک بیوی کو خوش کرنے کیلئے کنیز جو حلال کی گئی ہیں ان سے بغیر کسی خطا کے تعلق توڑ لیں اس لئے جو بات عقل تسلیم کرتی ہے کہ یہ دراصل وہ صفات ہیں جو اگر کسی بیوی میں پائی جائیں تو شوہر ان سے قطع تعلق کر لے یا پھر طلاق دے دے چونکہ حضورؐ اللہ کے احکامات پہنچانے والے ہی نہیں بلکہ خود قرآن کی عملی تفسیر ہیں اس لئے خدا نے

کہا کہ اگر بیوی رسولؐ کی ہو یا عام آدمی کی اگر وہ شوہر کیلئے مصیبتیں کھڑی کرنے لگے تو جب رسولؐ تک کیلئے حکم ہے کہ ایسی بیوی سے قطع تعلق کر لیا جائے تو عام آدمی کی کیا حیثیت ہے۔ پھر یہاں اہم نکتہ راز کی حفاظت کے حوالے سے جو نظر آتا ہے اسے چودہ سو برس پرانی حکمت عملی سے لے کر آج کی جدید ترین ریاستی حکمت عملی میں ریاست کے اہم لوگوں ان کی ذمہ داریوں اور ان کی بیویوں کے رویے کے حوالے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ حضورؐ کو وہ کتاب دے کر بھیج رہا ہے جو آخری ہے اور جسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ساری دنیا کو پڑھنا ہے اور ازواج مطہرات کو اتنی سنگین غلطی پر ٹوکنا قرآن میں اس لئے اہم ہے کہ وہ کسی معمولی شوہر کی بیویاں نہ تھیں بلکہ اس عظیم ہستی کی بیوی تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم منصب پر بڑی ذمہ داری کے ساتھ مامور فرمایا تھا جنہیں ہر وقت کفار و مشرکین اور منافقین کے ساتھ ایک جہاد مسلسل درپیش تھا تو ایسی ہستی کے گھر میں بے شمار ایسی باتیں ہوتی تھیں جو اگر راز میں نہ رکھی جاتیں اور قبل از وقت ظاہر ہو جاتیں تو اس عظیم مقصد کو نقصان پہنچ سکتا تھا جو رسولؐ خدا انجام دے رہے تھے یعنی دین اسلام کی تبلیغ اور اس قانون کا نفاذ جو خدا کا قانون ہے جس شخص کا منصب معاشرے میں جتنا زیادہ اہم اور ذمہ دارانہ ہوگا اتنے ہی زیادہ اہم اور نازک معاملات اس کے گھر والوں کے علم میں آئیں گے اس لئے صرف رسولؐ کی بیویوں کو ہی نہیں بلکہ مسلم معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کی بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی تربیت دینے کی تعلیم اس سورۃ میں دی گئی ہے۔

آج بدقسمتی سے ہمارے یہاں معاشرے کی اخلاقی اور سماجی قدروں میں جو گراوٹ کا پہلو ہمیں نظر آتا ہے اس میں یہ بھی ایک بہت بڑا عنصر ہے کہ اہم عہدوں پر فائز حساس شعبوں میں کام کرنے والے افراد بھروسے اور راز کی صورت میں اور کئی لوگ بیویوں اور گھر والوں پر اپنی اہمیت جتانے کیلئے دفتر کی باتیں گھر جا کر کرتے ہیں اور بیویاں صرف اپنی بڑائی جتانے اور شیخی بگھارنے کی غرض سے وہ راز آگے بیان کرتی ہیں مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ ملک کی فلاں فلاں اہم بات یا اہم واقعہ کی اصل حقیقت ہمیں معلوم ہے اور کسی کو نہیں معلوم اور ان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے

ریاست کو بھی کبھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح خواتین میں اکثر حسد کی بنیاد پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر ان کا شوہر کسی عورت کی جا کر تعریف بھی کر دے تو وہ حسد کی بنیاد پر اس عورت پر نہ صرف تہمت لگانے اور اسے بدنام کرنے میں پیش پیش ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ عورت اگر معصوم ہے تو اس کا مستقبل ان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے داغدار یا تباہ ہو سکتا ہے اور دوسرے وہ شوہر کا جینا بھی مستقل حرام کیے رکھتی ہیں صرف اپنے شک اور حسد کی بنیاد پر۔ یہ بھی اس سورۃ کا ایک خاص پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ خواتین کے ایسے رویے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(*چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۶۷ | آیات: ۳۰
مقام نزول: مکہ

سورۃ الملک

تعارف: اس سورۃ میں بھی پہلی ہی آیت میں لفظ الملک ہے لہٰذا اسی وجہ سے اس کا یہ نام ہوا خاص مضامین میں اللہ کی سلطنت کا اعلان ہمہ گیر بھی ہے اور لازوال بھی انہی دو موضوعات پر مستقل بحث ہے۔

موضوع کی تفصیل:

سورۃ الملک جس کا دوسرا نام نجید ہے (نجات بخشنے والی) کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والے کو عذاب الٰہی یا عذاب قبر سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ بھی ایک بحث طلب مسئلہ ہے کہ کیا صرف قرآن کی تلاوت سے نجات مل جاتی ہے یا عمل اور کردار دونوں قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہوں تب نجات مل جاتی ہے۔

اس سورۃ کے خاص موضوع خدا کی صفات اور خلقت کا نظام خصوصاً آسمانوں، ستاروں اور زمین کی خلقت اور اس کی نعمتیں اور اسی طرح پرندوں کی خلقت، جاری ہونے والا پانی اور انسانی اعضاء آنکھ ناک، کان اور شناخت کی خلقت پر بحث کی گئی ہے۔

عقلِ انسانی کی قدر و منزلت:

یہ پہلا موقع ہے کہ اس سورۃ میں قرآن مجید نے عقل و فکر کی حد سے زیادہ قسمت کی طرف اشارہ کیا ہے اور دوزخ میں جانے والوں کی بدبختی کا اصل عامل ہی اس خدائی قوت سے کام نہ لینا ہے یعنی انسان کان تو رکھتا ہے مگر اس سے سنتا نہیں آنکھ تو رکھتا ہے مگر اس سے دیکھتا نہیں اور عقل تو رکھتا ہے مگر اس سے سوچتا نہیں تو اب اگر پیغمبرؐ سے لے کر تمام خدا کے پیغمبر اور تمام آسمانی کتابیں

اس کے پاس آ جائیں تو اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔ حدیث رسولؐ ہے کہ ایک گروہ نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں ایک مسلمان کی مدح وثنا کی تو رسولؐ خدا نے فرمایا کیف عقل الرجل اسکی عقل کیسی ہے؟

تعریف کرنے والوں نے فرمایا' یا رسولؐ اللہ ہم تو ہر طرح کے نیک کاموں میں اس کی جدوجہد کی بات کر رہے ہیں اور آپ عقل کا پوچھ رہے ہیں؟ تب آپ نے فرمایا۔

''احمق کی حماقت سے جو مصیبت آتی ہے وہ فاجروں کے فجور اور بدکاروں کے گناہ سے بدتر ہوتی ہے کل قیامت کے دن خدا بندوں کو ان کی عقل وخرد کے مطابق درجات عطا فرمائے گا اور وہ اسی بنیاد پر قرب خداوندی حاصل کریں گے۔''

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ حضرت آدمؑ پر نازل ہوئے اور ان سے کہا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں آپ کو ان تین نعمتوں میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اختیار دوں آپ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں۔ آدمؑ نے کہا وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا ''عقل' حیا اور دین۔ آدمؑ نے کہا میں نے عقل کا انتخاب کیا ہے جبرئیلؑ نے حیا اور دین سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور اپنا کام کرو حیا اور دین نے جواب دیا ہم مامور ہیں کہ ہر جگہ عقل کے ساتھ رہیں اور اس سے جدا نہ ہوں۔ امام جعفرؑ صادق نے کہا کہ ''جو عقلمند ہوگا وہ دیندار بھی ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا اسی بنا پر جنت عقلمندوں کی جگہ ہے مگر عقل بھی معرفت خدا کے ساتھ ہو۔ شیطان کے پڑھائے ہوئے سبق کے ماتحت نہ ہو پھر آپؑ نے فرمایا کہ ''شیطانی عقل بظاہر عقل کے مشابہ ہے لیکن وہ عقل نہیں دماغ ہے۔'' دماغ دل کے ماتحت ہو سکتا ہے مگر عقل نہیں اس مثال سے عقل کی قدر وقیمت کا اندازہ خدا کے نزدیک کیا ہے اس کا بخوبی آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔

سورۃ نمبر ۶۸ — آیات: ۵۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ القلم

تعارف : اس میں بھی پہلی آیت میں قلم کا ذکر ہے اور اس میں قلم کی قسم کھا کر اس کی افادیت کا ثبوت دیا گیا ہے اور آنحضرتؐ کو (نعوذ وباللہ) دیوانہ کہنے والوں کو رد کیا گیا ہے ایک سرکش کافر کا کردار بھی اس سورۃ کا اہم موضوع ہے اور ایک باغ کے مالکوں کا غلط طرز عمل اور اس کا انجام بھی بتایا گیا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

حروف مقطعات میں سے حرف ن والقلم کی قسم کھا کر خدا کہہ رہا ہے کہ قسم ہے اس قلم کی جس سے قرآن لکھا جاتا ہے اور جو کچھ لکھا گیا یعنی قرآن اس کی قسم کے بعد کہہ رہا ہے پروردگار کہ اے رسولؐ تم مجنوں نہیں ہو بے شک تمہارے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ نزول قرآن سے پہلے تک مکہ والے حضورؐ کو بڑا عقلمند انسان سمجھتے تھے اور اکثر معاملات میں آپؐ سے مشورہ کرتے تھے آپؐ سے اپنے تنازعات کے فیصلے کراتے تھے آپ کو صادق اور امین کہتے تھے لیکن جب قرآن نازل ہوا اور آپؐ نے تبلیغ شروع کی تو آپؐ کو (نعوذ وباللہ) دیوانہ کہنے لگے۔ لیکن کسی کو یہ نہ بتا سکے کہ آخر دیوانگی کی کیا علامات آپؐ میں پائی جاتی ہیں "خدا آپؐ سے کہہ رہا ہے کہ اے رسولؐ تم خلق عظیم پر فائز ہو ہم اس تبلیغ دین کے بدلے میں تم کو وہ اجر دیں گے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں دنیا میں تو وہ اجر یہ ہوگا کہ قیامت تک تمہارے وارث تمہارے اہلبیت میں ہدایت کا سلسلہ جاری رہے گا اور آخرت میں تم روز محشر کے مالک و مہتمم ہوں گے جسے چاہو جنت میں بھیجو اور جسے چاہو جہنم میں دھکیلو گے"۔ اس کے بعد آیت نمبر 11 تک ایک ایسے شخص کی مذمت کی جارہی ہے جو

آنحضورؐ کو سب سے زیادہ تنگ کرتا تھا قرآن کی یہ سورتیں اس شخص ولید بن مغیرہ کیلئے بڑے سخت الفاظ استعمال کر رہی ہیں کہ یہ بدطینت' عیب جو چغلخور زمال کا بخیل' بدذات ہے اور چونکہ بہت سے بیٹے اور مال رکھتا ہے اس لئے تکبر میں مبتلا ہے اور جب حضورؐ تلاوت کر رہے ہوتے یا تبلیغ دین میں مجمع میں ہوتے تو یہ شخص چلا کر کہتا کہ کیا بیٹھے سن رہے ہو یہ تو سب پرانے زمانے کے قصے ہیں ان میں کیا کوئی نئی بات ہے جس کو تم کان لگا کر سنتے ہو۔ وہ چونکہ خود کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا لہٰذا خدا نے آیت نمبر 16 میں اس کی ناک کو خرطوم یعنی داغدار فرمایا ہے اور اس پر نشان لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے دنیا اور آخرت میں ایسا ذلیل کریں گے کہ یاد ہی کرے گا۔

پھر اگلی آیات نمبر 17 سے 32 تک ایک باغ کے مالک اور اس کے بیٹوں کا قصہ ہے کہ یمن کے مضافات میں ایک شہر صفا ہے وہاں ایک نیک دل آدمی کا باغ تھا اس کا مالک پھل پکنے پر زکوٰۃ بھی دیتا تھا محتاجوں کو کھانا بھی کھلاتا تھا اور اس راہ سے گزرنے والے مسافروں کی خاطر تواضع کرتا تھا' اس کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹے اس باغ کے مالک ہوئے اس سال باغ خوب پھلا۔ دو بیٹوں نے یہ صلاح کی کہ اس سال ہم ان پھلوں میں سے کچھ بھی کسی کو نہ دیں گے نہ محتاجوں کو نہ مسافروں کو نہ رشتہ داروں کو سب اپنے ہی پاس رکھیں گے اپنی چیز دوسروں کو کیوں دیں تیسرے بیٹے نے جو سب سے چھوٹا تھا اس نے اس رویے کے خلاف روکنا چاہا اور بہت سمجھایا کہ اس سے ان کے باپ کی روح کو تکلیف ہوگی اللہ ہم سے ناراض ہو جائے گا مگر وہ دونوں اپنے ارادے سے باز نہ آئے مجبوراً وہ ان کا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا۔ جب باغ تیار ہو گیا اور اس کی کٹائی کیلئے لوگ آ گئے شام تھی دوسرے دن صبح سے کٹائی شروع ہونی تھی کہ کل صبح اس کے پھل توڑے جائیں گے مگر حق اللہ حق عباد بند کر دینے کی وجہ سے رات ہی کو ایسی آفت آئی کہ سارا باغ تباہ ہو گیا اور صبح جا کر دیکھا تو وہاں جلے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس واقعہ سے قرآن آگاہی دے رہا ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھ کر انسان کو اپنا ہر کام کرنا چاہئے اور اس کے آغاز سے پہلے انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیئے خدا سے رشتہ توڑ کر صرف اپنے قوت بازو پر

بھروسہ نہ کرنا چاہیے جو رزق اللہ نے دیا ہے اس میں سے راہ خدا فقیروں اور محتاجوں کو دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے کہ بگڑے کام بنادے۔

اگلی آیات میں دواہم موضوع ایک قیامت کے روز اپنی مرضی کی جزا یا سزا سے متعلق ہے کہ خدا کہہ رہا ہے کہ کیا ہم نے کوئی ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تم سے قیامت تک کیلئے عہد و پیان کرلیا ہو کہ جو تم ہمیں حکم دو گے ہم اسے پورا کریں گے کافر کہتے تھے کہ مرنے کے بعد ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا خدا اسکے جواب میں کہہ رہا ہے کہ اے رسولؐ ان سے پوچھو کہ ان کی ضمانت کون دے گا تم یا ہم یا ان کے یہ بت جنہیں انہوں نے ہمارا شریک بنایا ہے تو اگر تم سچے ہو تو ذرا ان بتوں کو ہمارے سامنے لاؤ تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ خدا ان کا محکوم ہے یا یہ خدا کے محکوم ہیں۔

پھر حضرت یونسؑ کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ ان کی قوم جیسے نہ بنو۔ یونسؑ کو مچھلی کے بطن میں یاد خدا کرنے پر جب زندہ باہر نکالا تو کس نے اس صحرائی میدان میں ایک کدو کی بیل اگائی جس کے چوڑے چوڑے پتوں نے یونسؑ کو ڈھانپ دیا جس سے نہ تو سورج کی کرنیں انہیں تکلیف پہنچاسکیں اور نہ کسی مکھی کے بیٹھنے کی تکلیف ہوئی۔

آخری آیات میں حضورؐ کو کافروں کی نظر بد سے بچنے کی دعا بتائی جارہی ہے جب حضورؐ قرآن پڑھ کر سناتے تھے تو کفار و مشرکین بڑی غیظ آلود نگاہوں سے حضرت کو دیکھا کرتے تھے اور کہتے تھے سننے والوں اس کی باتیں کیا سن رہے ہو یہ شخص تو دیوانہ ہے حالانکہ جو چیز ان کو سنائی جارہی تھی وہ تمام عالموں کے واسطے نصیحت تھی جو کلام تمام عالموں کیلئے باعث ہدایت ہو بھلا اس کا بیان کرنے والا دیوانہ کیسے ہوسکتا ہے۔

نظر بد کا اثر اگر کسی پر ہوگیا ہو تو سات مرتبہ یہ آیت اس پر دم کردینے سے یقیناً اسے صحت حاصل ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر قبروں کو کھود کر دیکھا جائے تو ان میں سے نیک اور پرہیزگار لوگوں میں سے اکثر کی اموات نگاہِ بد کے اثر سے ہوئی ہوں گی۔

سورۃ نمبر ۶۹

آیات: ۵۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ الحاقۃ

تعارف: قیامت کے ناموں سے دو الحاقۃ اور القارعۃ ہیں ان میں سے ایک کے نام سے اس سورۃ کی ابتدا ہوئی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کا اہم ترین موضوع بھی "قیامت" اور اس سے مربوط مسائل ہیں اسی لئے اس میں قیامت کے تین نام حاقہ، قارعہ اور واقعہ آتے ہیں دوسرا موضوع وہ بحث ہے جو گزشتہ کافر اقوام خصوصاً قوم عاد، ثمود اور فرعون کے حالات زندگی کے بارے میں ہیں۔ پھر تیسرا موضوع وہ بحث ہے جو قرآن کی عظمت پیغمبر کے مقام و درجاتِ اعلیٰ اور ان کی تکذیب کرنے والوں کی سزا اور عذاب کے بارے میں ہیں۔

جیسا کہ قیامت سے متعلق پچھلی سورتوں میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں جو لوگ قیامت کے منکر تھے ان سے کہا گیا ہے کہ وہ تو آ کر رہے گی تمہارے انکار سے یہ وقت ٹل نہیں سکتا اور کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم سے پہلے جو قومیں قیامت کا انکار کرتی تھیں ان کی ہلاکت کس طرح ہوئی۔ انبیائے سابقین کی اُمتوں پر جو عذاب آئے وہ اسی وجہ سے آئے کہ وہ انبیاء کی نافرمانی کرتے تھے احکام الٰہی کو جھٹلاتے تھے حقوق العباد کو ضائع کرتے تھے بے گناہوں پر ظلم کرتے تھے، معاشرے میں فساد پھیلاتے تھے دنیا میں ان کی جو ہلاکت ہوئی وہ دنیا کی سزا تھی مگر اصل سزا تو انہیں ظالم و مظلوم کی موجودگی میں حساب و کتاب کے بعد ہوگی۔

ہمارے رسولؐ چونکہ رحمت اللعالمینؐ ہیں اس لئے ان کی امت میں من حیث القوم کسی قوم پر عذاب نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا بلکہ آخرت میں ان پر دوہرا عذاب ہوگا۔

پھر حضرت نوحؑ کے طوفان کی طرف اشارہ کر کے بتایا جا رہا ہے کہ جب طوفان نوح میں پانی چڑھنے لگا تو ہم نے تم کو سوار کیا (یہاں تم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کشتی نوح میں سوار تھے لیکن عہد رسالتؐ والے لوگوں سے خطاب اس بنا پر ہے کہ تم انہیں کی اولاد ہو) تو اگر وہ نہ بچا لیے جاتے تو تم کہاں سے ہوتے لہٰذا ان کا کشتی میں سوار کرنا گویا تمہیں سوار کرنا تھا۔

پھر قیامت کے روز کے صور پھونکے جانے اور ایک میدان حشر کی حشر سامانیاں اور اعمال ناموں کا دائیں ہاتھ میں پکڑے جانے کا ذکر ہے اور بائیں ہاتھ یعنی جس نے سیدھے اور نیک کام کیے اس کی Balance Sheet اس کے سیدھے ہاتھ میں اور جس نے الٹے اور ظلم کے کام کیے فساد پھیلایا اس کی Balance Sheet اس کے الٹے ہاتھ میں ہوگی اور اس وقت وہ پچھتائے گا کہ کاش میں نے حساب کتاب اور قیامت کے روز پر یقین کر لیا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا اب یہاں نہ میرا مال نہ اولاد نہ سلطنت کچھ کام نہیں آ رہا۔ اور آخر میں کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن رسولؐ نے خود گڑھ لیا ہے ان کو آگاہ ہونا چاہیے کہ پوری کتاب کا کیا ذکر اگر نبی ایک بات بھی ہماری طرف سے بنا کر کہہ دے تو ہم اس کی گردن کاٹ کر رکھ دیں لہٰذا اس کو ہلاک نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچا نبی ہے جس کو ہم نے نبی بنایا ہے نہ کہ وہ خود نبی بن بیٹھا ہے۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

*(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۷۰

آیات: ۴۴

مقام نزول: مکہ

سورۃ المعارج

تعارف : اس سورۃ میں بھی معارج کا لفظ شروع ہی میں آیا ہے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' انسان کی طبعی کمزوریاں' نفسا نفسی کا عالم۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کے پہلے حصے میں ایک ایسے شخص کی مثال دی گئی ہے جس نے پیغمبر کے ارشادات کی نفی کی اور یہ کہا تھا کہ اگر یہ بات حق ہے تو مجھ پر عذاب نازل فرما اور عذاب نازل ہو گیا۔ پہلی ہی آیت ہے کہ سال سائل بعذاب واقع ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو واقع ہو گیا من اللہ ذالعمارج یہ ذی المعارج خدا کی طرف سے ہے (ذی المعارج) وہ خدا جس کے فرشتے آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ معارج معراج کی جمع ہے جس کے معنی سیڑھی یا اس جگہ کے ہیں جہاں سے اوپر چڑھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے وہ کونسے ارشادات تھے جس سے اس سوال کرنے والے نے انکار کیا اور کہا کہ ''اے خداوندا اگر یہ بات حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا'' اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور اسے مار ڈالا اسی موقع پر۔ یہ پہلی آیت اس سورۃ کی نازل ہوئی۔

اب وہ ارشاد سنئے رسولؐ کا جسے فقہ حنفیہ اور جعفریہ سمیت بہت سے مفسرین اور راویان احادیث نے بھی مختصر فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(1)	تفسیر ''غریب القرآن''	حافظ ابو عبیدہ ہروی
(2)	تفسیر ''شفاء الصدور''	ابو بکر نقاش موصلی

(3)	تفسیر ''الکشف والبیان''	ابو اسحاق ثعالبی
(4)	تفسیر ''ابوبکر یحییٰ''	القرطبی
(5)	تفسیر تذکرۃ ابو اسحاق	ثعلبی
(6)	تفسیر کتاب ''درر السمطین''	شیخ محمد زرندی
(7)	تفسیر کتاب ''فرائد السمطین''	حمدائی
(8)	تفسیر ''سراج المنیر''	شمس الدین شافعی
(9)	تفسیر کتاب ''سیرۃ حلبی''	شمس الدین شافعی
(10)	تفسیر کتاب ''نور الابصار''	سید مومن شبلنجی
(11)	تفسیر کتاب ''شرح جامع الصغیر''	سیوطی، شمس الدین شافعی۔

اگر اس واقعے کے حوالے سے کسی نے کوئی تبدیلی کی ہے تو وہ صرف اس شخص کے نام کے بارے میں ہے۔ جس نے رسولؐ کے ارشادات کا انکار کر کے اللہ سے سوال کیا کچھ مفسرین نے اس کا نام نعمان بن حارث لکھا ہے اور کچھ نے نضر بن حارث مگر نام نہیں صرف ولدیت تبدیل کی ہے' اس سے واقعے کے متن پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اصل واقعہ:۔ جب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو غدیر خم کے دن خلافت پر نصب فرمایا تو ان کے بارے میں یہ ارشاد کیا ''من کنت مولا فھذا علیٌ مولا'' جس جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں'' زیادہ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ یہ بات سارے شہروں اور بستیوں میں پھیل گئی' یہ شخص نعمان بن حارث پیغمبر کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ خدا واحد یگانہ اور آپ اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں تو ہم نے گواہی دی اس کے بعد آپ نے ہمیں جہاد' حج' روزہ' نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہم نے ان سب کو قبول کر لیا لیکن آپ ان سب چیزوں پر راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ اس جوان (حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا) کو اپنی جانشینی اور خلافت پر نصب فرمایا

اور کہا کہ ''من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ'' کیا یہ بات خود آپ نے اپنی طرف سے کہی ہے یا یہ خدا کی جانب سے ہے' پیغمبر نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے یہ بات خدا کی طرف سے ہے۔'' نعمان نے یہ سن کر منہ پھیر لیا اور یہ کہتا جاتا تھا ''اللهم ان کان هذا هو الحق من عندک فامطر علینا حجارة من السماء ترجمہ: خداوندا اگر یہ بات حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا'' اسی وقت یہ آیت سال سائل بعذاب واقع الکافرین لیس لله دافع'' نازل ہوئی چونکہ پتھر آسمان سے گرا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ یہ شخص نعمان بن حارث یا نضر بن حارث جو بھی ہے وہ نماز' روزہ' حج' زکوۃ' وحدانیت سب کا قائل ہے سب پر ایمان لے آیا ہے مگر حضرت علیؑ کی جانشینی کی خبر سنتے ہی غصے میں آگ بگولا ہو کر رسولؐ خدا کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یہ خدا کا پیغام نہیں بلکہ آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں اور آیت نمبر 2 بتا رہی ہے کہ سوال کرنے والے پر جو عذاب نازل کیا گیا ہے وہ عذاب صرف کافروں سے مخصوص ہے تو یہ طے کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ اگر اللہ کے رسولؐ کے سارے احکام قبول ہیں تو آپ مکمل ایمان پر فائز ہیں اور اگر ایک حکم بھی اس لئے نہیں مانتے کہ وہ آپ کو پسند نہیں یا اس کو ماننے سے آپ کے کسی آئندہ ہونے والے مفاد پر ضرب پڑتی ہے تو پھر آپ رسولؐ کی رسالت پر شک کرنے لگتے ہیں اور جہاں شک پیدا ہوا آپ کا ایمان ضائع ہوگا اور آپ زبان سے بے شک خود کو مسلمان کہتے رہیں توحید' روزہ' حج' نماز سب کو مانتے رہیں مگر اللہ آپ کو کفر کے درجے پر ہی سمجھتا ہے وہ آپ کے ایمان کو قبول نہیں کرتا۔

اگلی آیات میں قیامت کی علامتیں بتائی گئیں ہیں کہ آسمان تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گا اونچے اونچے پہاڑ روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے' آنحضرتؐ سے کسی نے پوچھا کہ یہ دن کتنا لمبا معلوم ہوگا آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم' مومن کیلئے تو وہ اتنا چھوٹا ہوگا جتنی دیر میں وہ دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے۔ پھر آخری آیات میں انسان کی احسان فراموشی کا ذکر ہے کہ جب انسان کو کوئی مالی تکلیف ہوتی ہے تو بلبلا اٹھتا ہے اور خدا سے دعا مانگتا ہے اور اللہ جب اپنے فضل سے

دولت مند بنا دیتا ہے تو پھر بخل سے کام لیتا ہے اور محتاجوں کو کوڑی نہیں دیتا یہ بھول جاتا ہے کہ میں بھی کبھی محتاج تھا۔ مگر اللہ صرف ان کو عذاب کے خوف میں مبتلا نہیں رکھتا جو اپنی نمازیں پابندی سے ادا کرتے ہیں' جن کے مال میں مانگنے والوں کیلئے مقرر حصہ ہے اور وہ یہ حصہ ایسے سفید پوش خود دار لوگوں میں خاموشی سے بانٹ دیتے ہیں جنہیں ہاتھ پھیلاتے شرم آتی ہے یعنی جو زکوۃ کے علاوہ بھی ایسے لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں جس کی اسلام نے انہیں ازراہ انسانیت تعلیم دی ہے۔

پھر ایک بہت بڑے گناہ کبیرہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ زنا اور عریانی سے بچتے ہیں اپنی بیویوں اور کنیزوں کے علاوہ اور کسی عورت کو بری نظر سے نہیں دیکھتے اور دوسرے کی عزت کی حفاظت بھی اپنی عزت کی حفاظت کی طرح کرتے ہیں تو وہ امانتوں کی حفاظت کرنے والے لوگ ہیں اور یہی لوگ سچی گواہی دینے والے بھی ہیں جو اپنے آپ کو گناہ سے بچاتے ہیں اور اپنی گواہی پر قائم رہتے ہیں اور یہی لوگ اپنی نمازوں کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

*(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نوح

تعارف: اس سورۃ میں چونکہ شروع سے آخر تک حضرت نوحؑ ہی کا حال ہے اس لئے اس سورۃ کا یہ نام ہوا اور ان کی دعوت حق کے حوالے سے ان کی زندگی کا ایک خاص حصہ ہے جو قرآن میں دوسری جگہ پر اس طرح سے نہیں آیا۔

موضوع کی تفصیل:

حضرت نوحؑ ایک اولوالعزم پیغمبر تھے جو پہلی شریعت اور دین الٰہی کے حامل تھے۔ آپ اللہ سے فرمان الٰہی لے کر عالمی دعوت لے کر اپنی قوم کی طرف آئے اور ان سے کہا کہ "اے میری قوم میں تمہارے لئے ایک واضح ڈرانے والا ہوں" (قال یا قوم انی لکم نذیر مبین)۔

اس دعوت کو انہوں نے تین مختصر جملوں میں خلاصے کے طور پر بیان کیا۔

(1) خدائے واحد کی پرستش کرو

(2) جو کچھ اس کے علاوہ ہے اسے پھینک دو

(3) تقویٰ اختیار کرو اور میرے احکام جو خدا کے احکام ہیں ان کی اطاعت کرو۔

پھر انہیں شوق دلاتے ہوئے یعنی ایک Incentive دیا جا رہا ہے کہ اگر تم اس دعوت کو قبول کر لو تو خدا تمہارے پچھلے گناہوں کو بخش دے گا۔

حضرت نوحؑ نے یہ دعوت ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دی مگر وہ ایسی نالائق قوم تھی کہ اس نے ان کی ہر ہدایت سے انکار کیا' آپ نے دعوت کا ہر طریقہ استعمال کیا بالاعلان بھی سمجھایا پھر ایک ایک کو علیحدہ بھی خفیہ طریقے سے راہ راست دکھائی' یہ بھی کہا کہ صرف تمہارے پچھلے گناہ ہی معاف نہ ہونگے بلکہ خدا تمہیں موسلادھار بارش برسا کر قحط سے بچا لے گا' تمہارے مال اور اولاد

میں ترقی ہوگی۔ مگر وہ ایسے ہٹ دھرم اور چکنے گھڑے تھے کہ ان کی بات سن کر کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور جب حضرت نوحؑ کے سامنے سے گزرتے تو کپڑوں سے اپنے منہ لپیٹ لیتے تا کہ وہ انہیں پہچان کر بلائیں نہیں۔

آنحضرتؐ کو یہ سب اس لئے بتایا جا رہا ہے کہ جو کچھ حضورؐ کے ساتھ اہل مکہ کر رہے تھے یہ انہی کی نسلیں تھیں جو حضرت نوحؑ کے بارے میں بالکل ویسی ہی گفتگو کر چکی تھیں وہ بھی یہی کہتے تھے کہ آخر نوحؑ میں ایسی کیا خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا رسولؐ بنایا یہ تو بہت معمولی آدمی ہے نہ تو اس کے پاس کوئی خزانہ ہے نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا ہے' جو لوگ ان پر ایمان لا رہے ہیں وہ قوم کے گرے ہوئے چھوٹے اور گھٹیا لوگ ہیں جن سے ہم بات تک نہیں کرنا چاہتے۔

پھر آیت نمبر 22 سے 24 تک ان بتوں کے ناموں اور ان کی پوجا کے حوالے سے بات ہو رہی ہے۔ جن کے نام آیت نے ودؑ سواع' یغوث' یعوق و نسر اور بعض بڑے بت لات و عزیٰ کے نام سے بنا کر کھڑے کر لئے تھے۔ یہی بت آج بھی ہندوؤں میں دیوی اور دیوتا کہلاتے ہیں۔ بت پرستی کا آغاز کیسے ہوا سب سے پہلے حضرت شیث بن آدمؑ کا پتلا بنایا گیا' یہ لوگ یہ کرتے تھے کہ جس قوم میں کوئی بڑا پارسا روحانی عظمت والا انسان ہوتا تھا جس کے تقدس کی ساری قوم قائل ہوئی تھی مرنے کے بعد اس کا پتلا بطور یادگار بنا لیا جاتا تھا۔ کچھ دن تو تعظیماً اس کے سامنے جھکتے تھے پھر رفتہ رفتہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی روح اس مٹی کے پتلے میں حلول کر گئی ہے لہٰذا اس کے آگے سجدہ ریزی ہونے لگی' پھر اس کو خدا کا روپ سمجھ کر اس کی پوجا ہونے لگی اور ان کے نام وضع کر لئے گئے۔ حضرت نوحؑ کے زمانے تک بت پرستی اس درجہ پھیل گئی کہ خدا پر ایمان لانے والے اکا دکا لوگ ہی رہ گئے اور باوجود ساڑھے نو سو سال کی شب و روز ہدایت کے چند آدمیوں سے زیادہ مسلمان نہ ہو سکے۔ جب طوفان نوحؑ کے بعد کشتی میں جو لوگ تھے وہ بچ گئے تو انہی کو دیوتا مان کر ان کی پوجا ہونے لگی اور اس کے بعد بت پرستی کا عقیدہ زور پکڑ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانے تک یہ وبا اتنی عام ہوئی کہ مسلمان ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا اور اس منزل پر پہنچ کر منکرین خدا

تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک بت پرست دوسرے ستارہ پرست اور تیسرے شخصیت پرست یعنی نمرود کو خدا ماننے والے آخر کار حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں مومن و کافر دونوں پائے جاتے تھے۔

اس سورۃ کی آخری آیات میں حضرت نوحؑ کی دعا کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ جب انہوں نے اللہ سے کہا کہ "اے میرے رب ان کافروں میں سے کسی کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی کافر ہی ہوگی۔" لہٰذا آپ کی دعا قبول ہوئی اور زمانہ نوحؑ کے کفار پر دہرا عذاب نازل ہوا۔ ایک یہ کہ ان کو طوفان میں غرق کر دیا گیا اور دوسرا یہ کہ ان کی روحوں کو داخل جہنم کیا گیا۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۷۲ آیات: ۲۸

سورۃ الجن

مقام نزول: مکہ

تعارف: چونکہ اس سورہ میں جنات سے ایک گروہ جو قرآن مجید کی آیات سن کر ایمان لایا اس کا بہت مفصل تذکرہ ہے اس لئے اس کا نام سورۂ جن ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

یہ سورۃ جیسے کے نام سے ظاہر ہے ایک نہ دکھائی دینے والی مخلوق کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور یہ گفتگو ان کے پیغمبرؐ اسلام پر ایمان لانے اور قرآن مجید کے مقابلے میں ان کا پچھلی کتابوں سے تصدیق کرنا نیز یہ کہ جن ایک مخلوق خدا ہے ان کے بارے میں جو بے ہودہ عقائد موجود ہیں یہ سورۃ اس کی اصلاح کرتی ہے اور انہیں باطل قرار دیتی ہے۔ اس سورۃ کے آخری حصے میں علم غیب کے مسئلہ کے متعلق گفتگو ہے کہ کوئی بھی شخص اس سے آگاہ نہیں ہے سوائے اس قدر کہ جس قدر خدا نے ارادہ کرلیا ہے کسی کو اس کا علم عطا کرنے کا۔

اس سورۃ کی پہلی چھ آیات جب یہ کہتی ہیں کہ "اے رسولؐ کہو کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) کو جی لگا کر سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے۔ تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے اور یہ کہ آدمیوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض کی پناہ پکڑا کرتے ہیں جس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔" یہ آیات بتاتی ہیں کہ "جن" ایک مخلوق کی حیثیت سے دنیا میں موجود ہیں۔ آنحضرتؐ جب رسالت کے منصب پر فائز ہوئے اور جنوں کا آسمان پر جانا بند ہوا تو وہ لوگ سمجھے کہ دنیا میں کوئی حادثہ ہوا ہے اس بناء پر کچھ جنات اس کی تحقیق کے لئے مقرر کئے گئے جو اطراف عالم میں پھیل گئے۔ چنانچہ جو مکہ آئے اور انہوں نے طائف کے بازار عکاظ میں حضرتؐ کو دیکھا کہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ نماز صبح میں مشغول ہیں جب انہوں نے حضرتؐ کو قرآن پڑھتے سنا تو کہنے لگے یہی وہ واقعہ ہے جس نے ہم کو آسمان پر جانے سے روکا ہے۔ آخر یہ

لوگ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا۔ پہلی آیت یہ بتاتی ہے کہ حضورؐ کو جنوں نے قرآن سننے کی خبر نہ تھی بعد میں وحی کے ذریعے پتہ چلا قرآناً عجباً کا مطلب یہی ہے کہ ہم نے ایسا کلام سنا ہے جو بلحاظ الفاظ و معنی بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنوں کا یہ گروہ عربی زبان جانتا تھا اور یہ کہ ان کی قوم میں کافر و مشرک ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جنوں کی سرپرستی اور ہمدردی کے باعث سرکش ہو گئے تھے۔

جنوں کے بارے میں عجیب و غریب خیالات:

(1) ایک خیال یہ ہے کہ یہ مخلوق انسان سے علیحدہ ہے قرآن میں ان دونوں کا علیحدہ سے ذکر کیا گیا ہے (وخلق الجانَّ من مارج من نار) ایک ایسا وجود ہے جو آگ کے شعلے سے پیدا ہوا ہے اسکے برخلاف انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا) (سورۃ رحمٰن آیت نمبر 15)

(2) قوم جن کوئی علیحدہ سے جنس نہیں بلکہ انسانوں میں شامل ہیں انسانوں میں جو قوی اور تند مزاج ہوتے ہیں وہ جن کہلاتے ہیں حضرت سلیمان نے ایسے ہی سرکش لوگوں کو قبضہ میں کیا ہوا تھا۔

(3) جن کا علیحدہ سے کوئی وجود نہیں اگر ہوتا تو نظر آتے' یہ سب سے کمزور دلیل ہے اس لئے کہ اگر کوئی چیز نظر نہ آئے تو اس کے وجود سے انکار کر دینا ایسا ہی ہے جیسے آپ ذات باری تعالیٰ کا انکار کر دیں کہ چونکہ وہ نظر نہیں آتی اس لئے نہیں ہے۔

(4) قوم جن کی کوئی تاریخ نہیں نہ یہ پتہ کہ یہ قوم کہاں رہتی ہے یہ بھی غلط ہے کہ وجود آدمؑ سے پہلے زمین پر یہی قوم بستی تھی جن کا سردار ابلیس تھا۔ ان میں دن رات خونریزی ہوتی رہتی تھی آخر خدا نے اپنے فرشتوں کے ذریعے اس قوم کو جو خناس کہلاتی تھی تباہ و برباد کر دیا اور ان کو بجائے زمین کے فضائے آسمان میں جگہ دی۔

(5) بعض کے نزدیک یہ زمین ہی پر آباد ہیں مگر ان کی بستیاں نظر نہیں آتیں۔

قرآن کی رو سے جنوں کی حقیقت:

جیسا کہ پہلے سورۃ رحمٰن کی آیت 15 میں جنوں کے نار سے بنائے جانے کی تصدیق ہوئی ہے اس طرح سورۃ جن کی مختلف آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن علم و ادراک اور حق و باطل کی پہچان

رکھتے ہیں وہ تکلیف وسہولت فرائض وحقوق سے واقف ہیں۔

ان میں ایک گروہ مومن وصالح اور ایک گروہ کافر ہے۔سورۂ جن کی آیت نمبر 11 ان تمام اقوال قرآن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قوم جن علیحدہ سے ایک قوم ہے جو اپنا حلیہ بدل کر جس شکل میں چاہے آسکتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کو مسخر کرلیا تھا اور قومی ہیکل انسانوں کی طرح ان کے لشکر میں وہ شامل تھے جو سرکشی کرتے تھے اور قرآن کے قول کے مطابق انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ان کے وجود مختلف اوقات میں حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں آتے تھے اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ان میں بھی انسانوں کی طرح مومن و مشرک ہوتے تھے' عقیدہ توحید ونبوت وقیامت میں یہ لوگ انسانوں کی طرح شریک ہیں۔اسی طرح جنوں کی خلقت کا مقصد بھی اللہ کی عبادت ہے' **وماخلقت الجن والانس لا یعبدون**" سورہ الذاریات آیت 56 شیطانی گروہ میں جس طرح انسان شامل ہیں اسی طرح جن بھی داخل ہیں اس لئے ان دنوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔

سورۂ جن میں جو خاص بات جنوں کی حرکات وسکنات کے بارے میں بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے شیاطین وجنات آسمان پر جاتے تھے اور فرشتوں کی باتوں کو کان لگا کر سنتے تھے۔وہاں سے جو کچھ ملتا اسے کاہنوں سے بیان کردیتے تھے۔ان کو گمان بھی نہ تھا کہ اب دنیا میں کوئی رسول آئے گا لیکن جب ان کا آسمانوں پر آنا جانا بند ہوا تو ان کو فکر ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے ہر وقت آسمان پر چاروں طرف پہرے بیٹھے ہوئے ہیں اور جو اوپر جانا چاہتا ہے تو شہاب ثاقب کے کوڑے اس پر پڑتے ہیں۔غور وفکر کیا تو پتہ چلا کہ کوئی نئی چیز دنیا میں پیدا ہوئی ہے یا خدا نے اہل زمین کی ہدایت کیلئے کوئی نبی مبعوث کیا ہے اور اس کے پیغام کی حفاظت کیلئے آسمان پر ایسا انتظام کیا ہے کہ شیاطین کو قطعاً کوئی اطلاع نہ ہو اور وہ غلط بیانی سے اپنے دوستوں تک اسے نہ پہنچا سکیں اور ان جنوں نے یہ بھی بتایا کہ ہم میں بھی دوقسم کے لوگ ہیں نیک بھی اور بد بھی اور ان کے یہاں بھی فرقہ بندیاں ہیں تو یہ انتظامات حضورؐ کی بعثت کے بعد کیے گئے کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا قطعاً بند کردیا گیا یہ خصوصیت صرف خاتم الانبیاء کیلئے تھی۔

سورۃ نمبر ۷۳ آیات: ۲۰

مقام نزول: مکہ

سورۃ المزمل

تعارف: مزمل کے معنی چادر میں لپٹے ہوئے کے ہیں اس لئے اس سورہ کا یہ نام ہوا۔ اس میں پیغمبر خداؐ کو سپرد کرنے والی ذمہ داری کی اہمیت اور دشواری کو دکھاتے ہوئے آپؐ کو راتوں کی بیداری کے ساتھ عبادت میں کافی وقت گزارنے کی بنا پر پیار سے روکا گیا ہے کہ اے میرے پیارے نبی خود کو اتنی تکلیف میں نہ ڈالو۔ مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر و تحمل کی تلقین اور نتیجہ کو اللہ پر چھوڑنے کا حکم جس کے ساتھ مخالفین کو عذاب کی تہدید ہے۔ آپ کو مزمل کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

نبی آخر الزماںؐ کا یہ خاص اعزاز ہے کہ خدا نے ان کا نام لے کر کہیں نہیں پکارا۔ ہر نبی کا نام لے کر پکارا، یا آدمؑ، یا نوحؑ یا ابراہیمؑ، یا موسیٰ لیکن قرآن نے کہیں بھی یا محمد نہیں کہا بلکہ حضورؐ کو جہاں بھی پکارا ہے صفات سے پکارا ہے۔ یعنی اللہ کو اپنے محبوب کی جو ادا بھی پسند آ گئی اسی ادا سے پکار لیا۔ اب "یاایھا المزمل" یا کمبل پوش، یاایھا المدثر یا چادر پوش، یسین، یاایھا النبی یاایھا الرسول۔

یاایھا المزمل سے اس سورۃ کا آغاز کیا گیا ہے۔ وحی کے وقت حضرتؐ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی، بعض اوقات شدت کے جاڑے میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ابتدائے نبوت میں جب آپ فرشتے کی آواز سنتے تو بیوی حضرت خدیجہؓ سے فرماتے کہ مجھے کپڑے میں لپیٹ دو۔ چنانچہ آپؐ اس حالت میں ایک بار تھے کہ خدا کو اپنے محبوبؐ کی یہ ادا پسند آئی اس وجہ سے خدا نے آپ کو یاایھا المزمل کہہ کر پکارا ہے۔ حضرتؐ رات رات بھر عبادت کرتے تھے نمازیں پڑھتے تھے آپؐ کے پیروں پر ورم آ جاتا تھا لہٰذا آپؐ کو بہت پیار سے

پروردگار مزمل کہہ کر اتنی عبادت سے روک رہا ہے۔ جیسے اکثر مائیں بچوں کو بہت زیادہ پڑھتے‘ محنت کرتے رات رات بھر جاگ کر مطالعے میں مصروف دیکھ کر شفقت اور پیار سے کہتی ہیں کہ میرے لعل اب بس کرو بالکل اسی طرح سورۃ طہٰ میں کہا گیا ہے کہ قرآن ہم نے اس لئے تم پر نازل نہیں کیا کہ تم اپنے آپ کو مشقت میں ڈالو آدھی رات عبادت میں گزار دو اور کچھ دیر آرام کرو سو جاؤ قرآن کو جلدی جلدی نہ پڑھو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم نے تم پر بھاری کلام نازل کیا۔ اب بھاری اس لئے کہا جا رہا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا آسان نہیں یا اس اعتبار سے کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اگر حضور ﷺ اونٹ پر سوار ہوتے تو اونٹ کا شکم وزن کی زیادتی کی وجہ سے زمین سے جا لگتا تھا۔

اگلی آیات میں کفار کی بدتمیزیوں کو نظر انداز کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ کفار و مشرکین حضورؐ کے پاس آ کر بہت بدتمیزی اور گستاخیاں کیا کرتے تھے اور آپؐ کے منہ پر آپ کو (نعوذ باللہ) جھوٹا کہتے تھے۔ خدا رسولؐ سے کہتا ہے کہ ان کی باتوں کو نظر انداز کرو اور صبر سے کام لو۔ ہاں اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا مگر ان سے الگ رہو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تبلیغ کا کام بند کر دو بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات پیدا نہ کرو۔ ان کے رؤسا اور سردار تم کو اور قرآن کو جھٹلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور دولت کے نشے میں مست ہیں ان کو مجھ پر چھوڑ دو میں ان کو سمجھ لوں گا ذرا وہ دن تو آ لینے دو جو ان کے عذاب کیلئے معین کیا گیا ہے (قیامت) پھر دیکھو کہ یہ کس عذاب سے گزریں گے۔

آخری آیتوں میں مکہ والوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری طرف ایک رسولؐ اس طرح کا بھیجا گیا جسے فرعون کی طرف موسیٰ کو بھیجا گیا تھا۔ حضورؐ سرکار دو عالمؐ اور حضرت موسیٰؑ کے واقعات بہت ملتے جلتے ہیں اسلئے قرآن میں جگہ جگہ حضورؐ کو حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے تشبیہ دی گئی ہے مثلاً:

(1) حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تین سرکش تھے ایک فرعون دوسرا ہامان اور تیسرا قارون۔ لیکن فرعون کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا کہ اور تو کافر تھے مگر فرعون کافر گر تھا یعنی لوگوں کو کافر

بناتا تھا۔ اسی طرح حضورؐ کی قوم میں تین سب سے زیادہ سرکش تھے ابوجہل' ابولہب' اور ابوسفیان چونکہ ابولہب سب سے زیادہ حضورؐ کا دشمن تھا اس لئے قرآن میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(2) جب حضرت موسیٰؑ نبی بنائے گئے تو انہوں نے ہارونؑ کو اپنی مدد کیلئے خدا سے مانگا اور ان کی وزارت کی منظوری چاہی۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت کے بعد بحکمِ خدا حضرت علیؑ کو اپنا وزیر بنایا۔

(3) حضرت موسیٰؑ صاحب اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دل شکستہ تھے۔ خدا نے اولادِ ہارونؑ کو آلِ موسیٰؑ قرار دیا۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ خصوصاً ابولہب طعنے دیتا تھا کہ آپ کی اولادِ نرینہ نہیں۔ لہٰذا آپ کی نسل ختم ہو جائے گی آپؐ کے بعد۔ مگر خدا نے ان کے بھائی علیؑ کی اولاد کو آلِ رسولؐ قرار دیا۔

(4) حضرت موسیٰؑ کی ایک بیوی بی بی صفورا بنت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی یوشع بن نون سے لڑیں۔ حضورؐ کی بھی ایک بیوی حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؑ سے جنگ کی۔

(5) حضرت موسیٰؑ کے بارہ اولیاء ہوئے جو اسبا کہلائے۔ اسی طرح حضرت رسولؐ کے بارہ جانشین ہوئے جو امام کہلائے۔

(6) وصی موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کے تین بیٹے ہوئے۔ شبر و شبیر و مبشر' اسی طرح وصی رسول حضرت علیؑ کے تین بیٹے ہوئے حسنؑ' حسینؑ اور محسنؑ۔

(7) جس طرح حضرت ہارونؑ کے تیسرے بیٹے پیدا ہوتے ہی انتقال کر گئے' اسی طرح حضرت محسنؑ بطن مادر بی بی فاطمۃ الزہراؑ میں ہی اس وقت انتقال کر گئے جب دشمنانِ رسولؐ آپ کا گھر جلانے آئے۔

(8) حضرت موسیٰؑ پر توریت اور حضورؐ پر قرآن نازل ہوا۔

(9) حضرت موسیٰؑ نے خدا سے طور پر کلام کیا اور حضرت محمد مصطفیٰؐ معراج کی شب عالم امکاں کی آخری حد پر گئے جہاں جبرئیل علیہ السلام کے پر جلتے تھے۔

(10) حضرت موسیٰ کی قوم اکہتر (۷۱) فرقوں میں تقسیم ہوئی اور حضورؐ کی تہتر فرقوں میں۔

(11) جو منزلت اور قربت حضرت ہارونؑ کی حضرت موسیٰؑ کے نزدیک تھی اسی طرح وصی رسولؐ کے نزدیک حضرت علیؑ کی قدر و منزلت تھی۔

اس سورۃ کے آخر میں تہجد کی نمازوں کو چھوٹے سوروں کے ساتھ پڑھنے اور رات کے کچھ مختصر حصے میں پڑھنے کے احکامات آئے۔ اس سے پہلے حضورؐ کی ساری ساری رات تہجد میں گزر جاتی تھی۔ پھر زکوٰۃ اور لوگوں کو قرض حسنہ دینے پر زور دیا ہے کہ یہ دراصل اللہ کو قرض دینا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں
اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن
ہیں ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو و درگزر سے
کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور و رحیم ہے
تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک
آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس
بڑا اجر ہے

یعنی دنیاوی لحاظ سے اگرچہ یہ وہ لوگ ہیں جو انسان کو
سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن دین کے لحاظ سے
یہ تمہارے دشمن ہیں۔ یہ دشمن خواہ اس حیثیت سے
ہوں کہ وہ تمہیں نیکی سے روکتے اور بدی کی طرف مائل
کرتے ہوں یا اس حیثیت سے کہ تمہیں ایمان سے
روکتے اور کفر کی طرف کھینچتے ہوں یا اس حیثیت سے کہ ان کی
ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہوں، بہرحال یہ ہے ایسی چیز کہ
تمہیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کی محبت میں
گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب
نہیں کرنی چاہیے [illegible]

سورۃ نمبر ۷۴ | آیات: ۵۶
مقام نزول: مکہ

سورۃ المدثر

تعارف : اس لفظ مدثر کے معنی بھی یہی ہیں کہ اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے کہہ کر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو مخاطب کر رہا ہے۔ مزمل اور مدثر دونوں آپ کے ٹائٹل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو المدثر کہنا اسی طرح کا انداز تخاطب ہے جیسا المزمل میں تھا یعنی عاشق کو اپنے معشوق کی ہر ادا پسند ہے۔ کمبل اوڑھ لیا تو اسی حالت سے پکار لیا' چادر اوڑھ لی تو وہی ادا پسند آ گئی۔

سورۃ کے آغاز ہی میں کہا جا رہا ہے کہ لباس ایسا نہ پہنو کہ اس کی شان سے تکبر ظاہر ہو اور نہ ہی گندہ اور میلا کچیلا' اور گندگی سے دور رہو کا مطلب ہے" باطنی گندگی" یعنی اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ رکھنے کی تاکید کی جا رہی ہے' عرب قبائلی معاشرہ تھا۔ لباس کے معاملے میں نجاست سے وہ لوگ بچتے نہیں تھے اس لئے کہا جا رہا ہے کہ لباس بے شک معمولی ہو مگر پاک اور صاف ہو اور جو مصیبت تمہارے سامنے آئے اسے اپنے خدا کی خوشنودی کیلئے جھیلو۔

اب اگلی آیات میں ایک ایسے شخص کے بارے میں خدا اپنے رسول ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ جو آنحضرتؐ کو ہر وقت بدنام کرنے کی مذموم کوششیں کرتا رہتا تھا اس کا نام ولید بن مغیرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ میں نے اسے مال بھی دیا اور اولاد بھی اس پر بھی اس کی تسلی نہیں ہوتی ہر وقت مال اور اولاد کی کثرت کی فکر میں لگا رہتا ہے اور قرآن کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ لیکن کیا وہ اپنی فریب کاری سے ہم پر غالب آسکتا ہے ہرگز نہیں عنقریب ہم اسے مزہ چکھائیں گے۔ اس سورہ المدثر کی اگلی آیات نمبر 18 سے 31 تک میں اسی شخص کو مرکز بنایا گیا۔ دراصل ایک ہی منافق

شخص کو موضوع بنایا گیا ہے اس کے رویے اس کی چالاکی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ جب سورۃ حٰم نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ خدا مسجد میں اصحاب کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اس سورۃ کو پڑھنا شروع کیا۔ جب دیکھا کہ سامنے ولید بن مغیرہ بھی بیٹھا ہوا ہے تو دوبارہ تلاوت کی وہ بغور سنتا رہا اس کے بعد اپنے گروپ کے سامنے گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں نے محمد ﷺ سے وہ کلام سنا ہے جو نہ تو آدمی کا ہے نہ جن کا‘ ایسی شیرینی میں نے کسی کلام میں نہیں سنی۔ یہ کبھی مغلوب ہونے والا نہیں‘ نہ بلندی میں پستی کی طرف مائل ہوگا۔ اتنا کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا‘ اس سے قریش کے بڑے بڑے سرداروں میں ہلچل مچ گئی وہ سمجھے کہ ولید مسلمان ہوگیا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر ابوجہل اس کے پاس آیا اور غمگین لہجے میں بولا لوگ سمجھ رہے ہیں کہ بڑھاپے میں تمہاری عقل ماری گئی ہے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر تم مسلمان ہوگئے ہو۔ یہ سن کر ولید بن مغیرہ ابوجہل کے ساتھ اپنے ہم خیال سرداروں کی محفل میں واپس آیا اور بولا کیا تم لوگ محمدؐ کو دیوانہ سمجھتے ہو سب نے کہا نہیں‘ تو کیا کاہن سمجھتے ہو تو سب نے کہا نہیں تو کیا جھوٹا سمجھتے ہو؟ سب نے کہا نہیں ان کا تو لقب صادق ہے‘ پھر ولید نے کہا تو کیا شاعر سمجھتے ہو سب نے کہا نہیں‘ تو اس نے کہا تو پھر کیا سمجھتے ہو۔ سب سوچ میں پڑ گئے تو یہ خود ہی بولا ’’وہ صرف ایک ایسا جادوگر ہے جو باپ بیٹے‘ میاں اور بیوی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے یہ سن کر تمام قریش خوش ہوگئے۔ اس کے اسی رویے کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ شخص ایک مالدار آدمی تھا اسکے دس لڑکے تھے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ اسے اپنے مال اور اولاد پر بڑا گھمنڈ تھا قوم کا سردار بنا ہوا تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ دولت میں ترقی کس طرح ہو۔ اس کی گفتگو جو آنحضرتؐ کے متعلق تھی وہ بتاتی ہے کہ قرآن کی عظمت کا قائل ہو چکا تھا لیکن قوم میں اپنی تھانیداری اور چودھراہٹ برقرار رکھنے کے لئے حضورؐ کو جادوگر بنا کر انہیں بدنام کر کے لوگوں کو بہکاتا تھا اور اسی رویے پر قرآن کی یہ آیات اللہ تعالیٰ نے نازل کیں۔ اسی شخص کے ایک بیٹے کا نام خالد بن ولید ہے جن کو رسولؐ کے بعد منافقین نے سیف اللہ کا لقب دے کر اسی رویے کا مظاہرہ کیا۔ جو ان کے باپ کا تھا جسے اللہ نے

سخت ناپسند کیا اور اس حوالے سے آیات نازل کیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہنم کے فرشتوں کی تعداد 19 بتائی ہے جو جہنم کی نگہبانی کریں گے' یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان کی تعداد انیس کیوں رکھی گئی ہے۔ دوسرے اہل کتاب بھی 19 فرشتوں کا یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی یہی تعداد بتائی گئی ہے۔

ابوجہل اس تعداد اور اس آیت کا اکثر ہم خیال لوگوں کے ساتھ مذاق اڑایا کرتا تھا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان کی تعداد کوئی نہیں بتا سکتا بھلا ان سب کی نگہبانی صرف انیس فرشتے کریں گے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم میں سے دس دس آدمی ایک ایک فرشتے سے زور آزمائی کریں گے تو بھلا ان 19 کی حقیقت ہی کیا ہے سب کو جہنم میں دھکیل کر صاف بچ کر نکل جانا۔

اسی سورت کی آخری آیات میں قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ جو لوگ جہنم کا مذاق اڑاتے ہیں فرشتوں کی اس تعداد کا مذاق اڑاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ فرشتے کون ہیں' کیسے ہیں اور کیا کیا کام کرتے ہیں۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں جو رات کو چاند کو چمکتے ہوئے صبح کو نمودار ہوتے ہوئے خدا کی نشانیاں دیکھتے ہیں مگر دوزخ کے وجود سے انکار کرتے ہیں' جو اپنی نشانیاں بظاہر تمہیں دکھا سکتا ہے وہ پوشیدہ بھی رکھ سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی صفات بتا رہا ہے کہ جہنم کے مستحق کون لوگ ہیں وہ جو نماز نہیں پڑھتے' محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے باطل پرستوں کے ہم خیال بن جاتے ہیں اور قیامت کو جھلاتے ہیں ایسے لوگوں کی قیامت کے روز کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر طنز کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس الگ الگ اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہمارا یہ نبی سچا ہے تم سب اس کی اطاعت کرو تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ انہیں اگر نصیحت حاصل کرنی ہے تو قرآن اور قرآن کی عملی تصویر رسولؐ کو دیکھنا ہوگا اور ان کی اطاعت کرنی ہوگی۔

سورۃ نمبر ۷۵ آیات: ۴۰

مقام نزول: مکہ

سورة القيمة

تعارف : چونکہ قیامت کی قسم سے ہی اس سورہ کا آغاز ہوا ہے اس لئے اس سورۃ کا یہ نام ہوا اور یہی اس کا موضوع بھی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

پروردگار اس سورۃ میں قیامت کے دن کی قسم کھا کر فوراً ہی نفس اللّوامة کی قسم کھا رہا ہے کہ تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔

اب نفس انسانی کی کتنی قسمیں ہیں پہلے وہ سمجھ لیں۔

(1) نفس امارہ: جس کا ذکر سورہ یوسف میں ہے کہ انسان اپنی ذاتی خواہش کو دین و دنیا کے فائدے پر ترجیح نہ دے یعنی ایسا کام کرنے سے خود کو روکے جس کی پکڑ دنیا اور آخرت دونوں میں ہونے کا خدشہ ہو یہ نفس امارہ ہے۔ جو آپ کو اچھے اور برے کام کو کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی اچھی اور بری چیز کی خواہش پیدا کرتا ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کوئی خواہش نہ کرے اور زندگی کے تمام کام معطل ہو کر رہ جائیں البتہ عقل آپ کو راستہ دکھائے کہ کون سی خواہش کو عملی جامہ پہنایا جائے اور کونسی خواہش ترک کی جائے۔

(2) نفس لوامہ: یعنی جب انسان کوئی برائی کرے تو یہ نفس اسے ملامت کرے اس کو ضمیر کی آواز بھی کہا جاتا ہے۔ Guilt یعنی انسان زبان سے چاہے کتنا ہی انکار کرے مگر اس کے ضمیر کی یہی آواز ہوگی کہ اس نے برا کام کیا ہے۔

(3) نفس مطمئنہ: جو شیطانی وسوسے سے پاک و صاف رہ کر خدا کی طرف لو لگانے پر آمادہ کرے وہ نفس مطمئنہ ہے یعنی آخرت کا اطمینان نصیب دلانے کی طرف آمادہ کرے۔

اب نفس لوامہ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خدا قیامت اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو لوگ نہیں مانتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں جو خاک در خاک ہوں وہ دوبارہ شکل انسانی میں وجود میں آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ ہمارے لئے یہ کام مشکل نہیں جس خدا نے انسان کو پہلے بنایا وہ پھر بھی بنا سکتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی! اچھا تو سمجھ لو کہ جب آئے گی تو یہ صورت ہوگی کہ بجلیاں کوندنے سے تم لرز جاؤ گے۔ چاند کو گہن لگ جائے گا چاند اور سورج ایک جگہ جمع ہو جائیں گے یعنی نظام عالم تہہ و بالا ہو جائے گا' کہاں کی زمین اور کہاں کا آسمان اس وقت انسان گھبرا کر کہے گا کہ کہاں بھاگ جاؤں' تو آخر وہ کہاں جا سکتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے گناہوں کی کتنی ہی معذرت کرے مگر اس کا نفس خود جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا ہے تو اگر وہ اپنے نفس اللوامہ کی آواز زندگی میں نہ سن سکے تو قیامت کے روز اس آواز کو سننے کا اُسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نفس اللوامہ کی قسم اس لئے کھا رہا ہے کہ اسے اس کی عظمت کا اقرار ہے کہ اگر انسان اپنے گناہوں اور بدی کو پہچان کر زندگی ہی میں مان لے تو بہ کر لے اور تلافی کرے اپنے برے کاموں کی تو وہ خدا کے نزدیک بہت عظیم ہے مگر وہ قیامت اور آخرت کے حساب کتاب پر یقین ہی نہ رکھے اور جب وہ سر پر آ کر کھڑی ہو جائے گی تو پھر کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔

سورۃ نمبر ۷۶ آیات: ۳۱

مقام نزول: مدینہ

سورۃ الدھر

لا انتہا زمانے والی سورۃ

تعارف: اس سورۃ کو عرف عام میں ہل اتی بھی کہا گیا ہے اور سورۃ انسان بھی اور یہ تینوں نام اس سورۃ کے آغاز میں دو لفظ انسان کی خلقت اور اس کے ایک طویل زمانے تک نا قابل ذکر شے ہونے کے حوالے سے ہے اور اس کی اس صفت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ رب کا شکر ادا کرے اور اپنی نذروں کو پورا کرے تو اللہ اسی کو صالح سمجھتا ہے اللہ کہتا ہے کہ "جس طرح ہم نے کافروں کے لئے طوق اور زنجیریں اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے اسی طرح نیک اور صالح لوگ جنت کی وہ شراب پئیں گے جو ایک خاص چشمے سے نکالی جائے گی اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اللہ کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم محتاجوں کو خالص خدا کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ اس سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ ہم کو اپنے رب سے اس دن کا ڈر ہے جو سخت مصیبت کا اور انتہائی طویل دن ہوگا۔"

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کی شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ بیمار ہوئے اور علالت نے طول پکڑا تو حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ اور بی بی فاطمہؑ سے فرمایا کہ تم دونوں ان کی صحت کیلئے تین روزے مقرر کرو۔ چنانچہ جب ان دونوں نے نذر مان لی تو ان کے ساتھ کنیز جناب فضہ اور حسنینؑ نے بھی یہی نذر مان لی جب صحت حاصل ہوئی اور نذر پوری کرنے کا وقت آیا تو ان پانچوں نے روزے رکھے۔ پہلا روزہ رکھا تو گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا امیر المومنین علیؑ نے ایک یہودی سے تین صاع (اس وقت کی کرنسی) اس شرط پر لیکہ ان کے بدلے بطور اجرت کچھ

اون کتوا کر دیں گے۔ دونوں چیزیں لے کر گھر میں آئے اور جناب سیدۃ سے فرمایا کہ یہ اون ہے اور اس کی کتائی کی یہ اجرت ہے' سیدۃ عالم نے اون کے تین حصے کیے پھر ہو گے جب ایک حصہ اون کا کات لیا تو ایک تہائی جو کی مستحق ہو گئیں پھر خود ہی چکی میں جو پیسے اور وقت افطار روزہ پانچ روٹیاں پکائیں۔ جیسے ہی افطار کا وقت آیا تو دروازے پر ایک سائل نے صدا دی' وہ مسکین تھا چنانچہ پانچوں نے اپنی اپنی روٹی اسے دے دی اور خود پانی پی کر روزہ افطار کیا۔ دوسرے روز پھر وہی عمل ہوا جب کھانے بیٹھے تو ایک یتیم نے صدا دی۔ سب نے اپنی اپنی روٹی اس کے حوالے کر دی' تیسرے روز پھر یہی عمل ہوا جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آ کر صدا دی۔ سب نے پھر روٹیاں دے دیں۔ چوتھا روز ہوا تو حسنینؑ کا کمزوری سے برا حال تھا۔ حضرت رسولؐ خدا تشریف لائے تو دیکھا بچے نڈھال ہیں اور حضرت فاطمہؑ کا یہ حال ہے کہ دیکھا نہ جائے اس وقت حضرت جبریلؑ تشریف لائے۔ اس سورۃ کے ساتھ اور اللہ کا پیغام پڑھ کر سنایا کہ خدا نے اپنی بارگاہ خاص سے آپ کے گھرانے کے اس عمل کی تعریف کی اور آنے والے سائل معمولی سائل نہ تھے بلکہ اللہ نے امتحان اہلبیت کے لئے فرشتوں کو سائل کی شکل میں یعنی یتیم' مسکین اور قیدی کی شکل میں بھیجا۔ آپؐ کے اہلبیت اور ان کی کنیز تک اس امتحان میں پورے اترے تو آپؐ کے اہلبیت کی شان میں یہ سورۃ نازل کی جاتی ہے۔ اس روایت کی صحت پر کچھ مفسرین نے شبہ کا اظہار کیا ہے اور اعتراض اٹھایا ہے وہ اعتراض گو کہ بہت کمزور ہے مگر ہم یہاں بیان کرنا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ قاری کا ذہن بھٹکنے کے بجائے غور و فکر کو اپنائے۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ تین دن متواتر بھوکا رہنا جن میں دو چھوٹے بچے بھی شامل تھے کونسی دانائی تھی۔ عقل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دو روٹیاں سائل کو دی جاتیں اور باقی خود تھوڑی تھوڑی خود کھاتے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ دستور یہ نہ تھا کہ قیدی بھیک مانگنے جایا کرتے تھے' اعتراض کرنے والوں نے یہ ضرور تسلیم کیا ہے کہ اہلبیتؑ مسکینوں' یتیموں اور قیدیوں کو کھانا دیا کرتے تھے۔

اب ان اعتراضات کا جواب قرآن کی اسی سورۃ کی آیات نمبر 9,8 اور 10 میں موجود ہے

کہ ''اور اس کی یعنی خدا کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو خالص خدا کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ ہم کو اپنے رب سے اس دن کا ڈر ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔''

ظاہر ہے اہلبیت رسول کی سخاوت عام آدمی کی سخاوت سے بلند ترین سخاوت تھی جس کا اقرار تمام مفسرین نے خود بھی کیا ہے۔ پہلا اعتراض یہ کہ ساری روٹیاں دینا عقل کا تقاضہ نہیں بے شک عقل کا تقاضہ نہیں مگر سخاوت و ایثار کا تو یہی تقاضہ ہے ورنہ کربلا میں اتنے بڑے لشکر' اسباب جنگ' ہتھیار اور صاحبانِ اقتدار کے سامنے صرف نہتے چند بزرگوں' کچھ جوانوں' عورتوں اور بچوں کو لے کر چلے جانا بھلا کونسا عقل کا تقاضہ تھا۔ مگر دین پر جب ایسا وقت آچکا تھا کہ اسے مٹایا جارہا تھا تو پھر پورا گھر بار لٹا کر صرف دین کو بچانا بھی تو اہلبیتؑ کی ذمہ داری تھی۔ چونکہ اللہ نے انہیں رسولؐ کے دین کا وارث بنایا تھا اور وارثوں کی شان اپنے بزرگوں کے دین کو بچانا ہوتا ہے نہ کہ مٹانا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے کیلئے بعض مرتبہ عقل کا نہیں بلکہ ایثار کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اب دوسرا اعتراض قیدی بھیک مانگنے نہیں جاتے تھے۔ مگر معترضین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ قیدی کو رسولؐ اکرم مختلف اصحابؓ کی قید میں دے دیتے تھے اور پھر ان کا کھانا اور لباس کی ذمہ داری ان کی ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ وہ قیدی جو اس وقت دروازے پر آئے تھے وہ حضرت علیؑ کی قید میں دیے گئے تھے۔ اسی طرح سائل کو پانچوں روٹیاں دینے کا یہ بھی سبب ہوسکتا تھا کہ یہ سوچا گیا ہو کہ سائل بال بچوں والا ہو اور ایک دو روٹی سے اس کی بھوک سے سیرابی نہ ہوتی ہو اور سب سے اہم بات کہ اللہ ان آیات میں جن تین مستحقین کا ذکر کر رہا ہے اور جیسا کہ کثیر روایتوں نے یہ تصدیق کی ہے کہ وہ سائل کی شکل میں فرشتے تھے جن کو بھیج کر خدا اہلبیتؑ کا امتحان لے رہا تھا اور اس ایثار سے عام لوگوں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ اپنی ضرورتوں پر ان مستحقین کی ضرورتوں کو ترجیح دو تب ہی تم اللہ کی نظر میں وہ مقام حاصل کرسکتے ہو کہ جنت کے حقدار ہو۔ یعنی وہی خیرات بارگاہ خدا میں مقبول ہوسکتی ہے جو بغیر کسی غرض اور ریا کے کی جائے نہ کہ اس شخص سے بدلے کی امید رکھی جائے۔

پھر جنت کی جن نعمتوں کو آخر میں جنت کی نعمتیں بتایا گیا ہے اگرچہ وہ تمام مومنین کیلئے ہیں مگر جنت کا مالک رسولؐ کی بیٹی اور بیٹے اماؑ حسین کو بنایا گیا ہے اس لئے کہ ان کی ساری اولاد گیارہ اماموں تک نے دشمنانِ دین کی ہر سختی اور مظالم برداشت کئے اور ایسا صبر کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے حقوق ضبط کئے گئے۔ ان کے روحانی وقار کو بری طرح کچلا گیا۔ بے دردی سے قتل کیا گیا' قید و بند کی صعوبتیں پہنچائی گئیں' اقتصادی مار دی گئی مگر انہوں نے ان تمام سخت منزلوں کو صبر سے طے کیا اور آخر دم تک دین کی خدمت کرتے رہے۔ انہی کے صبر کا یہ اجرِ عظیم ہے جو اس سورۃ میں خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اگر اہلِ ایمان میں سے ۲ دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ الحجرات ۴۹:۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (سورۃ التوبہ ۹:۱۱۹)

سورۃ نمبر ۷۷ آیات: ۵۰

مقام نزول: مکہ

سورۃ المرسلت

تعارف: یہاں بھی مرسلت سے مراد اکثر مفسرین نے فرشتے لیا ہے چونکہ جو صفات بیان کی گئی اور خدا قسم کھا رہا ہے ان لوگوں کی صفات سمیت ان میں تیز ہوا کی طرح چلنا' بادلوں کو پھیلانا اور منتشر کرنا اور جو خدا کی بیدار کرنے والی آیات پیغمبروں کی طرف لے کر آتے ہیں وہ فرشتے ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

آیت نمبر 11 جب یہ کہتی ہے کہ قیامت میں تمام رسولوں کو جمع کیا جائے گا ان کی امتیں بھی موجود ہوں گی۔ وہاں رسولوں سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنی اپنی امت پر ہمارے احکام کی تبلیغ بھی کی یا نہیں۔ وہ کہیں گے ضرور کی تھی' پھر امت سے سوال ہوگا کہ تم پر تمہارے رسولؐ نے ہمارے احکام پہنچائے؟ تو ان میں سے جو ایماندار ہونگے وہ اقرار کریں گے اور جو کافر ہوگے وہ انکار کریں گے۔ اس وقت رسولؐ خدا محمد مصطفیٰؐ بطور سرکاری گواہ پیش ہونگے وہ تصدیق کریں گے کہ ضرور تبلیغ کی گئی تھی میں بحالت نوری ہر رسول کے جسم کے ساتھ تھا۔ سورۃ نساء میں بھی آیت نمبر 41 میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ '' کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر اُمت کو اس کے گواہ (رسولؐ) کے ساتھ بلائیں گے اور اے رسولؐ تم ان پر گواہ ہو گے۔ ''

پھر کہا جا رہا ہے کہ بدکاروں کو سزا دینے میں جو تاخیر کی جا رہی ہے وہ فیصلہ کرنے کے دن تک کے لئے ہے اس روز جھٹلانے والوں کو پتہ چل جائے گا کہ قیامت کا دن کیسا ہوتا ہے۔

اس سورۃ میں کئی جگہ بہت تواتر سے جھٹلانے والوں کی تباہی کا ذکر ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قیامت کا دن کیسا سخت تباہی کا دن ہوگا بدکاروں کیلئے اور اس سے بچنے کیلئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔

پھر آخر میں کہا جا رہا ہے کہ سمجھانے کا اور ہدایت دینے کا جو حق تھا وہ اللہ نے اپنے رسولؐ اور کتابوں کو نازل کر کے ان کو سمجھا دیا۔ اب وہ کونسی چیز رہ گئی ہے جسے سن کر یہ ایمان لائیں گے یعنی یہ ایمان لانے والے نہیں یہ تو دوزخ کا ایندھن بن کے رہیں گے۔ خدا نے تو اپنی حجت تمام کر دی اب یہ نہیں سمجھتے تو جائیں جہنم میں۔

سورۃ رحمٰن کی طرح اس سورۃ میں بھی تکرار موجود ہے مگر بالکل علیحدہ یعنی وہاں نعمتوں کی تکرار ہے اور اس سورۃ میں تکذیب کرنے والوں یعنی جھٹلانے والوں کی صفات اور ان کے انجام کی تکرار ہے۔

جو لوگ خدا کی خوشنودی کے طالب ہوں اور اس سلسلے میں لوگوں کی ناراضی کی پروا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پوری مدد فرماتا ہے اور انسانوں کی ناراضی سے ان کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا' اور جو لوگ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اللہ اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور ان کو انسانوں کے حوالے کر دیتا ہے (جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نصرت سے بھی محروم رہتے ہیں اور جن کی خوشی کے لئے اللہ کو ناراض کیا تھا ان کی مدد بھی نہیں ملتی۔ (حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۷۸ آیات: ۴۰

مقام نزول: مکہ

سورۃ النبا

ایک خاص خبر والی سورۃ

تعارف: قرآن مجید کے آخری پارے کی یہ پہلی سورۃ ہے اصولی طور پر مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آخری پارے کی زیادہ تر سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں مکی آیات زیادہ تر دل ہلا دینے والی ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

سورۃ کی ابتداء ہی میں ایک عظیم حادثے (نبا عظیم) یعنی روز قیامت کے بارے میں سوال ہو رہا ہے اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی قرآن جواب دے رہا ہے کہ وہ ایک عظیم اور اہم خبر کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور پھر اس بارے میں ان میں اختلاف ہوتا ہے کوئی کہتا ہے کہ قیامت کا آنا برحق ہے کوئی کہتا ہے کہ اگر یہ حقیقت ہے تو آتی کیوں نہیں۔ عنقریب ہی یہ دیکھ لیں گے انسان کیلئے موت ہی چھوٹی سی قیامت ہے وہ اس سے سبق کیوں حاصل نہیں کرتا۔ اللہ انسان کو سمجھا رہا ہے کہ میں نے تیرے آرام و آسائش کیلئے تیرے نظام حیات کو برقرار رکھنے کے لئے کیا کیا عجیب وغریب سامان کیے ہیں زمین کے فرش کو دیکھ کیسا تیرے حال کی مناسبت سے بنایا ہے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سرد نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم پھر کیسے کیسے ذخیرے Natural Resources اس میں جمع کیے ہیں۔ پہاڑوں کو دیکھ ان میں ہر قسم کے پتھر تیرے فائدے ہی کیلئے ہیں' ان کی چوٹیوں پر برف جما کر وہاں سے خوشگوار چشمے پانی کے بہائے جن سے سمندر اور دریا بنے' رات کو تیرے آرام کیلئے بنایا اور دن کو روزی کمانے کیلئے' کیا تو ان نعمتوں کے بعد بھی ہمیں بھول جائے گا پھر اگلی آیات میں کہا جا رہا ہے کہ یوم الفصل یعنی قیامت کا دن جس میں ہر

شخص کے اعمال کا فیصلہ ہو جائے گا۔

آخری آیات میں پچھلی سورتوں کی طرح جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے نظارے بتانے کے بعد کہا جا رہا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کی پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں' حالانکہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خدائی دفتر میں لکھا جا رہا ہے اور فیصلے کے دن جیسے سچائی کا دن کہا گیا ہے۔ جس نے کوئی اچھا یا برا کام کیا ہے اس دن اس کے سامنے آ جائے گا۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

*(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۷۹ آیات: ۴۶

مقام نزول: مکہ

سورۃ النازعات

تعارف: اس سورۃ میں بھی پہلا ہی لفظ والنازعات اور قیامت کے آنے کی قسم کھا کر کہا جارہا ہے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں کے اندر سرایت کر کے روحوں کو کھینچتے ہیں اور جوان جانوں کو آسانی کے ساتھ نکال کے لے جاتے ہیں اور احکام الٰہی کی تعمیل میں چاروں طرف یوں رواں دواں ہیں جیسے وہ تیر رہے ہوں۔

موضوع کی تفصیل:

ان فرشتوں کی قسم کھائی جارہی ہے جو (غرقا) یعنی ڈوب کر جان نکالتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جسم کے آخری حصے تک سے جان نکال لیتے ہیں۔ انسان کی رگ رگ سے جان کھینچ لیتے ہیں کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں اور مومنوں کی آسانی سے۔

یہ فرشتے حکم خدا کی بجا آوری کرتے ہیں اور جو لوگ فرشتوں کو معبود مانتے ہیں وہ کتنے احمق ہیں کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔

پھر قیامت کا ذکر کر کے کہا جارہا ہے کہ اس روز دل دھڑکتے ہوں گے آنکھیں ندامت سے جھکی ہوں گی اور سارے کافر اور بدکار الٹے پاؤں میدان حشر کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ یہاں ایک لفظ فاذاھم بالساھرہ استعمال ہوا ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ساہرہ اس زمین کا نام ہے جو بیت المقدس کے قریب جبل ازکا کے اطراف میں ہے اور اس کو خدا قیامت کے دن وسیع کردے گا اور بعض کے نزدیک وہ چاندی کی زمین ہوگی جس کو خدا اتنی وسعت دے گا کہ وہ موجودہ زمین سے چالیس گناہ زیادہ ہوگی یہ سب قیاسات ہیں یہ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ فیصلے کے دن وہ کہاں یہ حشر برپا کرے گا۔

اس سورۃ میں ایک بار پھر حضرت موسیٰ کا قصہ دہرایا گیا ہے تاکہ لوگ موسیٰ اور فرعون کے تکبر اور اس کے خدائی کے دعوے کے نتیجے میں اس کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

آخر میں پھر قیامت کے متعلق اس سوال کو دہرایا جا رہا ہے جو لوگ اکثر رسولؐ خدا سے پوچھا کرتے تھے کہ جس قیامت کا آپ اتنا ذکر کرتے ہیں آخر اس کے آنے کا کوئی وقت بھی مقرر ہے کہ نہیں؟ اس سوال کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ اے رسولؐ تمہارا اس علم سے کیا واسطہ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے تم تو صرف اس دن کے عذاب سے ڈرانے والے ہو یہ جب اس دن کو دیکھیں گے تو حواس باختہ ہو جائیں گے اور جس نے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا ہوگا تو اس کے رہنے کی جگہ جنت ہوگی۔

کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و اولاد سے مدد دیئے جا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ **نہیں**، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے۔

(سورۃ المؤمنون ۵۵_۵۶ :۲۳)

اے اللہ میرے مال اور اولاد
کو برباد ہونے سے بچا۔

سورۂ نمبر ۸۰ — آیات: ۴۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ عبس

تعارف: سورۃ عبس مختصر ہونے کے باوجود مختلف اور اہم مسائل پر بحث کرتی ہے اس کے مضامین کا خلاصہ پانچ حصوں میں کیا جا سکتا ہے۔

(1) خدا کا شدید عتاب اس شخص پر جس نے ایک حقیقت کے متلاشی نابینا سے مناسب رویہ اختیار نہیں کیا۔

(2) قرآن مجید کی قدر و قیمت اور اہمیت

(3) خدا کی نعمتوں کے سلسلے میں انسان کی ناشکری

(4) انسان اور حیوانات کی غذا کے سلسلے میں انسان کے احساسِ شکر گزاری کو بیدار کرنے کیلئے خدا کی نعمتوں کے ایک حصے کا بیان

(5) قیامت کے حادثات کا لرزہ پیدا کرنے والے حصوں کی طرف اشارہ مومنین اور کفار کا حال

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کی پہلی آیات یہ بتاتی ہیں کہ ان میں خدا نے کسی کو سرزنش کی ہے اور اس پر عتاب کیا ہے کہ اس نے کئی غنی افراد یا ایک امیر آدمی کو ایک ایسے نابینا فرد پر ترجیح دی جو نابینا تھا اور حق طلب کرنے آیا تھا۔ اب وہ شخص کون ہے جس پر یہ عتاب اور تنبیہ کی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ کی طرح اس سورۃ کے مخاطب بھی اللہ کے رسولؐ ہیں اور ترجمان قسم کے مفسرین نے اس کی بھی وہی تفسیر لکھ دی کہ یہ تنبیہ رسولؐ پر ہے اور نعوذ باللہ عتاب بھی ان پر ہے۔ تفسیر سے پہلے وہ واقعہ سن لیجئے جس کی بنا پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ جن میں عتبہ بن ربیعہ

ابوجہل، عباس ابن المطلب وغیرہ حضور کی خدمت میں حاضر تھے اور پیغمبر انہیں دعوت اسلام دے رہے تھے اور یہ امید کر رہے تھے کہ یہ باتیں ان کے دلوں پر اثر انداز ہو رہی ہیں چونکہ یہ یقینی بات تھی کہ اگر یہ سخت دل مشرک اسلام قبول کر لیتے تو دوسری قسم کے لوگوں کو بھی اسلام کی طرف لایا جا سکتا تھا اور اس گروہ کی مخالفت میں کمی سے اسلام کو استحکام حاصل ہو سکتا تھا۔ اس دوران ایک شخص عبداللہ ابن مکتوم جو نابینا اور مفلس تھے مجلس میں وارد ہوئے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے استدعا کی کہ وہ کچھ آیتیں قرآن کی انہیں سنائیں اور انہیں تعلیم دیں وہ مسلسل اس بات پر اصرار کیے جا رہے تھے اور خاموش نہیں ہو رہے تھے اس لیے کہ وہ یہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے کہ پیغمبر کن لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے میں مصروف گفتگو ہیں انہوں نے کلام پیغمبر کو اس قدر قطع Disturb کیا کہ پیغمبرؐ اسلام کے چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے آپؐ ان جاہل سرداروں کی ذہنیت سے واقف تھے کہ وہ یہ ضرور سوچیں گے کہ پیغمبر کے پیروکار نابینا اور غلام ہیں لہٰذا آپؐ نے عبداللہ ابن مکتوم کی طرف سے منہ پھیر لیا اور گروہ قریش کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھی تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اس واقعے کے بعد رسولؐ عبداللہ کا ہمیشہ احترام کرتے تھے اور ان کو دیکھ کر فرماتے کہ وہ شخص جس کی وجہ سے میرے پروردگار نے مجھے تنبیہ کی اس کے بعد ان سے کہتے کہ کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے کہ میں بہم پہنچاؤں۔ پیغمبرؐ نے دو دفعہ ان کو غزوات اسلامی کے سلسلے میں مدینے میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

تفسیر واقعہ:

اب حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر نظر ڈالیں تو وہ شخص عظیم اخلاق پر فائز ہے اس لیے آیات بظاہر رسولؐ سے مخاطب ہیں لیکن درحقیقت امت کے سبق کیلئے ہیں خاص طور پر اس وقت جس قسم کے جاہل بد اخلاق اور مغرور سردار رسولؐ کے سامنے موجود تھے یہ سبق ان کو دیا جا رہا تھا اور عتاب کا

خوف بھی ان کے سامنے دہرایا جا رہا تھا۔ اس کو یوں سمجھ لیں کہ ایک فلم میں اسکرپٹ کے مطابق کردار جو کچھ بول رہے ہوتے ہیں یا جیسی اداکاری کر رہے ہوتے ہیں درحقیقت وہ ان کا اصلی روپ نہیں ہوتا بلکہ اسکرپٹ رائٹر اور ڈائریکٹر نے جو رول اس کردار کو دیا ہوتا ہے وہ اسے ادا کر رہا ہوتا ہے کلام مجید اللہ کا اسکرپٹ ہے اور اس کا ڈائریکٹر بھی پروردگار خود ہے رسولؐ اس اسکرپٹ کے مرکزی ہیرو ہیں فلم سے جو پیغام یا سبق دیا جاتا ہے وہ اپنے دیکھنے اور سننے والوں کیلئے ہوتا ہے اسی طرح واقعات وحادثات اس اسکرپٹ میں بالکل اسی طرح موجود ہیں اور اللہ کا محبوبؐ ہیرو اپنے ڈائریکٹر سے جو تعلیم عالم نور سے لے کر آیا ہے وہ اس تعلیم کو امت تک منتقل کر رہا ہے اس لئے اس کا ہر عمل امت کو سبق دینے کے لئے ہے۔

آخری آیات میں پروردگار یہ بتا رہا ہے کہ ہم نے صرف انسانوں کی غذا کا ہی نہیں بلکہ حیوانات کی غذا کا بھی بندوبست کیا ہے ان کے لئے زمین پر چارہ اگایا' انسان کے لئے مینہ برسایا جس نے زمین میں داخل ہو کر اسے نرم کیا پھر اس میں سے اناج کے دانے کو اگایا غلے اور میوے پیدا کئے مگر اس پر بھی انسان ہمارا شکر گزار نہیں۔

پھر قیامت کے ذکر پر اس سورۃ کا اختتام ہوا ہے کہ جب وہ چنگھاڑ آ موجود ہوگی اس روز کوئی اپنے ماں باپ بھائی بہن کو نہ پہچانے گا وہ اولاد جس کے لئے انسان دنیا میں اتنے گناہ کرتا ہے اسے نیکی اور علم کی دولت کے بجائے مادی آسائشیں دینے کے لئے وہ حرام حلال کی' نیکی بدی کی تمیز کھو بیٹھتا ہے قیامت کے روز وہی اولاد اسے نہیں پہچانے گی اس کے عذاب سے اسے نہ بچا سکے گی۔

سورة نمبر ۸۱ آیات: ۲۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ التکویر

تعارف: اس سورۃ میں بھی پہلی ہی آیات میں تکویر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی لپیٹنے کے ہیں اس میں قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا جارہا ہے کہ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔

موضوع کی تفصیل:۔

اس سورۃ میں بھی قیامت کے آثار بتائے جارہے ہیں کہ جب سورج بے نور کر دیا جائے گا جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر چلیں گے وحشی جانور جمع ہو جائیں گے دریاؤں کا پانی آگ بن جائے گا پھر ہڈیوں میں جان ڈالی جائے گی اور مردے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر وہ زندہ درگور لڑکیاں جنہیں عرب پیدا ہوتے ہی دفن کر دیتے تھے ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے ماری گئی تھیں۔ آیت میں لڑکیوں سے سوال کا ذکر ہے ماں باپ سے نہیں تاکہ ماں باپ انکار نہ کردیں کیونکہ مظلوموں کی فریاد پہلے سنی جاتی ہے اور مظلوم لڑکیاں تھیں جو بغیر کسی جرم کے پیدا ہوتے ہی دفن کر دی جاتیں تھیں۔ لوگوں کے اعمال نامے کھلے ہوں گے' آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جو ان کی اصلیت ہوگی وہ سامنے آئے گی' دوزخ کی آگ بھڑکا دی جائے گی اور جنت کو متقی لوگوں سے قریب کر دیا جائے گا۔ پھر ستاروں کی قسم کھا کر کہا جارہا ہے کہ رات ختم ہوتی ہے اور صبح کی قسم جب وہ نمودار ہوتی ہے کہ بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کی زبانی رسول تک پہنچا ہے۔

قول رسول کریم سے مراد ہے کہ اس قرآن کا لانے والا جبرئیل جیسا فرشتہ ہے جو معمولی فرشتہ نہیں' بلکہ صاحب قوت ہے اور تمام فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں یعنی سب فرشتوں کا

سردار ہے۔ امانت دار ہے کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا جو پیغام اس کے ذریعے سے بھیجا جاتا ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا بلکہ جوں کا توں رسول تک پہنچا دیتا ہے اور رسولؐ نے اسے شب معراج دیکھ بھی لیا ہے' جانا پہچانا ہے۔ پس اس صورت میں تم رسول کو اگر دیوانہ کہو تو یہ تمہاری دیوانگی کی علامت ہے نہ کہ رسول کی۔

یہ شیطان مردود کا کلام نہیں جو اول فول ہو یہ تو نپا تلا صداقت آگیں کلام ہے۔ تمام عالموں کیلئے نصیحت۔ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اسے مانتے نہیں تم شیطان کے پجاری بن کر کہاں بھٹکے جا رہے ہو تمہارے چاہنے سے کچھ نہ ہو گا بلکہ ہو گا تو وہی جو خدا چاہے گا۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

(*چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۸۲

آیات: ۱۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ الانفطار

تعارف: اس کا آغاز بھی بالکل تکویر کی طرح ہو رہا ہے کہ "الانفطار" یعنی شگاف ڈالنا جب آسمان شگافتہ ہو جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے قیامت کی ہولناکی سے اس کا بھی آغاز ہو رہا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس میں بھی قیامت کے دن کے آثار سے آغاز کیا گیا ہے اور بات قبروں میں شگاف ڈالنے سے شروع کی گئی ہے کہ جب قبریں کھول دی جائیں گی اور لوگ ان سے باہر آ کر میدان حشر میں جمع ہوں گے اس روز انسان کو پتہ چلے گا کہ کیا کیا کام وہ اپنی زندگی میں کر چکا ہے اور کیا کیا کام اس سے چھوٹ گئے ہیں۔ اے انسان تجھے بخشش دلانے والے رب کے متعلق کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ تو نے اس کی عبادت چھوڑ دی اور اس کے احکام کی نافرمانی پر کمر باندھی وہ تو رب کریم ہے اگر تو اس سے معافی مانگتا تو وہ بخش دیتا مگر تُو تو اس سے منہ موڑے ہی رہا۔

تو ذرا بھی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ خدا نے تجھے کس طرح بنایا ہے تیری ساخت میں قدرت نے کیا کیا کرشمے دیکھائے ہیں کیسی زیبا صورت تجھے دی ہے اعضاء کے تناسب کے ساتھ تجھے کیسا حسین بنایا ہے تو اپنے دو ہاتھوں سے ہزار کام کر سکتا ہے مگر تو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے روز قیامت کو جھٹلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تو جو کچھ اس دنیا میں کر رہا ہے اس کا کوئی پوچھنے والا نہیں' تیرے کاموں کی کسی کو خبر ہی نہیں' اے بے خبر انسان ہم نے اپنے نگہبان فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تیرے کاندھوں پر بیٹھے تیرے اچھے برے اعمال لکھتے جا رہے ہیں اور یہی اعمال نامے روز قیامت ہر شخص کے گلے کا ہار ہوں گے' اور وہاں نیکوں کے لئے جنت ہوگی اور بدکاروں کے لئے جہنم نہ وہاں سے کوئی بھاگ سکتا ہے نہ کوئی کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

سورۃ نمبر ۸۳ آیات: ۳۶

مقام نزول: مکہ

سورۃ المطففین

تعارف: پہلی ہی آیات میں ویل للمطففین یعنی ناپ طول میں کمی کرنے اور ڈنڈی مارنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ مدینے کے اکثر تاجر جب کوئی چیز دوسروں سے لیتے تو ڈنڈی مار کر زیادہ لیتے اور جب اپنی چیز دوسروں کو دیتے تو کم ناپتے اور کم تولتے۔ اس کی شکایت جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپؑ نے بازار میں جا کر لوگوں کو آیات سنائیں اسی طرح امیر المومنین علی علیہ السلام بھی جب بازار میں جاتے تو دکانداروں کو ہدایت کرتے کہ کوئی کسی کو کم دے نہ زیادہ لے اور فرماتے کہ اس کا خمیازہ قیامت میں بھگتنا پڑے گا۔

اس سورۃ کا دوسرا مضمون اخلاق کے ساتھ عقیدہ آخرت کا تعلق نہایت موثر اور دل نشین طریقے سے بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کے نامہ اعمال پہلے ہی جرائم پیشہ لوگوں کے رجسٹر میں درج ہو چکے ہیں اور آخرت میں ان کو سخت تباہی سے دوچار ہونا ہے، پھر نیک لوگوں کا بہترین انجام بتاتے ہوئے آیت نمبر 18 سے 28 تک بہترین انجام بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ انکا نامہ اعمال بلند پایہ لوگوں کے رجسٹر میں درج ہو رہا ہے جس پر مقرب فرشتے مامور ہیں اور مہر لگی ہوئی شراب پلائی جائے گی۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ شراب جس برتن میں ہوگی وہ مہر لگا ہوا ہوگا یعنی کسی نے اس میں سے شراب نہ پی ہوگی وہ خالص جنت کی شراب طہور ہوگی جس سے خوشبو آتی ہوگی اور پھر تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی (تسنیم بہشت کا ایک چشمہ ہے جس کا پانی خوشبودار ہے خدا کے خاص مقرب بندوں کو اس کا پانی پلایا جائے گا)

آخری آیات میں اہل ایمان کو تسلی دی جارہی ہے کہ آج جو لوگ ایمان لانے والوں کی تذلیل کر رہے ہیں قیامت کے دن یہی مجرم لوگ اپنی اس روش کا بہت برا انجام دیکھیں گے۔

سورۃ نمبر۸۴ آیات: ۲۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ الانشقاق

تعارف: سورۃ انفطار کی طرح پہلی آیت میں آسمان پھٹنے' اس میں شگاف ہونے کا ذکر ہے اس لئے یہ نام ہوا۔ اسی طرح انشقاق بھی تقریباً اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے موضوع اس کا بھی قیامت ہے اور دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک وہ جن کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور دوسرے وہ جو بداعمال ہیں یہاں ان کے لئے بائیں ہاتھ کے بجائے پس پشت کہا گیا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

قیامت میں زمین کو ہموار کر کے بچھایا جائے گا' پستی بلندی ختم کردی جائے گی' زمین کے اندر جو کچھ خزانہ چھپا ہے وہ اسے نکال پھینکے گی' خالی رہ جائے گی اس کی مجال نہ ہوگی کہ اپنے رب کے حکم کے آگے دم مارے' انسان روز قیامت کی طرف بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے آخر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہو جائے گا۔

دنیا میں جو شخص اپنے بال بچوں کے ساتھ مگن رہتا تھا اور بھولے سے بھی خیال نہیں آتا تھا کہ اسے پلٹ کر خدا کے پاس جانا ہے۔

آخری آیات میں پھر اللہ تعالیٰ شام کی سرخی اور رات کی ان چیزوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں وہ ڈھانپ لیتی ہے اور چاند کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت میں تم ایک دن ضرور گرفتار ہوگے مرنے کے بعد تمہیں بہت سخت منزلوں سے گزرنا ہے' قبر کے سوال و جواب' برزخ میں قیامت تک رہنا پھر قبروں سے اٹھایا جانا' میدان حشر میں آنا' پل صراط سے گزرنا اور حساب کتاب ہونا۔

سورۃ نمبر ۸۵ آیات: ۲۲

مقام نزول: مکہ

سورۃ البروج

قلعوں والا سورہ

تعارف: پہلی ہی آیت میں برجوں والے آسمان کی قسم اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے' پھر تیسری آیت میں شاہد و مشہود کی بات ہورہی ہے اس کے بارے میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ہیں مگر اکثریت نے امام حسنؑ کے قول سے اتفاق کیا ہے کہ شاہد سے مراد حضرت رسولؐ خدا ہیں اور مشہود سے مراد روز قیامت ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کی آیت نمبر 11 تک اصحاب اخدود کا قصہ یہ ہے کہ خدا نے ایک حبشی پیغمبر بنا کر بھیجا ان کی ہدایت سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اس زمانے کا بادشاہ بت پرست تھا اس کو یہ بات ناگوار ہوئی اس نے پیغمبر سے کہا یا تو تم اور تمہارے ساتھی ہمارا دین قبول کرلو ورنہ میں تم سب کو جلادوں گا انہوں نے کہا کہ ہمیں جلنا منظور ہے مگر بت پرست ہونا منظور نہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک لمبی چوڑی خندق کھدوائی اور اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ لگادی جب آگ خوب بھڑکنے لگی اور انگارے بن گئے تو اس نے اعلان کردیا کہ جو ہمارے دین میں نہیں آنا چاہتا وہ اس آگ میں کود جائے ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔ چنانچہ مسلمان اس میں کودنے لگے ایک عورت کی گود میں تین ماہ کا بچہ تھا اسے اس بچے کی وجہ سے کچھ تامل ہوا تو بچہ بقدرت خدا گویا ہوا کہ اے ماں بے دھڑک اس میں کود جا' کچھ نہ ہوگا چنانچہ وہ کود پڑی اسی وقت ایک آندھی چلی جس نے وہ سب آگ اڑا کر بادشاہ اور اس کے لشکر پر ڈال دی جس سے وہ جل گئے۔

جن لوگوں نے مومنین و مومنات کو مصیبت میں ڈالا ان کے لئے عذاب جہنم کے علاوہ ایک

عذاب حریق (جلانے والا) بھی ہے یعنی پہلے وہ یہاں جلے مگر انہوں نے چونکہ ایمان والوں کو جلایا تھا لہٰذا اس کی سزا الگ دی جائے گی۔

وہ بچہ جس نے ماں کو آگ میں کودنے کیلئے کہا اور تین ماہ کے معصوم شیر خوار نے اپنے زمانے کے نبی کی صداقت کی گواہی دی اس نے لوگوں کو تعجب میں ڈالا اور بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ قدرت نے ہمیشہ معصوم ہستیوں کی گواہی بچوں سے ہی دلوائی ہے حضرت مریم کی پاکیزگی کی گواہی آغوش مادر میں ہی حضرت عیسیٰؑ نے دی حضرت یوسفؑ کی عصمت کی گواہی اس بچے نے دی جو خانہ زلیخا میں گہوارے کے اندر تھا مباہلہ کے میدان میں آیہ مباہلہ بتاتی ہے کہ جب آپ یہودیوں کے چیلنج پر مباہلہ کے میدان میں رسالت کی گواہی دلوانے چلے تو حضرت امام حسینؑ آپ کی گود میں تھے اور امام حسنؑ آپ کی انگلی پکڑے آگے چل رہے تھے۔ یعنی رسالت کی گواہی دینے والے دو بچے تھے آپؐ نے جب سب سے پہلے دعوت ذوالعشیرہ میں اسلام کی پہلی دعوت دی تو آپؐ پر سب سے پہلے ایک دس برس کا بچہ ایمان لایا اور اس کم سن بچے کا نام تھا علی مرتضیٰ۔

سورۃ کے آخر میں کہا جارہا ہے کہ یہ منکر کافر خدا کی پکڑ کو ابھی سمجھے ہی نہیں۔ فرعون اور نمرود کے پاس کتنی بڑی سلطنت تھی کتنے بڑے بڑے لشکر تھے مگر کیا وہ خدا پر غالب آگئے تھے جو یہ کفار غالب آجائیں گے یہ جھٹلانے والے تو جھٹلاتے رہیں گے مگر خدا تو ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے یہ بچ کر کہاں جائیں گے یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ثبت ہے اس میں کوئی تبدیل نہیں ہوسکتی۔

سورۃ نمبر ۸۶ آیات: ۱۷

مقام نزول: مکہ

سورۃ الطارق

تعارف: پہلی ہی آیت میں الطارق کی قسم ہے یعنی رات کو نمودار ہونے والے تارے کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

پہلے رات کو نمودار ہونے والے تارے کی قسم کھائی جا رہی ہے پھر نجم الثاقب جس سے مراد صبح کا چمکدار ستارہ ہے جس کی روشنی سب ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ہر نفس پر ایک نگہبان فرشتہ رہتا ہے جو اس کو ضائع ہونے سے بچاتا رہتا ہے۔ انسان کو اس کی غفلت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ذرا سوچیے تو کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اس اچھلنے والے مادے سے جو اس کی پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے یعنی بدن کی رگ رگ سے کھینچ کر دماغ میں جاتا ہے قدرت کی ان پیچیدہ ترکیبوں کو بھلا کون سمجھ سکتا ہے۔

اگر انسان کی بے احتیاطی سے اس نظام بدن میں ذرا سا خلل پڑ جائے تو اس کی جان پر آ بنتی ہے تو پھر جو یہ نظام قائم رکھے ہوئے ہے اور اسے بگاڑنے پر بھی قادر ہے وہ اس کو دوبارہ ایسا ہی جسم بنا دینے پر بھی قادر ہے اور ایسا قیامت میں ہوگا جہاں انسان کے اعمال ظاہر کر دیے جائیں گے وہاں نہ تو کسی انسان کا کچھ زور چلے گا نہ وہاں کوئی اس کا مددگار ہوگا۔

پھر آسمان و زمین کی قسم کھا کر کہا جا رہا ہے کہ بے شک قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے یہ لغو باتیں نہیں ہیں اس کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ یہ کفار اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی تدبیروں میں لگے ہیں' میں بھی ان کو ذلیل و خوار کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔ اے رسولؐ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو پھر دیکھنا ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

سورۃ نمبر ۸۷ آیات: ۱۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ الاعلیٰ

تعارف: پہلی آیت میں رب الاعلےٰ کی تسبیح کا حکم ہوا ہے اس لئے الاعلیٰ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اللہ کی تسبیح ان ہی ناموں سے کی جائے جو اس قرآن میں مذکور ہیں اپنی طرف سے کوئی نام نہ بنالیا جائے۔ خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اس کا اندازہ کسی مخلوق کے متعلق غلط نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز شروع سے آخر تک ایک ہی صورت و حالت میں باقی ہے اس میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنی مصلحت سے پہلے گھاس کو زمین سے نکالتا ہے تاکہ جانوروں کے لئے چارہ بنے پھر اس کو سکھا کر کوڑا کرکٹ بنادیتا ہے تاکہ وہ کھاد کے کام آئے۔ اے رسولؐ ہم تم کو قرآن اس طرح پڑھائیں گے کہ تم اس کو بھولو گے نہیں اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔

جن لوگوں کے یہاں یہ روایت ہے کہ حضورؐ ایک بار نماز میں ایک آیت بھول گئے تھے وہ خلاف عقل ہے جو رسولؐ ایک آیت بھول سکتا ہے وہ کئی آیتیں بھی بھول سکتا ہے ایسے رسول کی طرف سے امت تک صحیح قرآن پہنچانے کا اعتماد کیسے کیا جاسکتا ہے۔

خدا قرآن میں صاف صاف کہہ رہا ہے کہ ہم اس طرح پڑھائیں گے کہ بھول سکتے ہی نہیں دیکھئے (آیت نمبر 7) اور بخاری کی روایت کہتی ہے کہ بھول گئے تھے تو اب قرآن کو مان لیں یا بخاری کی حدیث مان لیں فیصلہ آپ کی عقل و فہم پر ہے۔

اگلی آیات میں کہا جارہا ہے کہ دوزخ کی زندگی ایک عجیب زندگی ہوگی نہ تو دوزخی کو موت ہی آئے گی اور نہ اس کا شمار زندوں میں ہوگا وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہے گا ایسا نہ ہوگا کہ مر کر اس کی جان چھوٹ جائے۔ دوزخ کی آگ سے زیادہ تیز آنچ والی آگ ہوگی ہی نہیں اس سے صرف وہ

لوگ نجات پاسکیں گے جنہوں نے اپنا دل کفر ونفاق سے پاک کیا ہوگا۔ بے شک یہی بات ابراہیمؑ اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔

اب پچھلے انبیاء کی کتابوں اور صحیفوں کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ سب اللہ نے بھیجی ہیں ایک ہی احکام ہیں مگر کچھ امتوں نے احکام بدل ڈالے اور کچھ احکام پر عمل نہیں کرتیں۔

حضرت ابوذرؓ غفاری سے روایت ہے کہ کل انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں تین ہزار تیرہ رسول صاحب کتاب ہیں۔ چار ہزار صحیفے خدا نے نازل کئے بعض رسولوں کو کئی کئی صحیفے عطا ہوئے۔ عرب میں چار پیغمبر ہوئے حضرت صالح علیہ السلامؑ حضرت شعیب علیہ السلامؑ حضرت ہود علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ الحجرات ۹:۴۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (سورۃ التوبہ ۹:۱۱۹)

سورۃ نمبر ۸۸ | آیات: ۲۶
مقام نزول: مکہ

سورۃ الغاشیہ

تعارف: پہلی ہی آیات میں صحرائی ریگستان کے مشاہدات کا حوالہ دیا جارہا ہے کہ کیا تم اس مصیبت سے واقف ہو جب تم طوق و زنجیر میں بندھے ہو گے بہت سے چہرے ذلیل و رسوا ہوں گے۔

موضوع کی تفصیل:

جو لوگ قیامت کے دن کے منکر ہیں کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں بے تحاشہ چیزیں ان کے سامنے تھیں ان کو کس نے بنایا ہے وہ اونٹ جس پر ان کی زندگی کا بڑا دارو مدار ہے جس کے ذریعے سے وہ تپتے ہوئے ریگستانوں کو طے کرتے ہیں بڑے بڑے بھاری بوجھ اس کی کمر پر لادتے ہیں اس کے دودھ کو غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں آخر ایسا مفید جانور کس نے بنایا ہے۔

چونکہ قرآن سرزمین عرب کے باشندوں پر اترا ہے جو صحرائی ریگستان کہلاتا تھا اس لئے ریگستان کی زندگی کا حوالہ دیا جارہا ہے۔

پھر کہا جارہا ہے کہ قیامت کے روز جہاں بہت سے چہرے ذلیل و رسوا ہوں گے وہاں چند چہرے بہت تر و تازہ ہوں گے وہ ان کی اس کوششوں کا نتیجہ ہوگا جو انہوں نے دنیا میں کی ہوگی اور ایمان پر قائم رہنے کے باعث لوگوں کی بے سروپا اور بیہودہ گفتگو بھی سنی ہوگی مگر روز قیامت جنت میں انہیں کوئی لغو بات سننے کو نہ ملے گی جبکہ اہل دوزخ کو کھولتے ہوئے چشموں کا پانی پلایا جائے گا اور کھانے کیلئے خاردار جھاڑی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

جس نے ان حقائق سے منہ پھیر لیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

سورۃ نمبر ۸۹ | آیات: ۳۰

مقام نزول: مکہ

سورۃ الفجر

تعارف: چونکہ فجر یعنی صبح کے وقت کی قسم سے سورے کو شروع کیا گیا ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کی آیات کے آغاز ہی میں فجر یعنی صبح اور دس راتوں کی قسم کھائی جارہی ہے مفسرین نے صبح اور دس راتوں اور تہجد کی نمازیں شفع و وتر میں بڑا اختلاف کیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ جن کی تفسیر کو عالمی اعتبار حاصل رہا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ والفجر سے مراد محرم کی صبح ہے اور دس راتوں سے مراد یکم سے دس محرم ہے اور اس میں ان دنوں کی بزرگی پر تنبیہ ہے جس میں یوم عاشورہ بھی شامل ہے جبکہ کچھ علماء نے کہا ہے کہ مراد محرم کی فجر اور دس راتوں کا مطلب دسویں رات محرم یعنی یوم عاشورہ ہے اور شفع و وتر سے مراد شب عاشور کی نماز شب ہے جو کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے تمام رات جاگ کر عبادت خدا میں بسر کی اور اس میں نماز تہجد ادا کی۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ دشمن کے چڑھ آنے کا ہر وقت خوف ہو اتنی دلجمعی سے نمازیں پڑھنا اور بالخصوص نصف شب کے بعد نماز تہجد ادا کرنا ضرور اس اہمیت کا حامل ہے کہ اس کا ذکر قرآن کرے چونکہ یہاں دین اسلام کو قرآن و سنت رسول کو بچانے کا مرحلہ درپیش تھا اس لئے قرآن نے اس کی پیش گوئی پہلے ہی کر دی تھی کہ اس دین پر ایسا بھی وقت آئے گا جب رسولؐ کے وارث اس دین کو بچانے کے لئے شہادت سے پہلے ایسی عبادت کریں گے۔

آگے کہا جارہا ہے کہ "عقلمند کے لئے تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔" اور کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اونچے ستونوں والے عاد و ثمود کی قوم کے ساتھ جن کے برابر کوئی قوم دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔ عاد ایک شخص اولاد نوحؑ میں سے تھا جو اس قوم کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا

یہ عاد اولیٰ کہلاتے تھے بڑی طاقتور قوم تھی اور فن تعمیر میں مہارت رکھتی تھی اس نے پہاڑوں میں پتھر کاٹ کر اونچے اونچے ستونوں پر عالی شان مکانات بنائے تھے اس لئے ان کو ذات العماد یعنی ستونوں والا کہا گیا ہے۔ یہ شخص عاد حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں سے تھا اس کے دو بیٹے تھے شداد و شدید۔ شدید کے مرنے کے بعد شداد تمام ملکوں کا بادشاہ بن گیا اور اپنی بنائی ہوئی جنت ''شداد کی جنت'' کے نام سے معروف ہوا۔

اب شداد کی جنت اور اس کا انجام سنئے' شداد کے ماتحت چار سو بادشاہ اور سینکڑوں وزیر مشیر تھے آخر اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اس وقت کے پیغمبرؑ نے جب اس کی ہدایت کرنا چاہی تو اس نے کہا ایمان لانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ پیغمبرؑ نے کہا خدا تجھے بہشت دے گا اس نے پوچھا بہشت کیا ہے؟ پیغمبرؑ نے جب بہشت کا تعارف کرایا تو وہ بولا ایسی جگہ تو میں خود بنوا سکتا ہوں۔ غرض اس نے بہشت بنوائی اور جب اسے دیکھنے چلا اور دروازے کے قریب پہنچا تو ایک چیخ کی آواز سنی اور ایک خوفناک صورت اس کو نظر آئی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ملک الموت ہیں اور اس کی روح قبض کرنے آئے ہیں۔ اس نے کہا اتنی مہلت دو کہ باغ کو دیکھ لوں ملک الموت نے کہا اجازت نہیں۔ غرض اس کا ایک پاؤں چوکھٹ کے اندر تھا اور ایک باہر کہ اس کی روح قبض ہوگئی۔ باغ اسی وقت لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوگیا۔

قوم ثمود جس کی ہدایت کو جناب صالحؑ بھیجے گئے تھے فن سنگ تراشی میں کمال رکھتی تھی اور اس کے ساتھ سرکش بھی تھی انہوں نے پتھروں پر تصاویر کندہ کی ہوئی تھیں' جابجا فساد برپا کر رکھتے تھے' بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے' ظلم وستم پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ آخر خدائی عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اس کے بعد انسان کی حالت بیان ہوتی ہے کہ خدا جب اسے رزق دیتا ہے' عزت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے عزت دی ہے لیکن جب مفلس ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اللہ نے اسے کیوں ذلیل کیا۔ کیوں سزا دی اس لئے کہ وہ خدا کے غریب بندوں پر رحم نہیں کھاتا۔ حرام میراث کھاتا تھا' مال کی محبت میں مبتلا تھا

حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بھولا ہوا تھا اس کے نزدیک عزت کا مطلب مال اور اقتدار تھا۔ جو حقدار تھے ان کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیتا تھا۔

آخری آیات میں پھر انسان کو قیامت یاد دلائی جا رہی ہے وجاء ربک کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ "خدا آئے گا" لیکن خدا ہماری طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے والا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی عظمت وجلال کے آثار ظاہر ہوں گے۔

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو (یعنی خلیفہ ہو یا امیر)* تو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے"

(حدیث نبوی)

*(چاہے وہ عوامی نمائندہ ہو یا سرکاری افسر)

سورۃ نمبر ۹۰ آیات: ۲۰

مقام نزول: مکہ

سورۃ البلد

تعارف: شروع میں ہی بلد یعنی اس شہر کی قسم کھائی گئی ہے (عربی میں بلد شہر کو کہتے ہیں) یہاں شہر کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

یہاں اللہ تعالیٰ اس شہر مکہ کی قسم کھا رہا ہے جہاں اس کا گھر خانہ کعبہ ہے اور جہاں اے رسول تم چل پھر رہے ہو حالانکہ تمہارے بے شمار دشمن اور خون کے پیاسے ہیں لہٰذا اس کا ذکر ہونا چاہیے جس باپ اور اولاد کو ہم نے تمہاری حفاظت پر معمور کیا ورنہ تم قتل کر دیے جاتے۔ اگرچہ ان آیات میں مکہ کا نام وضاحت سے نہیں آیا لیکن ایک طرف تو یہ سورہ مکی ہے اور دوسرے مقدس شہر کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد مکہ ہی ہے۔ یقیناً سرزمین مکہ کی شرافت اور عظمت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ خدا اس کی قسم کھائے کیونکہ توحید اور پروردگار کی عبادت کا پہلا مرکز یہی بنایا گیا اور عظیم پیغمبروں نے اس گھر کے گرد طواف کیا ہے لہٰذا پروردگار اس مکہ کی قسم اس لئے بھی کھا رہا ہے کہ کفارِ قریش نے اس کی جنگ کی۔ لہٰذا یہ ان کے لئے سرزنش اور شدید تنبیہ ہے کہ تم جو خود کو حرم مکہ کا خادم اور محافظ سمجھتے ہو اور اس سرزمین کے احترام کے اس حد تک قائل ہو کہ اگر تمہارے باپ کا قاتل بھی اس میں آ جاتا تو وہ بھی امان میں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مکہ کے درختوں کا چھلکا بھی لے کر اپنے بدن سے باندھ لیتا تو وہ بھی اس کی وجہ سے امان میں ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان تمام آداب کو پیروں تلے روند ڈالا اور آپ کے اور آپ کے اصحاب واہلبیت کے بارے میں ہر قسم کے آزار اور اذیت کو جائز سمجھا' یہاں تک کہ آنؐ کے خون کو بھی مباح سمجھنے

لگے۔ اب تیسری آیت میں مزید اللہ تعالیٰ قسم کھا رہا ہے باپ اور اس کے بیٹے کی (وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ) اس بارے میں یہ باپ اور بیٹے سے مراد کون ہیں' کی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔

(1) پہلی تفسیر یہ ہے کہ "والد" سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور "ولد" سے مراد حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ ہیں اور چونکہ گزشتہ آیات میں مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کعبہ اور شہر مکہ کی بنیاد رکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے' یہ تفسیر مناسب نظر آتی ہے خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے فرزند کی حیثیت سے زیادہ اہمیت کے قائل تھے اور ان پر فخر کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے اپنا نسب ان دونوں تک پہنچاتے تھے اور دین اسلام دراصل دینِ ابراہیم ہی ہے۔

(2) تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت میں سے جو پیغمبر اور انبیاء معبوث ہوئے وہ مراد ہیں۔

(3) ایک چوتھی تفسیر اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہے کہ کفار قریش کعبہ اور مکہ کی حرمت کو جانتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو اذیتیں پہنچا رہے تھے جبکہ وہ تبلیغ اسلام اور اعلان نبوت سے پہلے انہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امین مانتے تھے انہیں صادق کے لقب سے حرمت و عزت دیتے تھے بالکل کعبہ اور مکہ کی طرح۔ اس کے باوجود وہ اس حرمت کو بھلا کر انہیں تکلیفیں پہنچا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ یہاں باپ سے مراد حضرت ابو طالب علیہ السلام اور ان کے بیٹے سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں چونکہ مکہ کی ابتدائی زندگی میں چچا حضرت ابو طالب علیہ السلام نے اپنے بھتیجے کی حفاظت کی اور آگے چل کر جس نے خطرات سے بچایا وہ ان کے بیٹے حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں یعنی مکہ میں پہلے تم باپ کے ساتھ چلے پھرے اور پھر فتح مکہ کے بعد بیٹے علی علیہ السلام کے ساتھ چلے پھرے۔

اب آگے ذکر ہو رہا ہے کہ "ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔" یعنی یہ دنیا چونکہ ایک امتحان ہے ہر انسان کے لئے' لہٰذا وہ یہاں کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نظر آتا ہے خواہ وہ

محنت کسب معاش کے لئے ہو یا تربیت اولاد کی مشقت ہو یا خود ہجوم امراض بادشاہ سے لے کر فقیر تک ہر دل میں کوئی نہ کوئی کانٹا کھٹکتا رہتا ہے۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایسا طاقتور ہے کہ کسی کو اس پر قابو نہیں بڑے فخر سے اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لئے کہتا ہے کہ میں نے لاکھوں روپیہ فلاں فلاں بات کے لئے اڑا دیا لیکن اسے اس کا پتہ نہیں کہ جس طرح یہ مال اڑایا ہے خدا کو ایک ایک پائی خرچ کرنے کی خبر ہے' کیا اس کے پاس آنکھیں نہ تھیں کہ اسراف کرنے والوں کا انجام دیکھتا کیا زبان نہ تھی کہ حق بات کا اظہار کرتا۔ ہم نے تو اسے اچھا برا دونوں راستے دکھا دیئے تھے پھر اس نے غلط راستہ کیوں اختیار کیا اس نے اتنا مال اڑا دیا مگر بھوکے اور یتیموں اور محتاجوں کی خبر نہ لی ان کے لئے کوڑی صرف نہ کی۔ عیاشی میں روپیہ لٹاتا رہا بس قیامت میں اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی غلط کاری اور غلط فہمی کی سزا کیا ہے۔

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ
بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے

(سورۃ الانفال ۸:۲۲)

جو تبادلہ خیال (Loud Thinking) نہیں کر سکتے جو
مشورہ نہیں چاہتے اور جو تنقید برداشت نہیں کر سکتے
یہ وہ گونگے بہرے لوگ ہیں

(A management guru)

Path of destruction

سورۃ نمبر ۹۱ آیات: ۱۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ الشمس

تعارف : پہلی قسم شمس یعنی سورج کی ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ پورے قرآن میں اپنی تخلیقات کی قسم کھا کر بات کر رہا ہے اور قسم کس کی کھائی جاتی ہے اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ خدا کی قسم کھاتے ہیں۔ رسولؐ کی قسم کھاتے ہیں قرآن کی قسم کھاتے ہیں پھر زیادہ یقین دلانے کے لئے اپنے عزیز ترین لوگوں کی عموماً اپنے بچوں کی قسم پر یقین کر لیا جاتا ہے کہ بھلا اپنے بچوں کی یا ماں باپ کی جھوٹی قسم کیوں کوئی کھائے گا چونکہ اولاد سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ بھی اپنی تمام بے جان اور جاندار تخلیق کی قسم کھا رہا ہے چونکہ وہ سب کا خالق ہے اور اپنی ہر تخلیق سے پیار کرتا ہے مگر سب سے زیادہ پیار انسان سے کرتا ہے اسے اس نے اشرف المخلوقات کہا ہے اور اس کی آسانیوں کے لئے اس کو پیدا کرنے سے پہلے یہ نعمتیں اس کے لئے تخلیق کر دی ہیں آسمان' زمین' بادل' برسات' سورج' چاند' ستارے' مویشی تو اس نے اپنے اس سب سے عزیز اور پیارے بچے انسان کو اتنی نعمتیں دینے کے بعد اس سے کچھ توقعات بھی رکھی ہیں کہ اسے عقل دی وہ عقل و فہم کو استعمال کرے کہ اس کا خالق کون ہے اور وہ خالق بار بار اپنی عزیز تخلیقات کی قسم کھا رہا ہے کہ دیکھو یہ میری کتاب ہے یہ میرا پیغمبرؐ ہے جو تمہیں نیک راستوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

یہ قسم کھانے کے بعد کہا جا رہا ہے کہ نفس کی توبہ اس لئے رکھی ہے کہ اس کے جسم کو ایسے اعضاء جو زندگی کے کام کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں اور پھر حواس اور عقل دے کر دنیا میں بالکل بے خبر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ایک فطری الہام کے ذریعے سے اس کے لاشعور میں نیکی اور بدی کا

فرق برے اور بھلے کا امتیاز خیر اور شر کی تمیز رکھی گئی ہے تو وہ سوچے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو پاک بنالیا یعنی بری باتوں کی طرف راغب نہ ہوا اس کو دنیا میں بھی بھلائی حاصل ہوگی یعنی وہ لوگوں کی نظر میں بھی عزیز رہے گا اور آخرت میں بھی اس کو اپنے اعمال حسنہ کا بدلے ملے گا اور جس کے نفس نے بدکاریوں سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا اسے دونوں جہان میں نقصان اٹھانا پڑے گا۔

سورۃ کے اگلے حصے میں قوم ثمود کی سرکشی اختیار کرنے کی بات کی جارہی ہے جو اونٹنی حضرت صالحؑ کی دعا سے بطور معجزہ پہاڑ سے نکلی تھی اس کی قدر نہ کی اور اسے ہلاک کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا عذاب ان پر آیا اور وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

اگر اہل ایمان میں سے ۲ دو گروہ آپس میں لڑجائیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرادو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورۃ الحجرات ۴۹:۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (سورۃ التوبہ ۹:۱۱۹)

سورۃ نمبر ۹۲ — آیات: ۲۱

مقام نزول: مکہ

سورۃ الیل

تعارف : پہلی ہی قسم اس سورۃ میں ''لیل'' یعنی رات کی ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کی شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاری کے گھر میں خرمے کا ایک درخت تھا جس کی کچھ ٹہنیاں ایک ہمسائے کے گھر میں جھک پڑی تھیں جو عیالدار محتاج تھا جب انصاری خرمے توڑنے جاتا اور ایک آدھ گر پڑتا تو ہمسایے کے بچے اسے اٹھالیتے وہ بدبخت جا کر فوراً ان سے چھین لیتا یہاں تک کہ بعض اوقات بچوں کے منہ سے نکال لیتا' ہمسایے کو اس کا بہت دکھ ہوا اور اس نے رسولؐ خدا سے اس بات کا گلہ کیا کہ اسلام تو ہمسایے کے حقوق اور اخلاقیات کی کیا تعلیم دیتا ہے اور یہ شخص مسلمان ہو کر بھی اس تعلیم کو آپ کی زندگی میں ہی بھول گیا ہے۔ آپؐ نے اس انصاری کو بلا کر فرمایا کہ اگر تو اس درخت کو جنت کے خرمے کے درخت کے بدلے بیچے تو میں لیتا ہوں۔ اس نے انکار کیا ایک صحابیؓ جن کا نام زیادہ تر رواتیوں میں مسیم تمار ہے (تمار بھی عربی میں خرمے یعنی کھجور کو کہتے ہیں) ان صحابیؓ کے سب سے زیادہ خرمے کے درخت تھے اس لئے مسیم ان کا نام تھا اور تمار لقب انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر میں اس درخت کو خریدلوں تو مجھے جنت کا درخت اس کے عوض مل سکتا ہے آپؐ نے فرمایا ضرور ملے گا۔ غرض ان صحابیؓ نے چالیس درخت کی قیمت کے بدلے اس درخت کو خرید لیا اور لوگوں کو گواہ کرلیا تب حضورؐ نے وہ درخت ہمسایہ کے حوالے فرمایا اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں صفت مقابلہ اس خوبی سے لائی گئی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فاما من اعطیٰ . واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ

وامامن بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری

یعنی عطا کے مقابلے میں بخل ہے' تقویٰ کے مقابل اس سے بے پروائی ہے' نیکی کی تصدیق کے مقابلے میں اس کا جھٹلانا ہے' یسرہ کے مقابل عسرہ ہے اور یسریٰ کے مقابلے میں عسریٰ ہے' مطلب یہ ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے اور احکام اسلام کی تصدیق کرتا ہے خدا اسے بہت جلد مالدار بنا دیتا ہے اور جو کوئی بخل سے کام لیتا ہے اور احکام اسلام کی تصدیق نہیں کرتا تو عسرت وتنگدستی بہت جلد اسے گھیر لیتی ہے اور جب موت کا وقت آ لگتا ہے تو پھر اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا وہ یوں ہی خالی ہاتھ دنیا سے چلا جاتا ہے اور دوسرے اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں دوزخ کی آگ میں وہی بدبخت جلے گا جس نے آیات خدا کو جھٹلایا ہوگا اور رسولؐ کی ہدایت سے منھ پھیر لیا ہوگا اور اصل نیکی تو وہی ہے جو بدلے کی امید میں نہ کی جائے۔

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے

(سورۃ الانفال ۸:۲۲)

جو تبادلہ خیال (Loud Thinking) نہیں کر سکتے جو مشورہ نہیں چاہتے اور جو تنقید برداشت نہیں کر سکتے یہ وہ گونگے بہرے لوگ ہیں

(A management guru)

Path of destruction

سورۃ نمبر ۹۳

آیات: ۱۱

مقام نزول: مکہ

سورۃ الضحیٰ

تعارف: پہلی ہی قسم ضحیٰ کی ہے جو دھوپ چڑھنے کے وقت کی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ کی شان نزول یہ ہے کہ ایک بار چند روز کے ملئے مصلحت خداوندی سے وحی بند ہوگئی اس پر کافروں اور منافقوں نے طعنہ زنی شروع کی کہ محمدؐ کا رب محمدؐ سے خفا ہو گیا۔ ام جمیل زوجہ ابولہب نے تو یہاں تک کہا کہ (نعوذ باللہ) کہ محمدؐ تمہارا وہ شیطان کہاں گیا معلوم ہوتا ہے تمہیں چھوڑ بھاگا' اب تم بھی اپنی پیغمبری سے باز آؤ۔ یہ باتیں سن کر حضورؐ کو بڑا صدمہ ہوا اس پر خدا نے حضورؐ کو تسلی دی اور یہ آیات نازل کیں اور یہ بتایا کہ خدا نے نہ تو تم کو چھوڑا ہے اور نہ تم سے ناراض ہے عنقریب تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے اس طرح پورا کیا کہ تمام ملک عرب پر آپ کا قبضہ ہو گیا۔

اگلی آیات میں خدا اپنے رسول کو دلاسہ دے رہا ہے کہ محمدؐ کیا تمہیں نہیں یاد کہ جب تم یتیم تھے کوئی تمہارا پوچھنے والا نہ تھا تو ہم نے تمہیں ابوطالبؓ کی پناہ میں دے کر تمہاری کیسی حفاظت کی تمہیں اپنے احکام سے ناواقف پا کر تمہیں منزل مقصود تک پہنچا دیا یعنی قرآن نازل کر کے سب کچھ بتا دیا' تم تنگدست تھے خدیجہؓ سے شادی کر کے تمہیں مالدار بنا دیا پس کیسے ممکن ہے کہ اب ہم تمہیں چھوڑ دیں ہاں اب تم امت کو ہدایت کرو کہ کسی یتیم کو نہ ستائیں اور کسی سائل کو جھڑکیں نہیں اور اپنے رب کا ذکر کرتے رہیں۔

سورۃ نمبر ۹۴

آیات: ۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ الم نشرح

تعارف: اس سورۃ میں اللہ اپنے رسولؐ سے کہہ رہا ہے کہ الم نشرح لک صدرک یعنی کیا ہم نے تمہارے سینے کو کشادہ نہیں کر دیا اور اُتار اس بوجھ کو آپ پر سے جو آپ کی پیٹھ کو توڑے دیتا تھا۔ سینہ کشادہ کرنے کا مطلب ہے اس پریشانی کا دور کرنا کہ یہ اسلام کی مہم کس طرح آگے بڑھے کہ آپ اس عظیم کام کے لئے بغیر کسی پس و پیش کے کھڑے ہو جائیں جس میں پورے ماحول اور معاشرت سے ٹکرانا تھا۔

موضوع کی تفصیل:

بعض ترجمہ نگاروں نے جن کو مفسر کہا جاتا ہے اس آیت کی تشریح یہ کی ہے کہ بعثت سے قبل جبریل امیں حضورؐ کی خدمت میں آئے اور حضورؐ کو زمین پر لٹا کر آپ کا سینہ چاک کیا اور پھر آپ کا دل نکال کر چیرا اور اس میں جو سیاہ نکتہ تھا جس سے انسان گناہ کرتا ہے اسے نوچ کر باہر کیا اور پھر دل سینہ میں رکھ کر مرہم پٹی کر دی یعنی ٹھیک کر دیا۔ یہ روایت اور ''ترجمہ نما تفسیر'' رسولؐ خدا کی شان میں کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ کوئی بھی صاحب علم جو دین اور پیغمبروںؑ کے درجات کو سمجھتا ہو اس کے لئے اس روایت کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ ایسے ترجمے کرنے والے ای قرآن کی سورۃ طہٰ کی 25 اور 26 آیات پڑھ لیں کہ جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے نبوت کے منصب پر فائز کیا تو انہوں نے کہا میرے رب میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے اسے میرے لئے کھول دے اور میرا کام آسان کر دے ''رب انشرح لی صدری ویسری امری'' شرح صدر کے معنی یہ کہ آدمی کا حوصلہ بلند ہو جائے اور کسی بھی بڑی سے بڑی مہم پر جانے میں اسے کوئی تامل نہ ہو تو کیا وہاں بھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ فرشتے نے یہی عمل کیا تھا۔

سینہ کو کشادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دل کی تنگی جو ہجوم غم سے پیدا ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔ حضورؐ کے سپرد چونکہ بڑا کام تھا دشمنوں کے ہجوم میں ایک بے کس اکیلے آدمی کی جتنی مصیبتیں نہ ہوں کم ہے' مگر خدا نے ان کو ایسا کشادہ دل دے دیا کہ پھر کسی غم کی پروا نہ رہی۔

پھر کہا جا رہا ہے کہ اے محمدؐ ہم نے تمہارے بوجھ کو اتار دیا جو تمہاری کمر توڑ رہا تھا کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے فرائض کو تم سے واپس لے لیا گیا ایسا تو نہیں ہوا پھر کیا مطلب ہے اس آیت میں وزراء کے معنی بوجھ کے ہیں اور ''وزیر'' اسی سے بنا ہے یعنی ''بوجھ بٹا لینے والا''۔ وزیر اسی لئے بنائے جاتے ہیں کہ سلطنت کے امور میں مددگار ثابت ہوں لہٰذا آپؐ نے حضرت علیؑ کو جب کمسنی میں دعوت ذوالعشیرہ کے وقت ہی ساتھی اور وزیر بنا لیا تو آخری سانس اور آپؐ کی رحلت کے بعد بھی وہ ساتھی و وزیر دین اسلام کا محافظ ہی رہا اور تمہارے ذکر کو ایسا بلند کر دیا کہ ملک عرب کے خطے میں ہر اذان میں نماز میں تمہارا ذکر کیا جائے گا اور پھر عرب ہی پر کیا دنیا کے جس جس حصے میں مسلمان آباد ہیں' مسجدیں موجود ہیں' وہاں اللہ اور محمدؐ کا نام اذان میں گونجتا ہے۔ مشکل کے ساتھ آسانی کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ گھبراؤ مت تمہارے ساتھ مسلمان آسانی کی صورت میں ہیں اور کفار و مشرکین و منافقین مشکل کی صورت میں' مگر ایسا بھی وقت آنے والا ہے کہ یہ مشکلات آسانیوں میں بدل جائیں گی۔

سورۃ نمبر ۹۵ — آیات: ۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ التین

انجیر والی سورہ

تعارف: چونکہ پہلی ہی قسم (تین) یعنی انجیر کی کھائی گئی ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں یعنی زیتون اور انجیر (تین) اور شہر مکہ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت اور اخلاق وعادات والا بنایا ہے لیکن وہ اپنی غفلت سے گرتے گرتے پستی کی طرف اتنا جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر پستی نہیں رہتی۔ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوتا چلا جاتا ہے وہ انسانیت سوز اور شرمناک کام کرتا ہے ایسے ایسے ظلم کرتا ہے کہ انسانیت شرما جائے۔ ہم نے اسے بنایا تھا کیسا اور وہ بن جاتا ہے کیسا۔ تو جو لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہو جاتے ہیں ان کی سزا روز قیامت جہنم میں جھونک دینے کے سوا کچھ نہیں۔

ہاں جو لوگ ایمان لانے والے اور عمل صالح بجالانے والے ہوں گے خدا کے نزدیک ان کا بے حساب اجر ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ جزا اور سزا کو روز قیامت کیسے جھٹلایا جائے گا جبکہ انسانوں کی دونوں حالتیں نظر کے سامنے ہوں گی۔ کیا بد انسان کو سزا نہ ملنی چاہیے ضرور ملنی چاہیے' کیا نیک انسان کو اچھا بدلہ نہ ملنا چاہیے ضرور ملنا چاہیے' پھر روز قیامت سے انکار کیسا اور خدائی فیصلہ سے بچنا کیا معنی رکھتا ہے۔

سورۃ نمبر ۹۶ — آیات: ۱۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ العلق

تعارف: "اقرا باسم ربک الذی خلق" اے رسولؐ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو۔

موضوع کی تفصیل:۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے حضورؐ پر یہی آیت نازل ہوئی اور حضرت جبرئیلؑ نے رسولؐ سے کہا کہ پڑھ تو حضورؐ نے فرمایا میں تو پڑھنا ہی نہیں جانتا۔ آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے حضورؐ کا یہ کہنا ثابت ہو اور آپؐ نے حضرت جبرئیلؑ کو جواب دیا ہو کہ میں تو پڑھنا ہی نہیں جانتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضورﷺ کو (نعوذ باللہ) جاہل بتانے میں لوگوں کو کیا مزہ ملتا تھا کہ بہت تکرار کے ساتھ کبھی انہیں اُمی اللقب کہہ کے خوش ہوتے ہیں اور کبھی یہ بتا کر کہ آپ ان پڑھ تھے۔ جو ذات پاک عالم نور ہی میں عالم بن چکی ہو جو تمام انبیاء کی امتوں پر گواہی بنی رہی ہو وہ جاہل کیوں فرض کی جا رہی ہے، جو کچھ پڑھنے کو کہا جا رہا ہے وہ آپؐ کی اپنی مادری زبان میں تھا پھر حضورؐ اس کے پڑھنے سے انکار کیسے کر سکتے تھے اور کیا حضرت جبرئیلؑ لکھ کر لاتے تھے اور آپؐ سے پڑھنے کو کہتے تھے۔ لیکن اسکا کوئی مفسر ثبوت نہیں پیش کر سکا کہ جو حضرت جبرئیلؑ لاتے تھے وہ زبانی ہوتا تھا یا لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بچے کی رسم بسم اللہ ہوتی ہے تو عموماً اس سے کہا جاتا ہے کہ پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کبھی تحریر لانے کی ضرورت کیا پیش آتی ہے اور اگر حضورؐ پڑھنا نہیں جانتے تھے تو پھر حضرت جبرئیلؑ کے کہتے ہی پڑھ کیسے لیا؟ اس طرح تو حضرت جبرئیلؑ اس شخص کے استاد بن گئے اس شخص کے جس کو خدا نے قرآن کی تعلیم عالم ظہور میں آنے سے پہلے ہی دے دی تھی۔ جیسا کہ سورۃ رحمٰن کی ابتدا "الرحمن علم القرآن خلق الانسان علم البیان" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت شروع کی آیتوں میں نازل ہوئی تھی

لیکن اس کو آخر کے پارے میں جگہ دی گئی یہ فلسفہ تو قرآن کو جمع کرنے والے حضرات ہی بتا سکتے تھے یا ان کے بعد آنے والے' اس میں کیا مصلحت تھی کہ جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی' اسے آخری پارے میں جگہ دی گئی۔

اس کے بعد اللہ اپنے رسولؐ کو بتاتا ہے کہ اس رب کے نام کو پڑھو جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ پھر انسان کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا' پھر کہا جا رہا ہے کہ اس رب کی تعریف کرو جو عالیشان ہے جس نے انسان کو قلم سے لکھنا سکھایا یعنی انسان کے اندر یہ صفت رکھی کہ وہ قلم سے واقعات و حالات کو لکھتا رہے۔ کتابت اسے نہ سکھائی جاتی تو انسان پر علوم کے دروازے بند ہو جاتے۔ پھر کہا جا رہا ہے کہ انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنہیں وہ نہ جانتا تھا' پھر انسان کی ناشکری کی بات کی جا رہی ہے کہ جب ہم اسے غنی کر دیتے ہیں تو وہ سرکش ہو جاتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ اسے اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

آخری آیات میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب ابوجہل اپنے یارانِ جلسہ سے کہہ رہا تھا کہ ساتھیوں حضرت محمد ﷺ تمہارے درمیان رہ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنا منہ خاک پر رگڑتا ہے اور تم اسے چھوڑ دیتے ہو کیا تمہارے بت اس پر راضی ہوں گے' میں اگر محمد ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن پر پاؤں رکھ دوں گا (نعوذ باللہ) ایک روز وہ اپنا منصوبہ پورا کرنے چلا تو ہانپتا کانپتا واپس آیا۔ کسی نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو کہا میں نے دیکھا ان کے اور میرے درمیان ایک آگ کی خندق ہے اور ایک اژدھا منہ کھولے ہے اور پرندے پر سے پر ملائے اس پر سایہ فگن ہیں۔ اس پر بھی وہ باز نہ آیا اور حضور ﷺ کو نماز سے روکنے کی کوششیں کرتا رہا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ بدر میں مارا گیا اور لوگوں نے اس کے بال پکڑ کر گھسیٹا اور ایک گڑھے میں ڈال دیا اور یوں خدا کی یہ پیشنگوئی پوری ہوئی جو آیت نمبر 9 سے 19 تک بیان کی گئی ہیں۔

سورۃ نمبر ۹۷ آیات: ۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ القدر

تعارف : پہلی ہی آیت میں لفظ القدر ہے جس پر اس سورہ کا نام ہوا یعنی وہ کتاب جسے ہم نے شب قدر میں نازل کیا۔

موضوع کی تفصیل:

شب قدر رمضان المبارک کی ستیسویں شب ہے' یہ نزول رحمتِ باری تعالیٰ کی رات ہے جو ہزاروں مہینوں سے اعمال خیر کے اجر میں بہتر ہے۔

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمان اول پر اتر آتے ہیں اور ندا دیتے ہیں کہ کہاں ہیں میرے گناہ گار بندے' مجھ سے گناہوں کے بخشنے کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ حضور والا کیا خدا صاحب جسم ہے کہ اترے اور چڑھے پھر اس آواز سے کیا فائدہ جسے کوئی نہ سنے' اگر شب قدر میں بخشش کا سودا اتنا سستا ہو جاتا ہے تو پھر دوزخ کا پیٹ کون بھرے گا' سب کے گناہ تو معاف کر دیئے جائیں گے۔

ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب ہے کہ ظالموں اور منافقوں کی حکومت جو ہزار مہینے رہی وہ خدا کی نظر میں کچھ بھی نہیں اور دنیا دکھاوے کے لئے جتنی چاہے نیکیاں ان ہزار مہینوں میں کر لیں مگر رسول ﷺ تمہاری ایک اس رات کی نیکی ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اگلی آیت بتاتی ہے کہ اس مبارک رات میں فرشتے اور حضرت جبریلؑ بحکم خدا سال کے تمام کے تمام احکامات لے کر نازل ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تک حضورؐ زندہ رہے یہ احکامات ان پر نازل ہوتے رہے اس کے بعد کس پر آتے رہے؟ شب قدر تو ہر سال آتی ہے اور آیت گواہی دے رہی ہے کہ فرشتے بھی یقیناً زمین پر اترتے ہیں تو آتے کس پر ہیں؟ کیا علمائے دین یا صحابہ کرام یا ان کی

اولادوں میں سے آج تک کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر آتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر صاحبان عقل وفہم مسلمان سوچیں کہ کس پر آتے ہیں' ظاہر ہے کہ فرشتے کسی غیر معصوم کے پاس تو نہیں آسکتے اور نہ کوئی غیر معصوم اس قابل ہوسکتا ہے کہ وہ احکام الٰہی کا امین بنے تو ضرور ہر زمانے میں ہمہ وقت کوئی معصوم اس زمین پر موجود رہتا ہے اور وہ معصوم ہی ہوسکتا ہے جو مخصوص من اللہ ہادی ہو۔ دیکھئے سورۃ رعد کی 7 ویں آیت "انما انت منذر و لکل قوم هاد" ترجمہ (اے رسولؐ تم لوگوں کو ڈراتے رہو عذاب سے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے) یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ کوئی ہادی موجود ہے جس کے پاس احکام آتے ہیں اور رسولؐ کی متفقہ حدیث کہتی ہے کہ "من مات و لم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة" (جو اس حالت میں مرا کہ اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مرا) اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے والوں کی ہدایت کیلئے ایک ہادی امام ہوتا ہے۔ اس سے مراد قرآن نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن تو قیامت تک کے لئے سب کا ہادی ہے اور دوسری بات فرشتے قرآن کے بعد اب کون سے احکامات لائیں گے احکامات تو جسم وروح کے سنگم کے ساتھ یقیناً کسی معصوم روح وجسم پر لائے جاتے ہیں۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ رسولؐ کے بعد ہر زمانے میں ایک امام منصوص من اللہ معصوم ضرور رہا ہے جس کے پاس فرشتے آتے ہیں ورنہ شب قدر فرشتوں روح الامین کا نزول کس پر ہوتا ہے۔ آیت بتارہی ہے کہ ہر امر کو جو سال بھر تک ہونے والا ہے فرشتے لے کر آتے ہیں تو غور اس پر کرنا چاہیے کہ جس کے پاس امر الٰہی آتا ہے وہ صاحب امر کون ہے اور سورۃ انساء کی آیت 59 "اطیعو الله و اطیعوا رسول و اولی الامر منکم" سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اولی الامر ایسے ہیں کہ ان کی اطاعت رسولؐ جیسی اطاعت ہے تو کیا اولی الامر سے مراد بادشاہ وقت ہیں یا امراء، ورؤسا یا علمائے امت' نہیں ان میں سے کوئی نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس ہر شب قدر میں امر الٰہی آتا ہے اور جن کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کی طرح واجب ہے اور جن کو نظام کائنات میں اتنا دخل ہے کہ ہر شب قدر میں ان کے پاس سال بھر ہونے والے واقعات آجاتے

ہیں اور احکامِ الٰہی کا امانتدار معصوم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا اور حدیث بتا رہی ہے رسول ﷺ کی کہ ہر زمانے کا امام جداگانہ ہوتا ہے اور جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ کافر مرا۔

لہٰذا سورۃ قدر اور شبِ قدر کی فضیلت بتا رہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے زمانے کو تنہا نہیں چھوڑا۔ ہر زمانے کا ایک امام ہدایت کے لئے موجود ہے کبھی ظاہر اور کبھی غائب صرف پہچاننے والے پہچان سکتے ہیں۔ جنہیں خدا توفیق دے جو ہدایت کے دل سے خواہشمند ہوں اور خدا سے سچے دل سے یہ تمنا کریں کہ پروردگار ہمیں ہمارے زمانے کے امامؑ کی معرفت عطا فرما تا کہ ہم ان کی معرفت حاصل کر کے تیرے اماموںؑ اور انبیاءؑ تک معرفت حاصل کر سکیں اور پھر ان کے وسیلے سے تجھ تک معرفت حاصل کر لیں۔

اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی فحش کام اُن سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ کو معاف کر سکتا ہو۔ اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔

(سورۃ آل عمران ۳:۱۳۵)

99% of failure come from people who have the habit of making excuse.
(George Washington Carver)

سورۃ نمبر ۹۸

آیات: ۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ البینۃ

کھلے ہوئے ثبوت کی سورہ

تعارف : بیّن یعنی کھلا ہوا ثبوت' کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ ہم نے اس کتاب کو اتارا

موضوع کی تفصیل:

اس سورۃ میں اہلِ کتاب مشرکین کی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں جب تک ان کے سامنے وہ پاک کتابیں نہ پڑھی جائیں جن میں اچھے اعمال بجالانے کی ہدایت ہے۔ ایسا کرنے پر کچھ تو ایمان لائے اور کچھ بدستور اپنی جگہ جمع رہے۔ اہلِ کتاب نے توریت اور انجیل میں سب کچھ پڑھا مگر وہ اپنی کفر پرستی سے باز نہ آئے اور اپنے کمزور نظریوں کی وجہ سے ان میں فرقے بنتے چلے گئے حالانکہ ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ خالص خدا کی عبادت کریں مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور وہ بدترین مخلوق بن کر رہے۔ ہاں ان میں جو ایمان لائے وہ بہترین مخلوق قرار پائے' ان کے رب نے اہلِ کتاب اور مشرکوں کو ہدایت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر جو انکار کرنے والے تھے وہ انکاری کرتے رہے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوسکتا ہے۔

جو لوگ پابندی سے نماز پڑھتے' زکوٰۃ دیتے رہے اور حقوق العباد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے انہیں خیر البریہ کہا گیا کہ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش۔

سورۃ نمبر۹۹ — آیات: ۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ الزلزال

زلزلے والی سورۃ

تعارف : جب زمین بڑے زلزلوں کے ساتھ زلزلے میں آجائے گی اور اپنے اندر کے بوجھ کو نکال کر باہر پھینکے گی اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو گیا۔

موضوع کی تفصیل:

قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے کہ زمین میں بڑے سخت زلزلے آئیں گے اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ نکال پھینکے گی۔ مفسرین کا اس پر اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہوگی جسے زمین کا بوجھ کہا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ معدنیات Natural Resources یعنی کوئلہ، گیس، سونا، تیل وغیرہ اور بعض کا خیال ہے جو لوگ اس میں دفن ہیں ان کو نکال پھینکے گی، بعض کہتے ہیں کہ خزانے جو اس کے اندر ہیں ان کو نکالے گی۔ اب اگر اگلی آیات کی طرف دھیان دے کر سوچا جائے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ کن کو نکال کر باہر پھینکے گی اور خزانوں سے کیا مراد ہے۔ آیت کہہ رہی ہے کہ ''اس دن لوگ گروہ در گروہ اپنی قبروں سے نکلیں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا'' اور جس نے بدی وہ اسے دیکھ لے گا'' اب صاف ظاہر ہے کہ زمین انہیں نکال کر باہر پھینکے گی جو لوگ اس میں دفن ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں انہیں خزانے سے تشبیہ دی گئی ہے اور جن کے اعمال بد ہیں وہ یقیناً زمین کا بوجھ ہی ہو سکتے ہیں۔

پھر کہا جا رہا ہے کہ ''ان زلزلوں کے وقت ایک انسان اس سے کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس روز وہ اپنے سب حالات بیان کر دے گی'' یعنی زمین ہم کلام ہوگی انسان سے۔ اس پر بھی مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ انسان کون ہوگا۔ بعض نے لکھا ہے کہ سب انسان گھبرا جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آیت ایک انسان کی بات کر رہی ہے اور پھر خدا کے حکم سے زمین ہم کلام ہوگی تو کیا وہ سب انسانوں سے بات کرے گی؟ یقیناً وہ کوئی

خاص انسان ہی ہوگا جو اسی سے ہم کلام ہوگا اور یہاں زمین کے اخبار سے مراد یہ ہے کہ زمین ہر مرد و عورت کے اعمال کی جو انہوں نے کئے' روئے زمین پر وہ خبر دے گی کہ اس نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیا۔ سوال یہ ہے کہ زمین یہ خبر کس انسان کو دے گی؟ اگر روز قیامت یہ گفتگو اور سوال ملائکہ کے ذمہ ہوتے تو آیت انسان کے بجائے ملائکہ یا ملک کا لفظ استعمال کرتی مگر یہاں ''ایک انسان'' پوچھے گا اور زمین خبر دے گی اُسے۔ تو غور کریں فکر کریں کہ وہ ایسی کون سی ہستی ہوگی جسے اللہ تعالیٰ یہ کام سونپے گا کہ وہ انسانوں کی گھبراہٹ اور لرزنے پریشان ہونے کی کیفیت کو بھانپ کر زمین سے پوچھنے کی جرأت کرے گی کہ یہ سب وجہ جاننے کے لئے پریشان ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے بتا اپنا حال بتا؟

اب وہ متفق روایت سن لیجئے جس پر مفسرین کی اکثریت کا اجماع ہے کہ ایک دفعہ مدینے میں زلزلہ آیا تو لوگ حضرت علیؑ کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ آپؑ ان کے ساتھ اس مقام پر پہنچے اور آپ نے اس جگہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''یا ارض مالک لاتسکنی'' یعنی (اے زمین تجھے کیا ہوگیا ہے تو ساکن نہیں ہوگی) وہ زلزلہ اسی وقت رک گیا' امام کی آواز کو اللہ کی ہر وہ مخلوق پہچانتی ہے جو بے زبان ہے اور خاموشی سے اپنے خالق کی تسبیح کرتی رہتی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اشرف المخلوقات حضرت انسان اپنے امام کو نہیں پہچانتے۔ لہٰذا وہ معصوم زمین جو ایک مخصوص وقت تک خاموش رہنے کے پابند ہیں' جب اسے کسی معصوم کے ذریعے سے حکم خدا ہوگا تو وہ اس امام معصومؑ سے ہی اپنے حالات بیان کرے گی کہ میرے اوپر انسانوں نے کس کس قسم کے گناہ کیے۔

انبیاء اور اولیاء کی خصوصیات کو سمجھنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔ یہ تو قدرت کے وہ راز ہیں جو انبیاء اور اولیاء کے امتیازات خصوصی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان پتھر پر آ جاتا ہے' حضرت موسیٰؑ کا عصا مارنے سے پتھر پانی دینے لگتا ہے' ہمارے رسول ﷺ کے ہاتھ پر آ کر سنگریزے تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ حجر اسود امام زین العابدینؑ کی امامت کی گواہی دیتا ہے۔ حضور ﷺ کے لعاب دہن سے سوکھے کنویں پانی اچھالنے لگتے ہیں۔ یہ سب مخلوق بھی پتھر' سنگریزے' کنواں ان انبیاء اور اولیاء' اماموں کو پہچانتے ہیں تو زمین اسی سے ہم کلام ہوگی' نہ جسے وہ پہچانتی گی۔

سورۃ نمبر ۱۰۰

آیات: ۱۱

مقام نزول: مکہ

سورۃ العدیٰت

تعارف: عادیات کے معنی دوڑنے والے گھوڑے کے ہیں جو میدانِ جنگ میں عام طور پر عربوں کا جزو تھی اس کی قسم کھائی گئی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

جب سارے عرب میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا تو عرب کے ایک قبیلے بنی سلیم نے مدینے کے اطراف میں جمع ہو کر مسلمانوں پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپؐ نے پہلے کچھ اصحاب کو بھیجا جب کامیابی نہ ہوئی تو حضرت علیؑ روانہ ہوئے اور کچھ اصحاب جو اس وقت مسجد احزاب میں موجود تھے وہ ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپؑ راتوں رات صبح سویرے ان کے سر پر جا پہنچے اور بہت سوں کو قتل کیا بہت سوں کو زنجیروں میں جکڑ کر واپس ہوئے۔ اس وجہ سے اس جنگ کو جنگ سلاسل کہتے ہیں، ابھی یہ لوگ مدینے واپس نہ پہنچے تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش خوش پیشوائی کو نکلے۔ جب حضرت علیؑ پر آپ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر پڑے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے ''امت'' کی گمراہی کا خیال نہ ہوتا تو تمہارے بارے میں وہ بات کہتا کہ جس کو سن کر لوگ تمہارے قدموں کی خاک کو شفا کے لئے لے جاتے۔

حضرت اویس قرنیؒ جو اس وقت ہمراہ تھے ان جیسے روشن ضمیر انسان کا یہ قول اسی وقت نقل کر دیا گیا تھا کہ ''علیؑ کے قدموں کی خاک اویس کی آنکھوں کا سرمہ ہے۔''

سورۃ نمبر ۱۰۱ — آیات: ۱۱

مقام نزول: مکہ

سورہ القارعۃ

تعارف: قارعہ قیامت کو کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں "عظیم حادثہ"

موضوع کی تفصیل:

پھر قیامت کے دن سنائی دینے والی آواز کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ایک سخت کھڑکھڑانے والی آواز آئے گی اور لوگوں کو قبروں سے نکال باہر کرے گی اور پھر وہ میدان حشر میں ہر طرف بھاگے بھاگے پھرتے ہوں گے جیسے ٹڈیاں اڑی اڑی پھرتی ہیں' کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا' پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے اور جس کے اعمال نیک زیادہ ہوں گے وہ تو اطمینان سے رہے گا جبکہ دوسرے ہلکے اعمال والا جہنم رسید ہوگا۔ خدا نے پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ قیامت ٹلنے والی نہیں۔ آئے گی اور ضرور آئے گی اور یہ دہکتی ہوئی آگ اس کا ٹھکانہ ہوگا جو اس کا دنیا میں انکار کرتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ زندگی کے دن بہت سوچ سمجھ کر گزارے۔

سورۃ نمبر ۱۰۲ آیات: ۸

مقام نزول: مکہ

سورۃ التکاثر

تعارف: تکاثر کے معنی کثرت کے ہیں۔ پہلی ہی آیت میں التکاثر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس پر سورہ کا یہ نام ہوا۔ یہاں انسان کی ہوس مال واولاد وغیرہ کی کثرت کی مذمت کی گئی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

آخرت سے انسان کی غفلت کے دو ہی سبب ہیں۔ ایک مال کی زیادتی اور دوسرے اولاد کی زیادتی' مرنے سے پہلے انسان ایسا غافل ہو جاتا ہے کہ اسے آخرت کا خیال آتا ہی نہیں۔ پھر تاکید کے ساتھ فرمایا جارہا ہے کہ قیامت کیا ہے تم اسے جان لوگے' ضرور جان لوگے تو ضرور جان لیں گے وہ جو غافل ہیں کہ دوزخ ان کا مقدر ہے اور پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ یہاں خدا کی بے شمار نعمتوں پر وہ عیش کر رہا ہے اور بھول کر بھی نعمتیں دینے والے کا شکریہ ادا نہیں کرتا' مال مفت سمجھ کر استعمال کر رہا ہے۔ اسے کامل یقین ہی نہیں کہ اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور نیک کام کرتا۔ خدا سے ڈرتا' اس کے احکام کی تعمیل کرتا۔ ایسا ناشکرا' ناحق شناس انسان خدا کا باغی بندہ ہے اسے ضرور سزا ملنی ہے' مرنے کے بعد جب قیامت سر پر کھڑی ہوگی تب پتہ چلے گا کہ میں نے کس غفلت میں اپنی عمر گنوادی تھی اور اب جو مجھے سزا مل رہی ہے تو میرے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔

سورہ نمبر ۱۰۳ آیات: ۳

مقام نزول: مکہ

سورۃ العصر

تعارف: عصر کی قسم سے آغاز ہوا ہے۔ یعنی گزرے ہوئے ہر زمانے کی قسم

موضوع کی تفصیل:

یہ سورہ ابوجہل کے متعلق ہے اور اللہ زمانے کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ ذلالت اور جہالت اس پر ختم ہے' یہ خدا کا نافرمان مشرک اور بے دین انسان بے شک خسارے میں ہے یہ شیطانیت کا ماڈل ہے یعنی اس جیسے جتنے بھی انسان ہیں اور قیامت تک ہر زمانے میں ہوں گے وہ خسارے میں ہیں یعنی جس بات کو دنیا میں وہ اپنا فائدہ تصور کرتے ہیں وہی بات آخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہے مگر وہ لوگ جو عمل صالح کرتے ہیں اور اہل ایمان ہیں وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ حق کا ساتھ دو اور امر حق اختیار کرنے میں جو مصیبتیں اور تکلیفیں تم کو اٹھانی پڑیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرو اور اس کی مثال ہمیں کربلا سے بہتر کہیں نہیں مل سکتی کہ امام حسین علیہ السلام کے تمام اعزا و اقربا حق کی حمایت میں انتہائی مصیبت کا سامنا صبر و ضبط سے کر رہے تھے۔

اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ کو معاف کر سکتا ہو۔ **اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔**

(سورہ آل عمران ۳:۱۳۵)

سورۃ نمبر ۱۰۴ آیات: ۹

مقام نزول: مکہ

سورۃ الھمزۃ

تعارف: یہ سورہ بھی پہلی ہی آیت میں لفظ "الھمزۃ" کے استعمال کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئی۔

موضوع کی تفصیل:

چغل خور اور مال جمع کرنے والے اور طعنہ دینے والے کی سزا اس سورہ میں بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ جو چغلیاں کرتے ہیں اور مال جمع کر کے اسے گنتے رہتے ہیں اور اس مال گننے کے عمل کو عقل مندی سمجھتے ہیں اور طعنہ دینے کو اپنی ذہانت سمجھتے ہیں وہ جان لیں کہ اس کی سزا جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے۔

مال جمع کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا' ہرگز نہیں۔ اس کے مال جمع کرنے سے جو سب سے بڑی خرابی معیشت اور معاشرے میں پیدا ہوتی ہے' وہ یہ ہے کہ مال چند ہاتھوں میں جمع رہتا ہے جبکہ مال کو گردش کرنے سے یعنی ایسے کاروبار یا صنعتوں میں لگانے سے نہ صرف معیشت ترقی کرتی ہے بلکہ لوگوں کو روزگار ملتا ہے اور غربت و افلاس ختم ہوتا ہے۔ آج کی جدید دنیا کا سب سے بڑا معاشی اُصول گردشِ زر (Circulation of Money) اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے بتا دیا کہ اس کے دنیاوی اور دینی فائدے کیا ہیں اور جمع کرنے کے نقصان کیا ہیں؟

سورۃ نمبر ۱۰۵ آیات: ۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ الفیل

تعارف: چونکہ اس میں خانہ کعبہ پر جو ہاتھیوں کے ساتھ حملہ ہوا تھا اس سے جو خانہ کعبہ کی خدا نے حفاظت کی اس کا اظہار ہے اور وہی اس کا موضوع ہے۔

موضوع کی تفصیل:

اس سورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی طرف عام لوگوں کا رجوع دیکھ کر یمن کے بادشاہ ابرہہ کو حسد ہوا اس نے ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کردے اور اس کی جگہ یمن میں ایسا ہی گھر بنائے۔ چنانچہ وہ ایک لشکر لے کر جس میں بہت سارے ہاتھی تھے مکہ آیا۔ یہ زمانہ حضرت عبدالمطلب' جدِ رسولؐ کے دادا کا زمانہ تھا۔ آپؑ کے اونٹ چراگاہ میں چرتے تھے' ابرہہ کے لشکر والے انہیں پکڑ کر لے گئے۔ جب حضرت عبدالمطلب کو خبر ہوئی۔ آپ اونٹ حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا' آپ کیسے آئے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ تیرے فوجی میرے اونٹ بھگا لے گئے' ہنکا لے گئے ہیں میں انہیں حاصل کرنے آیا ہوں۔ اس نے کہا بڑا تعجب ہوا کہ آپ سردارِ قوم ہیں اور آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کس ارادے سے آیا ہوں۔ آپ نے مجھ سے خانہ کعبہ کے منہدم نہ کرنے کے متعلق تو کچھ کہا نہیں' بس اپنے اونٹوں کے متعلق بڑی فکر ہے آپ کو۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا اونٹ میری ملکیت ہیں' اس لئے میں نے ان کے لئے فکر کی اور یہ گھر جسے تم منہدم کرنا چاہتے ہو اس کا مالک کوئی اور ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالمطلب موحد تھے' وحدانیت پر یقین رکھتے تھے' بت پرست نہ تھے' اسی طرح حضرت ابوطالبؑ بھی جو ان کے بیٹے تھے مومن و موحد تھے۔ الغرض ابرہہ نے جب اپنے ارادے کو پورا کرنا چاہا تو خدا نے ابابیل کا ایک لشکر بھیجا جن کے پنجوں اور چونچوں

میں سخت مٹی کی کنکریاں تھیں وہ جس کے سر پر گرتی تھیں سارا جسم توڑ کر نکل جاتی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔

ابابیل خدا کے ہوائی جہازوں کی یہ بمباری وہ تھی' جس نے آن کی آن میں سب کو ہلاک کر ڈالا۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا' اہلِ عرب اسے عام الفیل یعنی ہاتھیوں کا سال کہتے ہیں اسی سال رسول کریم کی ولادت باسعادت ہوئی یعنی کعبے کو بچانے والے مالک نے اپنے محبوبؐ کے آنے کی خبر دے دی تھی۔

اس واقعے کو قرآن میں ارشاد فرمانے کا سبب بھی یہی تھا کہ اہلِ عرب جان لیں کہ حضرت محمد جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمام دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

جو لوگ خدا کی خوشنودی کے طالب ہوں اور اس سلسلے میں لوگوں کی ناراضی کی پرواہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پوری مدد فرماتا ہے اور انسانوں کی ناراضی سے ان کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا' اور جو لوگ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اللہ اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور ان کو انسانوں کے حوالے کر دیتا ہے (جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نصرت سے بھی محروم رہتے ہیں اور جن کی خوشی کے لئے اللہ کو ناراض کیا تھا ان کی مدد بھی نہیں ملتی۔ (حدیث نبوی)

سورہ نمبر ۱۰۶ آیات: ۴

مقام نزول: مکہ

سورۃ القریش

تعارف: پہلی ہی آیت میں قبیلہ بنی قریش کا نام ہے انہی سے متعلق یہ سورہ ہے۔ اس لئے اس سورہ کا نام القریش ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

قریش وہ قبیلہ تھا جس میں خاندان بنو ہاشم معزز ترین خاندان کہلاتا تھا۔ جس میں رسول کریمؐ پیدا ہوئے۔ یہ لوگ عرصے سے خانہ کعبہ کے متولی کا عہدہ و منصب رکھتے تھے۔ اسی گھر کی برکت تھی کہ مکہ باوجود اس کے کہ ایک پتھریلا علاقہ تھا زراعت وغیرہ کا وہاں کوئی ڈھنگ نہ تھا مگر یہ ان پر اللہ کی عنایت تھی کہ ہر چیز وہاں مل جاتی تھی۔ سارے عرب میں قبیلہ قریش سمیت ڈکیتی لوٹ مار چوری عام تھی مگر خاندان بنو ہاشم چونکہ قبیلہ قریش میں شامل تھا اس لئے قبیلہ قریش کو بحیثیت مجموعی صرف اس لئے سارے عرب میں عزت حاصل تھی کہ خانہ کعبہ کی تولیت خاندان بنو ہاشم کے پاس تھی اس لئے جہاں جاتے تھے ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی یہ لوگ دورانِ سفر تجارت کرتے تھے خاص کر دو بڑے سفر کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام جاتے تھے۔ اس تجارت سے ان کا کاروبار چلتا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک خدا کی عبادت کریں جس نے ان کو ہر قسم کے خوف سے بھی محفوظ رکھا اور غلہ اتنا دیا کہ وہ بھوکے نہیں مرتے۔

یہ اشارہ ہے اس طرف کہ مکہ میں آنے سے پہلے جب قریش منتشر تھے بھوکوں مر رہے تھے یہاں آنے کے بعد ان کے لئے رزق کے دروازے کھلتے چلے گئے اور ان کے حق میں حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا حرف بہ حرف پوری ہوئی کہ "پروردگار میں نے اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے

محترم گھر کے نزدیک ایک ویران بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کے لئے پھل دے (سورہ ابراہیم: آیت 37)

پھر خوف دور کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے یعنی جس خوف سے سرزمین عرب کی کوئی جگہ محفوظ نہیں تھی پورے ملک میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جس میں لوگ راتوں کو چین سے سو سکتے ہوں ہر وقت یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کب کوئی غارت گر گروہ اچانک چھاپہ مار دے' کوئی قافلہ ایسا نہ تھا جو اطمینان سے سفر کر سکے' اس لئے جب قریش لوٹنے والوں سے صرف یہ کہہ دیتے کہ تھے ہم خادمین حرم ہیں تو انہیں چھیڑنے کی کوئی جرأت نہیں کرتا تھا اور اکیلا قریشی بھی اگر کہیں سے گزر رہا ہو اور کوئی اسے لوٹنا چاہتا یا مارنا چاہتا تو صرف لفظ "حرمی" یا "انا من حرم اللہ" کہہ دینا کافی ہوتا تھا یہ سنتے ہی اٹھے ہوئے ہاتھ رک جاتے تھے۔

اس لئے پروردگار قریش سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ تم اب بھی اگر میرے شکر گزار بندے نہ بنو اور بت پرستی نہ چھوڑو تو تم روز قیامت کس منہ سے میرے سامنے آؤ گے۔

جو لوگ خدا کی خوشنودی کے طالب ہوں اور اس سلسلے میں لوگوں کی ناراضی کی پروا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پوری مدد فرماتا ہے اور انسانوں کی ناراضی سے ان کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا' اور جو لوگ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اللہ اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور ان کو انسانوں کے حوالے کر دیتا ہے (جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نصرت سے بھی محروم رہتے ہیں اور جن کی خوشی کے لئے اللہ کو ناراض کیا تھا ان کی مدد بھی نہیں ملتی۔ (حدیث نبوی)

سورۃ نمبر ۱۰۷ — آیات: ۷

مقام نزول: مکہ

سورۃ الماعون

تعارف: اس سورہ میں ماعون کا لفظ بالکل آخر میں آیا ہے جس کے معنی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کے ہیں۔

موضوع کی تفصیل:

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے مگر جن لوگوں کا اور ان کے جس عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ منافقین مدینے میں ہی پائے جاتے تھے اور وہ عمل یہ تھا کہ وہ اپنی نمازوں میں غفلت برتتے تھے اور دکھاوے کی نمازیں پڑھتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو فتح مکہ کے بعد مصلحتاً ایمان لے آئے تھے اور وہ مجبوراً مسجد میں آتے تھے، جماعت میں شریک ہوتے تھے تاکہ انہیں مسلمانوں میں شمار کیا جائے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ایمان بیچنے پر تیار ہو جاتے تھے۔

آیت نمبر 2 اور 3 میں کفار کی حالت بیان کی گئی ہے جو کھلم کھلا آخرت کو جھٹلاتے تھے اور آخری چار آیتوں میں ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل میں اس آخرت اور جزا و سزا کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ وہ بہت معمولی فائدے کے لئے آخرت کا ہمیشہ کا فائدہ بھول جاتے ہیں۔

مجموعی طور پر دونوں گروہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے کا مقصد یہ حقیقت ان لوگوں کو ذہن نشین کرانا ہے کہ انسان کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم پاکیزہ کردار اور عقیدۂ آخرت پیدا کیا جا سکے۔

سورۃ نمبر ۱۰۸ آیات: ۳

مقام نزول: مکہ

سورۃ الکوثر

تعارف: پہلی ہی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا کرنے کی خوشخبری دی گئی ہے۔اس لئے اس کا نام کوثر ہوا۔کوثر دو معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی رسول کو اولادِ کثیر اور دوسرے جنت میں اس حوض کا نام بھی کوثر ہے جس کے آپؐ جنت میں مالک ہوں گے۔

موضوع کی تفصیل:

مفسر قرآن ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن کی جلد ششم صفحہ نمبر 490-91 اور 94 پر اس سورۃ کی تفسیر لکھتے ہیں کہ:

''اس سورۃ کے نزول کا وقت وہ ہے جب رسول کریم کو تبلیغ دین کے دوران انتہائی دل شکن حالات کا سامنا تھا' مزاحمتوں' مخالفتوں کا طوفان اپنی تمام انسانی اور اخلاقی حدوں کو پار کر چکا تھا' آپؐ کے چند جاں نثاروں کو دور دور تک کامیابی کے آثار کہیں نظر نہیں آتے تھے اس وقت آپؐ کو تسلی دینے اور آپ کی ہمت بندھانے کے لیے متعدد آیات نازل ہوئیں جن میں سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح بہت اہم ہیں مگر سورۃ الکوثر میں تو اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ خوشخبری دینے کا وقت وہ منتخب کیا ہے جب آپؐ کے فرزند حضرت قاسمؑ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کی وفات کا صدمہ اس وقت اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے جب اس صدمے پر عزیزوں' رشتے داروں' قبیلے اور برادری کے لوگوں کی طرف سے ہمدردی اور تعزیت کے بجائے خوشیاں منائی جا رہی ہیں اور وہ طعنے تشنے دیئے جا رہے ہیں جو انسان کا کلیجہ چھلنی کر دیں کہ سرداران مکہ میں سے ایک شخص عاص بن وائل نے کہا ''ان محمدا ابتر لا ابن له يقوم' مقامه بعده فاذامات القطع ذکره و استرحم''

ترجمہ: محمدؐ ابتر ہیں ان کا کوئی بیٹا نہیں بچا' جوان کا قائم مقام بنے' جب وہ دنیا سے چلے جائیں گے

تو ان کا اور ان کے دین کا نام دنیا سے مٹ جائے گا اور ان سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا''۔

جب کہ آپ کا چچا ابولہب جس کا گھر آپ کے گھر سے متصل تھا اور پہلے بھی سورہ لہب میں ابولہب اور اس کی بیوی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ ''ابولہب اور اس کی بیوی جہنم کی آگ میں ڈال کر ہلاک کر دیئے جائیں گے'' اس موقع پر ابولہب بھی دوڑا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ خوشخبری دی کہ ''بتر محمد للہ'' ترجمہ: ''آج رات محمدؐ لاولد ہو گئے ان کی جڑ کٹ گئی''۔

یہ تھے وہ دل شکن حالات جن میں سورۃ الکوثر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو وہ خوشخبری دی جس سے بڑی خوشخبری دنیا کے کسی انسان کو کبھی نہیں دی گئی اور ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والوں کی جڑ کٹ جائے گی' اولاد نرینہ سے محروم ہو جانے کی بنا پر دشمن تو یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے گا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی صورت میں وہ خوشخبری دی ایسی اولاد عطا کی جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کا سرمایہ افتخار ہی حضورؐ سے اس کا انتساب ہے اور اُمتِ مسلمہ کی صورت آپؐ کو وہ کثیر جماعت عطا کی جو اس دین اسلام کی بقا کی ضامن ہے''۔

(تفہیم القرآن ص 490-491-494)

یہی وہ سورۃ ہے جس کو بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی پیدائش کے بعد خانہ کعبہ پر لٹکایا گیا اور کافرین اور مشرکین سے کہا گیا کہ اب اس سے مشابہ کوئی سورۃ لا کے دکھاؤ۔ اس عہد میں رواج تھا کہ شاعر جج کے کام بھی کیا کرتے تھے اور اپنے فیصلے اور جوابات کعبے کی دیوار پر لا کر لٹکا دیتے تھے۔ اس زمانے کا سب سے جید شاعر جس کا ذکر تاریخ اسلام کے ہر مکتبہ فکر نے کیا ہے۔ اس شاعر نے اس سورۃ کے آخر میں ہم وزن مصرعہ لگایا ''ما ھذا الکلام البشر'' ترجمہ (یعنی یہ سورۃ کسی انسان کا کلام نہیں)

پروردگار! ہم تیرے اور تیرے ملائکہ کے ساتھ درود وسلام میں شریک ہو کر تیرا شکر بجا لاتے ہیں کہ تو نے اپنے حبیب کو سورۃ الکوثر میں جو خوشخبری دی' جو وعدہ کیا' وہ پورا کیا اور عرب کے جاہل

معاشرے کو فاطمۃ الزہراؑ کی صورت میں عورت کی تعظیم کے آداب سکھائے۔

تبلیغ اسلام سے اب تک کافروں اور مشرکین نے شاید اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا منافقین نے آج تک ابولہب اور عاص بن وائل کی شکل میں پہنچایا ہے' یہ منافق قرآن کے محافظ اہلبیت محمدؐ کی نشانیاں مٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے' جس کی سب سے سفاک مثال جنت البقیع کا انہدام ہے۔ افسوس کہ عرب کا جاہل منافق معاشرہ ہی نہیں' بلکہ وہ جو خود کو سیدہ النساء العالمین کی اولاد کہتے ہیں اور اس بے اختیار عمل (یعنی کہ سیدوں کے گھر پیدا ہو جانا) کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں وہ اپنی ماں حضرت فاطمہؑ اور تمام آئمہ طاہرین کے لئے تکلیف کا سبب ہی نہیں بلکہ اپنے اختیاری کردار کے ذریعے غیر سادات کے لئے حیرت کا باعث بنے ہوئے ہیں جس کا فائدہ منافقین کو پہنچ رہا ہے۔

ہماری وہ خواتین جو اس بات پر فخر کرتی پھرتی ہیں کہ وہ سیدزادیاں ہیں ان کے اعمال اور کردار کی صورت ابولہب کی بیوی اور ان خواتین سے زیادہ قابل مذمت ہیں جنہوں نے ہمیشہ محمدؐ و آل محمدؐ کو تکلیفیں پہنچائیں۔

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس
اُن میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں،
تو انہیں اُف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو،
بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۲۳:۱۷)

جس گناہ کو چاہتے ہیں اللہ معاف فرما دیتے ہیں لیکن والدین کو ستانے کی سزا دنیا میں مرنے سے پہلے دے دیتے ہیں۔

(حدیث نبویؐ)

سورۃ نمبر ۱۰۹ آیات: ۶

مقام نزول: مکہ

سورۃ الکافرون

تعارف: اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں الکافرون یعنی کافروں سے خطاب ہو رہا ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

ان آیات میں زور دینے کے لئے ایک ہی بات کی تکرار کی گئی ہے کہ رسولؐ نے کافروں پر واضح کر دیا تھا کہ میں کسی صورت بھی' کسی حالت میں بھی تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں۔ آپؐ نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے پیش نظر یہ بھی کہہ دیا کہ "اے کافرو! میں سمجھتا ہوں کہ تم کبھی بھی اس خدا کی عبادت کرنے والے نہیں جس کی میں عبادت کرتا ہوں"۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عرب والے خدا کو تو مانتے تھے لیکن جس کی عبادت کرتے تھے ان کو خدا کا شریک سمجھتے تھے یعنی مشرک تھے' کافر نہیں تھے۔ اس تکرار کے باعث یہ بتا دیا گیا کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ تم جن صفات کے ساتھ خدا کو مانتے ہو میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا' "لکم دینکم ولی دین" سے یہ بات نہ سمجھی جائے کہ خدا نے ان کو بت پرستی کی اجازت دے دی تھی' یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے غصے میں کوئی یہ کہہ دے کہ جب تم میری بات نہیں مانتے تو جاؤ تمہارے جوتی میں آئے' وہ کرو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ رسول کریمؐ نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یہ کہا کہ ٹھیک ہے میں نے ہر طریقے سے تمہیں وحدانیت کا تصور سمجھانے کی کوشش کی مگر تم جان بوجھ کر نہیں سمجھنا چاہتے تو ٹھیک ہے میں نے اپنا فرض پورا کیا اب تم روز قیامت یہ عذر پیش نہ کر سکو گے کہ تمہیں سمجھانے والا کوئی نہ تھا۔

سورۃ نمبر ۱۱۰ آیات: ۳

سورۃ النصر

مقام نزول: مکہ

خدا کی مدد سے فتح حاصل ہونے والی سورہ

تعارف: اس سورۃ میں اسلام کی مکمل فتح وظفر کا اعلان اور پیغمبر اسلام کے مشن کی کامیابی کو بصورتِ مشاہدہ سامنے آنے کو بیان کیا گیا ہے اور آپ کو حمد وشکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس کا یہ نام ہوا اور یہی اس کا موضوع بھی ہے۔

موضوع کی تفصیل:

بعض مفسرین نے فتح سے مراد فتح مکہ لی ہے مگر کچھ مفسرین اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ سورۃ 10 ہجری میں نازل ہوئی اور فتح مکہ 8 ہجری میں ہوئی لہٰذا اس سے مراد اسلام کی وہ ترقی ہے جو فتح مکہ کے بعد میں ہوئی لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ "تم دیکھو گے" اور حضورؐ نے غول کے غول اسلام میں داخل ہوتے ہوئے تو فتح مکہ کے بعد ہی دیکھے ہیں۔ چونکہ حضورؐ کی وفات کے بعد جو ترقی ہوئی اسلام کی وہ حضورؐ نے کہاں دیکھی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ جن قرآن جمع کرنے والوں نے اس سورۃ کا نزول 10 ہجری لکھا ہے ان سے کوئی غلطی ہوگئی ہو۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حالات تو کچھ اور ہی بتاتے ہیں کہ اسلام کو آہستہ آہستہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ مٹانے کی مہم ایسی شروع کی گئی کہ آخرکار اسلام بادشاہت تک پہنچا دیا گیا اور بقول مولانا مودودی صاحب کے حضور ﷺ کی یہ پیشن گوئی کہ میرے بعد 30 سال خلافت رہے گی پھر خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کردیا جائے گا اور دین پر ایسا برا وقت آئے گا کہ پھر میرے وارث اسے اپنے خون سے ہی بچائیں گے اور یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ خلافت کے ٹھیک 30 سال بعد بنوامیہ کے امیر معاویہ اور ان کے بیٹے یزید نے جو کیا اسے رسولؐ کے گھرانے نے اپنے خون سے ایسی بے مثال قربانی دے کر اسلام کو بچایا کہ آج تک تاریخ انسانی ایسی قربانی پیش نہیں کرسکی۔

سورۃ نمبر ۱۱۱ | آیات: ۵
مقام نزول: مکہ

سورۃ اللہب

تعارف: پہلی ہی آیت چونکہ رسول کریمؐ کے چچا ابولہب کے نام ہے لہٰذا اس کے ایک جزو لہب پر اس سورہ کا نام ہوا اور اس میں ابولہب ہی کی ایک گستاخی کا جو اس نے شان رسالتؐ میں کی تھی' اس کا جواب دیا گیا ہے یہی اس سورہ کا موضوع ہے۔

موضوع کی تفصیل:

ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور بڑا گھٹیا کافر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو بے انتہا عداوت تھی اور اس کی بیوی اس سے بھی زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن تھی جب دعوت ذوالعشیرہ میں حضورؐ نے سارے کنبے کو دعوت کے لئے بلایا تھا تو یہ ملعون بھی آیا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا ذکر کیا تو اس نے پتھر اٹھایا اور چیخنے لگا کہ تمہارا ستیاناس ہو جائے کیا تم نے اس کام کے لیے ہمیں بلایا تھا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر مارنا ہی چاہتا تھا کہ یہ آیات نازل ہوئیں: ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں'' ''تبت یدا ابی لھب''۔ قرآن مجید میں یہی ایک مقام ہے جہاں دشمنان اسلام میں سے کسی کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ حالانکہ مکہ میں بھی اور ہجرت کے بعد بھی بہت سے ایسے لوگ تھے جو اسلام اور محمدؐ کی عداوت میں کسی طور ابولہب سے کم نہ تھے۔ ابولہب کی بیوی کا بھی یہ حال تھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے تو یہ چھت پر کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ پر کوڑا پھینکتی' راستے میں کانٹے بچھاتی اسی لئے اس سورہ میں اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ''قیامت کے دن نہ صرف ابولہب کو ہی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں نہیں جھونکا جائے گا بلکہ اس کی بیوی کے گلے میں بھی ایک مضبوط رسی ہوگی جسے فرشتے کھینچتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے''۔

سورۃ نمبر ۱۱۲ — آیات: ۴
مقام نزول: مکہ

سورۃ الاخلاص

خالص توحید کا بیان

تعارف: لفظ اخلاص اس سورۃ کے اندر کہیں نہیں ہے جس پر اس سورہ کا نام ہو بلکہ اس کے مضمون میں توحید کے خالص یعنی اخلاص ہونے کی گواہی دی گئی ہے اس لئے یہ اس سورہ کا نام ہوا۔

موضوع کی تفصیل:

اس مختصر سی سورہ میں توحید کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ نہ صرف بت پرستوں کے لئے جواب ہے جو بتوں کو اس کا شریک سمجھتے تھے بلکہ نصاریٰ عیسائی جو کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ان کو جواب دیا گیا ہے کہ وہ احد ہے واحد ہے نہ اس کا کوئی ساتھی ہے وہ ایسا ایک ہے کہ نہ اس سے پہلے کوئی ہے نہ بعد میں کوئی اس کا شریک ہے خواہ وہ زمین کا رہنے والا ہو یا آسمان کا۔

صمد: وہ بے نیاز و بے پروا ہے اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

لم یلد ولم یولد: یعنی نہ اس کو کسی نے پیدا کیا نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ ماں اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کی کوئی بیوی یا بہن یا بیٹی ہے۔ یہ جننے جنانے کا تعلق جو مخلوق کے اندر ہے اس کی ذات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں وہ تمام عالموں کا واحد مالک ہے جو لوگ فرشتوں کو اس کی بیٹیاں اور بتوں کو اس کا ہمسر سمجھتے ہیں وہ سراسر گمراہی میں ہیں۔

سورۃ نمبر ۱۱۳ آیات: ۵

مقام نزول: مکہ

سورۃ الفلق

شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کی سورتیں

تعارف: یہ اور اس کے بعد والی سورہ موجودہ ترتیب میں آخری سورہ ہیں دونوں معوذ تین کہلاتی ہیں اس لئے کہ دونوں ساتھ نازل ہوئی تھیں۔

موضوع کی تفصیل:

کفار قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پہلے ہلکے پھلکے انداز میں کی لیکن جب آپؐ کا کام ترقی پذیر دیکھا تو مخالفت میں شدت ہونے لگی۔ مصالحت کی کوشش بھی جب ناکام ہوگئیں تو بہت گراوٹ پر اتر آئے اور جادو ٹونوں سے بھی کام لیا جانے لگا تاکہ حضرتؐ دکھی ہوں یا بیمار پڑ جائیں۔ چنانچہ ملک کے نامور جادوگروں سے آپؐ پر جادو کروانے کی کوششیں کی گئیں۔ آپ کو ان جادوگروں کے شر سے بچانے کے لئے یہ آیات اگلی سورہ کی بھی نازل ہوئیں ان کے موضوع میں اتنا گہرا تعلق ہے اور مضامین ایک دوسرے سے اتنی مناسبت رکھتے ہیں کہ ان کا ایک مشترک نام سورہ معوذ تین یعنی پناہ مانگنے والی سورتیں رکھا گیا ہے۔

حاسدوں اور شر پھیلانے والے تعویز گنڈوں پھونکیں مارنے والیوں سے بچانے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس سورہ کو نازل کر کے تلاوت کی تلقین کی گئی اور باقی امت کے لئے بھی اس میں سبق تھا کہ بے شک جادو برحق ہے لیکن اس کا کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اتنا طاقتور ہے کہ اس کے سامنے کوئی جادو نہیں ٹھہر سکتا۔

سورۃ نمبر ۱۱۴ آیات: ۴

مقام نزول: مکہ

سورہ الناس

شیطان کے شر سے پناہ مانگنے والی سورتیں

تعارف: چونکہ پہلی ہی آیت میں بلکہ آخر تک ہر آیت کا اختتام الناس کے لفظ پر ہوا لہٰذا اس سورہ کا یہ نام ہوا اور الناس آدمیوں کو کہا جاتا ہے۔

موضوع کی تفصیل:

شیطانی وسوسہ تمام برائیوں کی جڑ ہے جب انسان کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور شیطان اس کے دل میں خلفشار پیدا کرتا ہے۔ اسے نیکی کی طرف سے ہٹا کر برائی کی طرف لے جاتا ہے یعنی برائی کو اس کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ برائیوں کی طرف بڑھتا ہی چلا جاتا ہے' ایک شر کو کامیاب بنانے کے لئے اسے دس برائیاں اور کرنی پڑتی ہیں' یہ وسوسہ شک ڈالنے والے شیاطین جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ پہلے شیطان ایک بد آدمی کو اپنے قبضے میں لیتا ہے پھر اس کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے لہٰذا جب انسان کے دل میں وسوسے شک وشبہ پیدا ہونے لگیں تو اسے چاہئے کہ وہ خدا سے دعا کرے کہ وہ اسے شیطان کے شر سے پناہ دے۔ (آمین)

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویز بنایا جاتا ہوں
دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جس طرح طوطا مینا کو
کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں
اس طرح سکھایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کے لیے
تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے
ہاتھوں پہ اُٹھایا جاتا ہوں
یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے
قانون پہ راضی غیروں کے
یُوں بھی مجھے رُسوا کرتے ہیں
ایسے بھی ستایا جاتا ہوں
کس بزم میں میرا ذکر نہیں
کس عُرس میں میری دُھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں
مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

(ماہر القادری)

دردِ مشترک

اے زلفِ مسلسلت بلائے دل من
لعلِ لب تو گرہ کشائے دل من
من دل نہ وہم بہ کس برائے دل تو
تودل بہ کسے مدح برائے دل من
جانم بہ لب از لب خموشِ تو رسید
ورلعلِ خموش بادۂ نوش تو رسید
گوش تو شنیدم کہ درد دارد
دردِ دل من بگوش تو رسید

ترجمہ:

اے پروردگار اے میرے محبوب تیری ان گنت نعمتیں مجھے مسلسل اپنی طرف کھینچے رہیں اور میں اس طرح ان کا اسیر ہوا جیسے ایک عاشق اپنے محبوب کی زلفوں کا اسیر ہو جاتا ہے۔

مگر اے میرے رب جب تیرے لبوں کا جوہر یعنی تیرا کلام پاک میرے لبوں تک پہنچا تو اس نے میرے دل کی ساری گراہوں کو کھول دیا۔

میں اب اپنا دل تیرے دل کی خاطر کسی نعمتِ دنیا میں نہیں الجھانا چاہتا تو میرے دل کی اس خواہش کا مان رکھ لے۔

میری جان میرے رب! ''لب خموش'' یعنی تیرے خاموش قرآن کو جب میں نے پڑھا تو میری جان لبوں پر آ گئی کہ قرآن مجھے کس طرف بلا رہا تھا اور میں کس طرف جا رہا تھا لیکن تیرے کلام کی کشش سے ہی آخر کار میں تیرے جام محبت تک پہنچ گیا۔

اور میں نے جب اس خاموش کلام کی آواز سنی تو مجھے محسوس ہوا کہ تیرے دل میں بھی کوئی درد ہے یہ درد تنہائی جو مجھ میں اور تجھ میں مشترک تھا اس دردِ مشترک کے وسیلے سے میں تیرے کلام کی روح تک پہنچ گیا اور یہ جان کر حیران ہوں کہ تیرے اور میرے دل کا درد ایک ہی ہے۔

شاعر: سلطان ابوسعید ابوالخیر جیلی

رب کا پیغام

محبوب ﷺ کے نام

دُعاءِ خَتمِ القُرآنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ
وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا
نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ
وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar No. 2
KARACHI
PH.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکیڈمی آف قرآنک اسٹیڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ سینٹر آف پاکستان کو پروردگار کے تشکر کے بعد اس امر پر فخر ہے کہ برصغیر میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہے جس کی اشاعت ہمارے ادارے کے سپرد کی گئی ہے۔ اصولاً یہ کام تقسیم برصغیر کے فوراً بعد ہی ہو جانا چاہئے تھا تا کہ نصاب تعلیم کا حصہ بنتا اور دینیات کی تعلیم صرف قرآنی سورتوں کے حفظ کرنے تک محدود نہ ہوتی بلکہ طالب علم کو ان حقیقی اسلامی نظریات کا درجہ بدرجہ علم ہوتا جو اُن کی عملی زندگی میں اُن کے کام آتا۔ دنیاوی علوم قرآنی علوم سے کس طرح منسلک ہیں اس کا وہ خود مطالعہ کرتے رہتے اور انہیں معلوم ہوتا کہ ایک اسلامی ملک میں نظام حکومت' نظام معاشرت اور نظام معیشت کیسا ہونا چاہئے؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے انہیں کسی ملا یا مفتی اور تعصبات کو آگے رکھ کر اصل مسائل سے ہٹا دینے والے مولوی صاحبان کے پاس نہ جانا پڑتا۔

ہمارے یہاں مفسرین قرآن نے بہت محنت سے سالوں کی ریاضت کے بعد تفاسیر کی بڑی بڑی جلدیں تو مرتب کرلیں جنہیں کوئی بھی صاحب علم اس وقت پڑھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے جب سارے علوم کے حصول کے بعد بھی اُس کی پیاس تشنہ ہو۔ تفاسیر کی تفصیل اور مشکل زبان بھی کئی مرتبہ اُس کے لئے مطالعے میں عدم دلچسپی کا سبب بنتی ہے اور وہ چند صفحات کے بعد ہی تفسیر کی پہلی ہی جلد کو اٹھا کر اگلی نشست میں پڑھنے کے لئے رکھ دیتا ہے اور یوں اُس کے علم کا تسلسل ٹوٹتا رہتا ہے اگر زمانہ طالب علمی سے ہی اُس کو آسان زبان میں قرآن کے موضوعات سے شناسا کر دیا جاتا تو شاید یہ صورت حال سامنے نہ آتی بہرحال دیر آید درست آید' یہ کام اب ہو گیا۔

اس پیغام ربانی کی حقانیت کا سب سے بڑا معجزہ تو اس صدی میں ہی نظر آتا ہے کہ اس کام کا خیال نہ بڑے بڑے مفسرین یا دانشوروں کو آیا نہ نصاب تعلیم مرتب کرنے والوں کا دھیان اس طرف گیا نہ اُس بچی کو جس نے ابلاغ عامہ میں پی ایچ ڈی کیا' اگر میں یہ کہوں کہ یہ خیال نہیں بلکہ الہام ہوا بھی تو اُس ماں کو جنہوں نے کبھی کسی اسکول یا مدرسہ کی شکل تو نہیں دیکھی مگر اس پیغام کو جاننے اور سمجھنے کی تڑپ ان میں موجود تھی اس لئے کہ وہ اس پیغام کو ہم تک پہنچانے کا وسیلہ بننے والے خدا کے محبوبؐ کی امت میں سے نہیں بلکہ اولاد میں سے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خدا اور اُس کے محبوب کو جاننے کے لئے پہلے تو اُس کی سچی محبت شرط ہے۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ پیغام ربانی رب نے اپنے جس محبوبؐ کے کردار کے وسیلے سے ہم تک پہنچایا یہ اُسی محبوب کی محبت کا صدقہ ہے۔ کاش نسرین کی والدہ محترمہ صدقہ اقرار حسین کو ملنے والے اس صدقے سے وہ تمام طالب علم مستفید ہو سکیں جن کے لئے یہ ماں کی طرف سے سچی محبت پر مبنی ایک نایاب تحفہ ہے۔

ناشر: اکیڈمی آف قرآنک اسٹیڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ سینٹر آف پاکستان
B-285 بلاک 13 فیڈرل بی ایریا۔ کراچی فون: 6364519 - 5887948